نعت رنگ
www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

تمھارے لیے بہترین دوست اور
ساتھی وہ ہے جسے دیکھو تو تمھیں
خدا یاد آئے۔ جس کی گفتگو سے
تمھارے علم میں اضافہ ہو اور
جس کا عمل تمھیں آخرت کی
یاد دہانی کرائے۔

(الترغیب والترہیب۔ روایت ابن عباسؓ)

منجانب

صوفی سید محمد جمال (کراچی)

With
Best
Compliment
from:
MATCO RICE PROCESSING (PVT) LTD.
10, FAREED CHAMBERS, ABDULLAH HAROON ROAD,
SADDAR KARACHI-74400 PAKISTAN
PHONES : 5670474 - 5661987 FAX : 5685321 TELEX : 21787 MATCO PK

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

شمارہ ۸ ——— ستمبر ۱۹۹۹ء

مرتب
صبیح رحمانی

منتظم اعلیٰ
صاحب زادہ انور جمال بدخشانی

شعبۂ اشتہارات
عاطف معین قاسمی، عدیل قاسمی

مجلس مشاورت
رشید وارثی — عزیز احسن
نور احمد میرٹھی — سید معراج جامی

بیرون ملک نمائندے
واصل عثمانی : سعودی عرب
رئیس وارثی : امریکا
سید علی مرتضیٰ رضوی : برطانیہ

ہندوستان میں
ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (کل گاؤں)
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)
ساجد صدیقی لکھنوی (لکھنؤ)
ندیم صدیقی (ممبئی)

اس شمارے کی قیمت
پاکستان ۱۰۰ روپے

بیرون ملک
(بذریعہ ایرمیل)
سعودی عرب : 25 ریال
یو اے ای : 30 درہم
امریکا : 8 ڈالر
برطانیہ : 5 پاؤنڈ

سرورق پر
مہدی ضرّابی (کراچی)
کے فن خطاطی کا
خوبصورت نمونہ

ناشر
اقلیم نعت

CONTACT :
E-25, Phase-V, T&T Flats,
Shadman-II, North Karachi, Pakistan.
Tel : (92-21) 6901212
Fax : (92-21) 4941723
Email : fazlee@cyber.net.pk

مرتب و ناشر صبیح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت ۲۵-ای، ٹی اینڈ ٹی فلیٹس، فیز ۵، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

جامعاتی سطح پر پہلی ''نعت چیئر'' قائم کرنے والی
محی الدین اسلامی یونی ورسٹی (نیریاں شریف آزاد کشمیر)
کے چانسلر
حضرت الحاج پیر محمد علاء الدین صدیقی مدظلہ'
اور وائس چانسلر
محترم ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی مدظلہ'
کے نام

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
حضرت علامہ اقبالؒ
EUROMODE (PVT) LTD.
L/32/A, BLOCK-22, F.B. AREA, KARACHI.
TEL : 6364459-6364076 FAX : (92-21) 6340150

دھنک

مقالات و مضامین

فکر و فن

علاقائی زبانوں میں نعت

خصوصی مطالعہ

تذکرہ نگاری

مدحت

مطالعاتِ نعت

عزیز احسن (کراچی)

وہ ربّ ہے

وہ، علم جس کا محیطِ کُل ہے
اُسی کی قدرت کہ بس ارادہ کرے
تو ہے ہر شے وجود پالے
اُسی کی آیات ذرے ذرے میں
اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں
ہواؤں سے مل کر اُس کے نغمے
سبھی فضائیں سنا رہی ہیں

میں اُس کی قدرت کے کارخانے میں
چشمِ حیراں کے ساتھ آیا
تو دم بخود تھا
میں سوچتا تھا
زمیں کی وسعت
اور آسماں کی بلندیوں میں
یہ کس کا چہرہ دمک رہا ہے
وہ شمع آسا اندھیری راتوں کے درمیاں
یوں چمک رہا ہے

میں سوچتا تھا مگر میں اُس ذات کے
تعارف سے بے خبر تھا
میں بے خبر تھا مگر مرا کل وجود
اُس کی طرف رواں تھا

میں قرن ہا قرن اُس کو ڈھونڈھا کیا
مگر اُس کو دیکھ پایا، نہ جان پایا
نہ میں نے اُس کی صفات جانیں
نہ ذات جانی

پھر اُس کے پیغمبروں نے آ کر
مری نظر کو بصارتوں کی نوید دی
اور دل کو بخشیں بصیرتیں بھی
ملی بصیرت تو میری حیرت پہ
اک نئی آگہی کا در کھل گیا جہاں میں

ازل سے پہلے کی سب کہانی
ابد کے مابعد کے ترانے
سنے تو دل کو یقیں کی دولت عطا ہوئی
اور --- روح نے روشنی بھی پائی

وہ جس کی آیات ہیں جہاں میں
اُسی نے روزِ الست مجھ سے
''بلیٰ'' کا اقرار لے لیا تھا
مگر میں اس خاکداں میں آ کر
بھٹک گیا تھا
وہ ربّ ہے!!!
خود اُس نے مجھ کو
پہلے بتا دیا تھا

☆☆☆

ابتدایہ

الحمدللہ نعت رنگ نے اپنے اشاعتی سفر کا ایک اہم حصہ طے کرلیا ہے۔ اردو میں علمی، ادبی اور دینی جرائد و رسائل کی اشاعت کے مسائل سے کون واقف نہیں اور اگر رسالہ کسی خاص موضوع سے متعلق ہو تو دشواریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں کیونکہ اس رسالے سے قارئین کا تعلق وفاداری سے زیادہ وضع داری اور ضرورتا سے زیادہ اخلاقاً ہی رہ جاتا ہے۔ ''نعت رنگ'' بھی ایک موضوعی رسالہ ہے لیکن اس کا موضوع ایسا نہیں جس سے دلچسپی رواروی میں لی جائے یہ اپنے قارئین سے پورے وقار و سنجیدگی کی رسد اور فکر و عمل کی کمک چاہتا ہے جو اسے حاصل ہے اور اس کا دائرہ روز بہ روز وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

نعت رنگ کا یہ آٹھواں شمارہ بھی نعت کی تخلیق، تنقید، تحقیق اور اور تدوین کے مختلف علمی و ادبی پہلوؤں کو ہمارے سامنے لا رہا ہے جس سے نعت پر ادبی گفتگو کے مزید در وا ہوسکیں گے کہ یہی ہمارا نصب العین ہے۔

گزشتہ دنوں جو چند اہم نعت نگار ہم سے جدا ہوئے اُن میں اقبال صفی پوری، شمیم جے پوری ، خالد بزمی، الحاج قمرالدین احمد انجم، الحاج محمد علی ظہوری قصوری، الحاج محمد اختر سدیدی وغیرہ شامل ہیں، ادارہ اقلیم نعت ان نعت نگاروں کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

شعر کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے

شعر کیا ہے؟ علماء ادب نے اس بارے میں متعدد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وزن اور قافیہ شعر کی صوری صفات ہیں اور بعض نے ان کے التزام کو ہی شعر کا بنیادی عنصر شمار کیا ہے۔ (۱) ابن رشیق القیروانی نے مقومات شعر کو چار عناصر پر مشتمل قرار دیا ہے کہ وزن و قافیہ کے علاوہ الفاظ اور معانی بھی تکوین شعر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ وہ تو انہیں شعر کا جسم و روح کہتا ہے (۲)۔ الفاظ ذریعہ ہیں معانی تک پہنچنے کا اور اگر الفاظ یہ فریضہ باحسن طریق انجام نہ دیں تو شعر ابلاغ کے بنیادی وصف سے محروم ہو کر نا قابل التفات ٹھہرتا ہے اور اگر معانی مرغوب و محبوب نہ ہوں تو الفاظ کی تراش خراش سعی لاحاصل ہوتی ہے۔ الفاظ و معانی میں جسم و روح کا تعلق ان کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔ جسم کی سج دھج قابل لحاظ ہے مگر یہ سب کچھ روح کے رابطے کے حوالے سے ہے۔ یہ رابطہ نہ ہو تو جسم مُردہ ہے اور مُردہ کو کس قدر بھی عمل مومیائی سے گزارا جائے باعث نشاط نہیں لائق عبرت ہی ہے۔ شعر میں معانی کی عظمت کا اعتراف اس کی شعور سے لغوی نسبت کے حوالے سے بھی کیا گیا ہے کہ شعر کو شعور کا انعکاس سمجھا گیا ہے۔ ابن رشیق کہتا ہے "و انّما سمّی الشاعر شاعرا لانہ یشعر بما لایشعرلہ غیرہ" (۳)۔ امام راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں "وسمّی الشاعر شاعراً لِفطنتہ و دقّۃ معرفتہ" (۴)۔ (شاعر کو اس کی ذہنی بالیدگی اور دقت معرفت کی وجہ سے شاعر کہا گیا) شعر یوں تو وزن و قافیہ کے ضابطوں سے ترتیب دیا ہوا ایک قطعہ کلام ہے مگر دراصل یہ شاعر کے اندرونی جذبے اور داخلی شعور کی ایسی سچی آواز ہے کہ ہر سامع اسے اپنے دل کی پکار اور روح کی تڑپ خیال کرتا ہے۔ اس لئے یہ نہ صرف وزن و قافیہ کا مظہر اور نہ صرف جذبوں کا عکاس ہے بلکہ یہ سب جوانب کا جامع ہے اور تمام مقومات کا ایسا مجموعہ ہے جس میں یہ سب ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت اور ایک اکائی بن گئے ہیں۔ عرب کا صاحب معلقہ شاعر زہیر بن اُبی سلمیٰ کہتا ہے۔

وانّ احسن بیت أنت قائلہ   بیت یقال اذا أنشدتہ صدقا (۵)

(عمدہ تر شعر وہ ہے کہ تو جب وہ شعر کہے تو تیرے پڑھنے پر یہی پکار آئے کہ سچ کہا)

عربوں کے ہاں شعر کی منزلت اس قدر تھی کہ شاعری ان کے قومی وقار کا ناموس تھا۔ وہ قبائلی کارناموں کا محافظ اور ان کی غیرت کا امین تھا اس لئے اس کے شعر میتیر سے زیادہ اثر آفرین تھے ڈاکٹر نکلسن کا کہنا ہے کہ:

"Their unwritten words flew achoss the desert faster than arrows and came home to the hearts and gossoms of all who heard them."(6)

شاعری کی بے پناہ عظمت اور ہمہ جہتی اثرات کا حوالہ ڈاکٹر لی بان نے ان الفاظ میں دیا۔

"ان یعنی عرب شعراء کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قریش نے الاعشیٰ شاعر کو سو اونٹ محض اس لئے دیئے کہ آنحضرت (ﷺ) کی مدح میں جو اشعار اس نے لکھے تھے ان کی اشاعت نہ کرے۔" (۷)

اسلام دین فطرت ہے وہ انسانی جذبوں کی تہذیب کا تو قائل ہے نفی کا نہیں۔ شعر کی حیثیت مسلّم تھی اس سے کلیتہً اجتناب نہ ممکن تھا نہ مناسب اس لئے اسلام نے شعر کی معاشرتی گرفت اور شاعر کی ذہنی صلاحیت کو تسلیم کیا اور اس ادبی و فکری مظہر کو پذیرائی بخشی لیکن اس قوت کو منہ زور ہونے اور معاشرتی اضطرات کا محرک بننے کی اجازت نہ دی' قرآن مجید نے شعر کے حوالے سے جو اسلامی رویّہ کی وضاحت کی اس سے بعض اذہان میں شعر سے نفرت بھی بیدار ہوئی اور وہ اسے شغل لاطائل سمجھ کر تردید کرنے لگے جبکہ بعض نے حدود و ضوابط سے انکار کرتے ہوئے شعر کو لامحالہ احسن اور بہتر مظہر سمجھا۔ نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس پریشان نظری کا شکار نہ ہونے دیا اور واضح ارشادات سے درست طریق عمل کی نشاندہی فرمادی۔ وہ طریق اعتدال کیا ہے اس کو جاننے کے لئے قرآن و حدیث کے ان احکام کو پیش نظر رکھنا ہوگا جو کبھی موافق کیفیت کا اشارہ دیتے ہیں تو کبھی مخالف کیفیت کا۔ بہتر ہوگا کہ تمام موافق اور مخالف روایات کا حتی الامکان احصار کر لیا جائے تاکہ تقابلی جائزہ سے درست صورتحال سامنے آئے۔ آیئے پہلے موافق روایات پر توجہ دیتے ہیں۔

موافق روایات

(ا) ۱۔ انّ من الشعر حکمة (۸) (بے شک شعر میں حکمت ہے)

۲۔ انّ من الشعر حکماً (۹) (بے شک شعر میں حکمتیں ہیں)

۳۔ انّ من البیان سحرا و انّ من الشعر حکماً (۱۰)

(بے شک بیان میں جادو ہے اور بے شک شعر میں حکمتیں ہیں)

(ب) ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دربار رسالت میں شعر کا ذکر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ھو کلام فحسنه حسن و قبیحه قبیح" (۱۱)

۲۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال : انما الشعر کلام مؤلف فما وافق الحق منه فهو حسن وما لم یوافق الحق منه فلا خیر فیه ــــــ وقد قال علیه الصلاۃ والسلام انما الشعر کلام فمن الکلام خبیث و طیّب (۱۲)

(ج) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یاحسان اجب عن رسول اللہ اللّٰھم ایّدہ بروح القدس قال ابوھریرۃ نعم (۱۳)

۲۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم قریظة لحسان بن ثابت اھجع المشرکین فان جبریل معك (۱۴)

۳۔ عن عائشة رضی اللہ عنها ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اھجو قریشا فانّه اشدُّ علیها من رشقٍ بالنّبل (۱۵)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا شعر پڑھنا جبکہ بعض روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا عمرۃ القضا کے موقع پر شعر پڑھنا مذکور ہے۔ (اگرچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر قرین واقعہ نہیں کہ ان کا موجود ہونا درست نہیں کہ وہ اس سے قبل ہی جنگ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حرم پاک میں شعر پڑھنا مناسب نہیں مگر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خلّ عنه یا عمر فهوا سرع فیهم من نفج النبل (۱۶) (کہ اے عمرؓ رہنے دو' یہ ان کے لئے تیر کے گھاؤ سے زیادہ تیز ہیں۔)

۴۔ امیة بن الصلت کے متعدد اشعار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم (سو کے قریب) نے سنے اور تحسین فرمائی۔ (۱۷)

۵۔ دوران سفر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بلایا اشعار سنے اور سنتے رہے آخر یہ فرمایا:

لهذا اشدّ علیهم من وقع النبل (۱۸)

۶۔ حضرت ضرار بن الازورؓ حاضر ہوئے تو فرمایا پڑھو تو انہوں نے چار شعر کہے۔ (۱۹)

(د) ۱۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب مشرکین کی ہجو کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا میری قرابت داری کا کیا ہوگا' اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لأسلنّك منهم کما نسل الشعرۃ من العجین (۲۰) (میں آپ کو ان سے یوں نکال لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔)

۲۔ ایک روایت میں العجین (گندھا ہوا آٹا) کے بجائے الخمیر (خمیر والا آٹا) ہے۔ (۲۱)

(ہ) ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے اور آپ اس پر کھڑے ہو کر دفاع رسالت کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الله يؤيد حسان بروح القدس مايفاخرا و ينا فح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (۲۲)

۲۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں شعر پڑھنے سے منع کیا تو انہوں نے جواب دیا "كنت انشد فية وفيه من هو خير منك" (کہ میں اس مسجد میں اس وقت بھی پڑھتا تھا جبکہ اس میں آپ سے بہتر وجود ہوا کرتا تھا) پھر آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے تائید بھی چاہی۔ انہوں نے تائید فرمائی۔ (۲۳)

۳۔ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا (واقعہ افک کے حوالے سے) اس پر اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لاتسبه فانه كان ينافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۲۴)

۴۔ صاحب معلقہ جاہلی شاعر عنترہ کا شعر سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھنے کو پسند کیا فرمایا "ما وصف لى اعرابى قط فاحببت ان اراه الآ عنترة" (۲۵)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشعر كلمة تكلمت بها العرب كلمه لبيد ۔ الأ كل شئ ما خلا الله باطل (۲۶)

(د) دربار رسالت سے مدح خواں شعراء کو نوازا بھی گیا مثلاً

۱۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا ھمزیہ قصیدہ پیش کیا اور جب یہ شعر پڑھا۔

هجوت محمداً فاجبت عنه وعند الله فى ذاك الجزاء

تو فرمایا : جزاؤك على الله الجنة يا حسان

اور جب یہ شعر پڑھا۔

فان ابى و والده و عرضى لعرض محمد منكم وقاء

تو فرمایا' وقال الله يا حسان حرّ النّار (۲۷)

۲۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنا لامیہ قصیدہ بانت سعاد پیش کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنی چادر اوڑھادی جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کر کے خرید لیا۔ جس کو خلفاء عیدین کے موقعوں پر پہنتے رہے۔ (۲۸) اس کی قیمت العمدہ میں تیس ہزار درہم اور بعض نے بیس ہزار درہم بتائی ہے (۲۹)

۳۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "يا رسول الله انى اريد ان امتدحك فقال له النبى صلى الله عليه وسلم قل لا يفضض الله فاك" (۳۰) (فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے منہ نے

توڑے یعنی دانت نہ گریں۔)

۴۔ النابغة الجعدی کے اشعار پر بھی یہی دعا دی "لا یفضض اللّٰہ فاك" کہا جاتا ہے کہ وہ بہت خوبصورت دانتوں والے تھے جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا نکل آتا۔ (۳۱)

۵۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا اللّٰھم ارحمه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رحم واجب ہوا۔ (۳۲)

۶۔ ابو جرول زہیر بن حرد رضی اللہ عنہ کے اشعار پر آپ نے بنو ہوازن (حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ) کا تمام مال واپس کر دیا۔ (۳۳)

(ز) ۱۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجز یہ اشعار پڑھتے تو آپ یہ شعر پڑھ کر جواب دیتے۔

اللّٰھم لا خیر الآ خیر الأخرة فاغفر الانصار والمهاجرة (۳۴)

غزوۂ خندق کی مناسبت سے بھی یہ شعر نقل ہوا ہے اور اس کے کلمات میں اختلاف بھی روایات میں موجود

۲۔ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے اشعار سنے تو فرمایا یرحمه اللّٰہ (۳۵)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کسی کے شعر کی مثال بھی دیا کرتے ہیں تو فرمایا ہاں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر کو پڑھتے۔ و یاتیك بالاخبار من لم تزود (۳۶)

۴۔ جنگ حنین میں جب پاؤں اکھڑے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود سوار ہو کر نکلے حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے لگام تھام رکھی تھی اور آپ رجز پڑھتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ پڑھ رہے تھے۔

أنا النبی لا کذب أنا ابن عبدالمطلب (۳۷)

یہ بھی ذکر کیا گیا کہ مسجد قبا کی تعمیر کے موقع پر آپ نے شعر پڑھا اگرچہ علماء نے تصریح کی کہ "لم یبلغنا فی الاحادیث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تمثل بیت شعر تام غیر هذه الابیات" شعر یہ ہیں۔

هذا الحمال لا حمال خیبر هذا ابر ربنا واطهر

پھر پڑھا۔

اللّٰھم ان الاجر اجر الأخرة فارحم الانصار والمهاجرة (۳۸)

(ح) ۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "الشعر میزان القوم" یعنی شعر کسی قوم کی شائستگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ (۳۹)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شعر کی تعلیم کا حکم دو فانه

يدل على معالى الاخلاق و صواب الرأى و معرفة الانساب"(۴۰)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت کثرت سے شعر روایت کرتی تھیں۔ حضرت لبیدؓ کے تو تمام شعر روایت کیا کرتیں۔(۴۱)

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی "علموا اولادکم الشعر تعذب السنتهم"(۴۲)

۵۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شعر کہتی تھیں کثیر شعر روایت ہوئے ہیں۔(۴۳)

۶۔ کہا جاتا ہے کہ بنو عبدالمطلب میں سے کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جو شعر نہ کہتی ہو سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔(۴۵)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب تفسیر و حدیث کے درس سے فارغ ہوتے تو خوشگوار گفتگو کا ارشاد فرماتے تاکہ اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔(۴۶)

۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو۔ پوچھا گیا "و انت ابا حمزة قال وانا" (۴۷)

۹۔ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے شعر پڑھا تو کسی ہم مجلس نے کہا آپ بھی شعر پڑھتے ہیں۔(گویا یہ اچھا کام نہیں) فرمایا ارے ناکارہ "هل الشعر الا كلام لا يخالف سائر الكلام الا فى القوافى فحسنه حسن و قبيحه قبيح" (۴۸)

۱۰۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ عراق میں کچھ لوگ شعر کو ناپسند کرتے ہیں فرمایا عجمی راہ پر چلے ہیں۔" (۴۹)

روایات کا جائزہ

یہ روایت شعر کی عظمت و حیثیت کے آٹھ مختلف حوالوں پر مشتمل ہیں۔ان کے مندرجات کا جائزہ ان سے مترشح ہونے والے مفہوم تک رسائی کا ذریعہ ہوں گے مثلاً

جزو "الف" میں شعر کی عمومی حالت کو واضح کیا گیا کہ شعر فی نفسہٖ کن اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ انّ من الشعر حكمة یا حکماً کے الفاظ اپنے بسیط تر معانی میں بھی شعر میں حکمت کی موجودگی کے امکان کا اظہار ہیں۔من تبییض کے لئے ہو تو بعض شعروں کا حکمت سے پر ہونا ثابت ہوا اور اگر یہ تبیین کے لئے ہے تو ہر شعر کا پراز حکمت ہونے پر دلیل ہوا۔کم سے کم تر توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ ہر شعر نہ سہی بعض شعر یقیناً حکمت خیز ہوتے ہیں اس مفہوم کے مطابق شعر کی وسیع تر کائنات میں بعض اشعار کا قابل اخذ اور لائق التفات ہونا واضح ہوا۔اگر وہ حدیث بھی پیش نظر رہے جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ' آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں الکلمة الحکمة ضالة المومن حیث ما وحدها فھو احق بھا (۵۰) یعنی کلمۂ حکمت تو مومن کی متاع گم گشتہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حق دار ہے۔ ان احادیث سے یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ کلمۂ حکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے اور بعض شعر کلمۂ حکمت ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض شعر بھی مومن کی متاع گم گشتہ ہیں۔ ان سے شعر کا ایک حصہ مومن کا مطلوب ٹھہرا۔

عربوں کے ہاں شعر سحر آفریں ہوتا، عظیم وہ شاعر ہے جو لفظوں کا جادو جگائے اور حرفوں سے سحر بھر دے اس لئے ان کی شاعری ساحری تھی، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر کی اس کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ صاحب مرآۃ الشعر کا کہنا ہے:

> "یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شعر اسی حد تک شعر ہے کہ شعور کا رنگ و اثر غالب رہے۔ اپنی اصل و حقیقت سے دور نہ ہو، یہی راز حدیث نبویؐ میں آیا ہے۔ ان من البیان لحسرا و ان من الشعر لحکمة یعنی بیان اصل میں حکمت و موعظت ہے لیکن کبھی کبھی حدود شعر میں داخل ہو جاتا ہے اور سحر بن جاتا ہے اور کبھی کوئی شعر حدود خطابت میں آجاتا ہے اور سحر سے حکمت بن جاتا ہے کیونکہ خطابت کا منتہائے کمال یہ ہے کہ حکمت ہو اور تاثیر میں جادو بن جائے، سننے والا سنے اور مسحور ہو جائے اور انتہائے کمال شعر کا یہ ہوتا ہے کہ شعر اگرچہ فی حد ذاتہ شعور و جذبات کا نتیجہ اور جادو ہے لیکن اس سحر و ساحری کے باوجود دانش و حکمت کے ذروۂ بلند تک پہنچے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ کلام انسانی کے درجہ کمال کا وہ بلند ترین نقطہ ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اور جن کو نصیب ہوتا ہے ہر وقت نہیں ہوتا اسی لئے بعض از بیان اور بعض از اشعار کے بارے میں ارشاد ہوا جو کچھ ارشاد ہوا" (۵۱)

ان روایت سے شعر کہنے یا سننے کی تحریک ہوتی ہے کہ یہ کلام کا منتہا ہے اور تاثیر کی بے پناہ قوت رکھتا ہے۔ جزو "ب" کی روایات میں شعر کو کلام کا ایک ایسا رخ قرار دیا گیا جو اپنے مفاہیم کی مناسبت سے حسین بھی ہو سکتا ہے اور قبیح بھی۔ کلام ہونے کی حد تک کسی حکم کا مصداق نہیں۔ شعر اظہار کا تند و تیز ذریعہ ہے۔ اسلام نے اسے بہتر مقاصد کے لئے مباح بلکہ بعض اوقات ضروری قرار دیا، حسن کلام محبوب ٹھہرا، کلام حق نما ہو کہ کلام کا حسن و قبح سانچوں سے زیادہ مضامین کی نسبت سے متعین ہوتا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں "الکلام المفھوم غیر حرام والصوت الطیب الموزون غیر حرام فاذا لم یحرم الاحاد فمن این یحرم المجموع" (۵۲) (کلام مفہوم حرام نہیں، اچھی اور موزوں آواز حرام نہیں، جب یہ فرداً فرداً حرام نہیں تو مجموعہ کی حرمت کہاں سے آئی گی۔)

جزو "ج" اور جزو "د" میں شامل روایات سے شعر کی دفاعی حیثیت اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ حق و باطل کی آویزش میں ہر جائز اور ضروری حربہ استعمال کرنا ہوتا ہے تاکہ حق آشکار ہو اور باطل سرنگوں رہے۔ قتال بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور جہاد باللسان بھی ہر ایک کا اپنا مقام ہے لیکن بعض اوقات الفاظ کی کاٹ شمشیر سے کئی گنا شدید ہوتی ہے۔ لفظوں کے تیر زہر آلود لوہے کے تیروں اور بھالوں سے زیادہ کاری ہوتے ہیں۔ اھجھم ان کی ہجو لکھو یا اُجب من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو' کے احکام دفاعی شاعری کو ایک فریضہ بنارہے ہیں مگر اس ردِ عمل میں توازن کو ملحوظ رکھا گیا کہ تجاوز عَنِ الحَدّ نہ ہونے پائے۔ اُمیّہ بن الصلت کے حکمت آمیز شعروں کو سماعت فرما کر اور حِیْنَۂ یعنی مزید کہو کا ارشاد فرما کر ایک طریق کار متعین کر دیا کہ حکیمانہ اشعار اور ناصحانہ ابیات کی خواہش رکھنا سنت پیغمبر علیہ السلام ہے۔ شعر گوئی محمود ہی تھی اس لئے کبھی شاعر کی خواہش پر جیسے حضرت ضرار بن الازور کی خواہش پر سماعت قبول کر لی تو کبھی خود تقاضا فرما کر شعر گوئی کی ترغیب دی جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ کو ارشاد فرمایا۔

جزو "ہ" میں شعر کی دربار رسالت میں پذیرائی کا بیان ہے۔ شعر خوانی فعل عبث ہوتا تو دربار رسالت میں راہ کیسے پاتا اور مسجد میں اس کی اجازت کیوں دی جاتی۔ منبع رشد و ہدایت مسجد میں کسی فعل کا انجام پانا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فعل کی حلّت کا ثبوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسجد نبوی میں شعر خوانی' شعر کو حلّت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی شعر کو تقدس عطا کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ سماعت شعر کا یہ اہتمام کہ منبر بچھایا جاتا' پڑھنے والے کو روح القدس کی تائید حاصل ہونے کی نوید سنائی جاتی' حضرت حسان رضی اللہ عنہ' بشارتوں سے نوازے جاتے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان کا پُراعتماد لہجہ اپنے عمل کی صداقت پر اصرار' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید' شعر خوانی کے خلاف تمام شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں۔ جاہلی شاعر عنترہ کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار معنون شعر کی عظمت کا اعتراف ہی تو ہے۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے مصرعہ پر پسندیدگی' شعر کے بارے میں نبوی رویّہ کی شہادت ہے۔

جزو "و" کی روایات اس ہمدردانہ رویہ کی خبر دیتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء کے ساتھ اپنایا تھا' ترغیب کے ساتھ بر محل تحسین۔ شعر کی اثر آفرینی کا حوالہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت' دوزخ سے محفوظ رہنے کی نوید اس طرز عمل کے شواہد ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ جاں بخشی کا ذریعہ بھی بنا اور قبولیت کا معیار بھی ٹھہرا۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں'

"صارت هذه القصيدة احسن الوسائل الى الشفاعة و اوثق الذرائع الى الاغماض عن وفازت بحسن القبول من جنابه و

جازی قائلها بعطیة من جلبابه" (۵۳)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ 'اور حضرت النابغۃ الجعدی رضی اللہ عنہ' کے حق میں دعا کہ لا یفضض اللہ فاک کا یہ اثر کہ ان کے دانت موتیوں کی طرح تا عمر درخشاں رہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لئے رحم کی دعا اور ابو جردل رضی اللہ عنہ کے استمداد یہ لہجے پر عام معافی۔ دربار رسالت میں شعر گوئی کے رواج کی خبر دیتے ہیں۔

جزو "ز" کی روایات ان پسندیدہ اشعار کی خبر دیتی ہیں جنہیں دربار رسالت میں بار آمد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ باریابی شعر کی قبولیت اور ان میں متضمن خیالات کے بارے میں اسلامی مزاج کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے شعر پر اصدق کلمة کا تبصرہ مضامین شعر کی حدود اور قدر و قیمت کا معیار ہے۔ جنگ میں رجز' تعمیر مسجد کے محنت طلب مرحلہ پر شعر کی حلاوت' شعر کے مواقع کی نشاندہی ہے کہ ذوق شعر بھی برقرار رہا۔ دعا کا مقصد بھی حاصل ہوا اور اطمینان و سکون کی کیفیت بھی طاری رہی۔ ان النبی لاکذب۔ انا ابن عبدالمطلب کے نعرۂ حق نے شکست کو فتح میں بدلا' زبان نبوت سے ادا ہونے والے باوزن اور ہم قافیہ کلمات نوید جانفزا ثابت ہوئے اور شعر کا حسن ہویدا ہوا۔

آخری جزو "ح" میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آراء پر مشتمل ایک مختصر فہرست ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ان برگزیدہ اصحاب کے ہاں شعر کی قدر و قیمت کیا ہے۔ شعر کو میزان القوم قرار دینا شعر کا وہ شرف ہے کہ نثر اپنی تمام تر رفعتوں کے باوجود حاصل نہ کر سکی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ترغیب شعر کے لئے فرمان' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلیم شعر پر زور اور کثرت سے روایت' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شعر کہنا' خاندان بنی عبدالمطلب اور انصار مدینہ کے افراد کا شعر سے شغف' ابن سیرین کا شعر کی عظمت پر گواہی دینا اور حضرت سعید بن المسیب کا ترک شعر کو عجمی رویہ قرار دینا۔ شعر کی مقبولیت' ضرورت اور عظمت کے بیّن شواہد ہیں۔

یہ روایت شعر کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے رویّے کو واضح کرتی ہے۔ شعر کے بنیادی اوصاف کا اعتراف' شعر میں حکمت آمیزی کی شہادت' عمدہ اشعار پر تحسین و ترغیب' خواہش شعر کا لحاظ' دفاعی ضرورت کے لئے شعر کی اہمیت' حسین موضوعات کے حامل اشعار پر پسندیدگی کا اظہار اور انعام و اکرام کا اعلان' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اشتیاق اور آئندہ نسلوں کو شعر کی ترغیب و تحریک' یہ سب روایات شعر کی عظمت کے شواہد ہیں کیونکہ:

> "شعر تو وہ کلام ہے جو لفظی و معنوی حسن و جمال کی تصویر ہو' ایسی تصویر جو کمال شعور سے ناشی ہو اور سننے والوں میں شعور و احساس پیدا کرے۔ خود جذبات میں ڈوبا ہوا ہو اور وہ جذبات سے اپیل کرے۔" (۵۴)

غیر موافق روایات

اسلامی تعلیمات میں سے شعر کی تردید کے لئے بعض آیات و روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے اور یہ تاثر قائم کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے کہ قرآن مجید و احادیث نبویہ سے ایسے دلائل تلاش کئے جائیں جو شعر کی ہر نوعیت اور ہر مضمون کو معتوب قرار دیں تاکہ شعر گوئی اور شعر خوانی کو غیر اسلامی حرکت ثابت کیا جائے۔ ایسی روایات کا احصاء تو ممکن نہیں مگر ان میں سے وہ جن پر استدلال کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے ان کا ذکر مناسب ہوگا۔ ابتداء ان آیات سے کی جاتی ہے جو شعر کی نفی کے لئے بطور دلیل عموماً ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) قرآن مجید

۱۔ وَالشّعراءُ یتّبعھُمُ الغاوٗن٥ اَلَم تَرا انّھم فی کُلّ وَادٍ یّھیمُون٥ وَانّھم یقولوُنَ مَالاَ یَفعلون٥ اِلاّ الّذینَ اٰمنوا وَ عمِلوا الصّٰلحٰتِ وَذکروا اللّٰہ کثیراً وّانتصروا مِن بَعدِ مَا ظُلموا٥ وَسَیعلَم الّذِین ظَلموا اَیّ منقلبٍ یّنقلِبُون٥ (۵۵)

(اور شعراء ان کی اتباع کرتے ہیں بے راہ رو کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا اور وہ فتح یاب ہوئے بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کس کروٹ الٹتے جائیں گے۔)

۲۔ وما علّمناہ۔ الشعر و ما ینبغی لہ ط اِنْ ھو الا ذکر و قراٰنٌ مبین" (۵٦)

(اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لئے مناسب تھا یہ تو ذکر اور قرآن مبین ہے۔)

۳۔ وما بقول شاعرٍ قلیلا ما یؤمنون۔" (۵۷)

اور پھر تنزیل من رب العالمین۔ (۵۸)

(اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں تم بہت کم یقین کرتے ہو)

اور پھر فرمایا (یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔)

(ب) احادیث

۱۔ حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لان یمتلی جوف الرجل قیحاً حتیٰ یریہ خیر لہ من ان یمتلی شعراً "(۵۹)

۲۔ یہی حدیث معمولی اختلاف سے صحیح مسلم میں حضرت ابو ھریرہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما

سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (۶۰)

۳۔ سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہر دو صحابہ سے مروی ہے۔ (۶۱)

۴۔ جامع الترمذی میں یہی روایت صرف حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(۶۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایالان یمتلی جوف احدکم قیحاً خیر له من ان یمتلی شعراً (۶۳)

۶۔ جامع الترمذی میں یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔(۶۴)

۷۔ مگر سنن ابی داؤد میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔(۶۵)

۸۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان یمتلی احدکم قیحاً حتیٰ یریه خیر له من ان یمتلی شعراً هجیت به (۶۶)

۹۔ یہی روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔(۶۷)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایالان یمتلی جوف احدکم قیحاً و دما خیر له من ان یمتلی شعراً قالت عائشة رضی الله عنها لم یحفظ الحدیث الما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان یمتلی جوف احدکم قیحاً و دما خیرله من ان یمتلی شعراً هجیت به (۶۸)

۱۱۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے کہ عروج کے مقام پر ایک شاعر کا سامنا ہوا جو شعر پڑھ رہا تھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خذدا الشیطان او امسکوا الشیطان لان یمتلی جوف رجل قیحاً خیر له من ان یمتلی شعراً" (۶۹)

آیات قرآنیہ کے بارے میں چند توضیحی گزارشات

قرآن مجید کی وہ آیات جن پر انکار شعر کی ساری عمارت استوار کی جاتی ہے شعر کی مذمت میں وارد نہیں ہوئیں بلکہ اس کی تہذیب اور اس قوت اظہار کی روشن روش کے اظہار کے لئے ہیں۔ ذوق شعری انسان کی قوت گویائی کا حسین تر پرتو ہے اور اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے اس سے صرف نظر نہیں کرتا اس لئے اسلامی تعلیمات نے کہیں بھی شعر کو حیثیت شعر قابل نفرت نہیں گردانا ہاں اس پیکر جمیل کے لئے حسین مضامین کے انتخاب پر زور ضرور دیا ہے۔ قرآن مجید کے احکام میں یہی نقطہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

۱۔ "والشعراء یتبعهم الغاؤن" بظاہر شعراء کے لئے ایک تہدید ہے۔ اس تہدید کی نوعیت اور حدود کیا ہیں یہ جاننے کے لئے چند مشہور تفاسیر کا حوالہ ایضاح مطلب کے لئے کفایت کرے گا۔

(الف) امام فخر الدین الرازی (م۶۰۶ھ) آیات مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"فقد ظهر بهذا الذی بیّناه ان حال محمد صلی الله علیه وسلم ما کان یشبه حال الشعراء ثم ان الله تعالیٰ لما وصف الشعراء بهذه الاوصاف الذمیمة بیانا لهذا الفرق استثنیٰ عنهم الموصومین بامور اربعة (احدها) الایمان و هو قوله تعالیٰ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (وثانیها) العمل الصالح وهو قوله: و عملوا الصّٰلحٰتِ (وثالثها) ان یکون شعرهم فی التوحید والنبوة ودعوة الحق الی الحق و هو قوله: و ذکروا الله کثیرا (ورابعها) ان لایذکروا هجو احد الاعلی سبیل الانتصار ممن یهجو هم و هو قوله: وانتصروا من بعد ماظلموا" (۷۰)

(ب) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"قال اکثر المفسرین ارادبه شعراء الکفار الذین یهجون رسول الله صلی الله علیه وسلم "پھر ان شعراء کے نام لکھے اور کہا" فتکلموا بالکذب والباطل و قالوا نحن نقول مثل ما یقول محمد" (۷۱) پھر چند احادیث سے استشہاد کیا اور آخر یہ کہا: ثبت من هذه الاحادیث ان الشعر لاباس به مااجتنب الکذب واشباهه من المحرمات "مزید فرمایا" الشعر طاعة ان کان فیه ذکر الله او علما من علوم الدین اونصحاً و وعظاً للمسلمین" (۷۲)

قاضی صاحب کا نقطۂ نظر ہے کہ ان آیات سے کافر شاعر مراد ہیں جو اپنے اشعار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی گئی آیات کے مشابہ سمجھتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اگر شعر میں کذب واختراع اور دیگر محرمات نہیں تو وہ مباح ہے بلکہ اگر شعر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' علوم دین کی وضاحت ہے یا مسلمانوں کے لئے نصیحت وخیر خواہی ہے تو وہ شعر سراپا اطاعت شعاری ہے۔

(ج) علامہ البیضاوی (م۷۹۱ھ) اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ کی وضاحت میں رقمطراز ہیں

"لأنّ اکثر مقدماتهم خیالات لاحقیقة لها واغلب کلماتهم النسیب بالحرم والغزل والابتهار و تمزیق الاعراض و القدح فی الانساب والوعد الکاذب والافتخار الباطل و مدح من لایستحقه والاطراء فیه" (۷۳) باطل خیالات' صاحب حرمت خواتین سے تشبیب' غزل' ابتذال' عزتوں پر حملہ' انساب میں الزام' جھوٹے وعدے' بے جا افتخار اور ایسے کی مدح جو مدح کا حق دار نہیں اور اس میں مبالغہ آرائی یہ وہ خیالات فاسدہ ہیں جن کی بناء پر انہیں ہر وادی کا آوارہ خرام کہا گیا ہے۔

تشریحات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آیات کا ہدف شعر نہیں مضمون شعر ہے۔ اسلام حسن ظاہر کو ناپسند نہیں کرتا مگر وہ داخلی حسن کا زیادہ متلاشی ہے کہ مقصود جوہر ذات ہے جس پر خارج کا ہیولہ مرتب

ہوا ہے اگر شعر فی نفسہٖ قابل مذمت ہوتا تو اِلَّا الَّذِیْنَ کے بعد کی آیات نہ آتیں۔ اِلَّا کے استثناء نے مضامین شعر کی نسبت سے شعر کو محمود اور غیر محمود میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس لئے عمدہ خیالات اور بہتر تراکیب کا حامل شعر مرغوب ٹھہرا اور ایسے ہی شعر دربار رسالت میں باریاب ہوئے۔ علامہ ابن رشیق نے فیصلہ کن رائے دیتے ہوئے لکھا کہ ان آیات سے شعر کے خلاف حجت پکڑنا مناسب اور باطل تاویل ہے کہ لان المقصودین بهذا النص شعراء المشركين الذين تناولوارسول الله صلى الله عليه وسلم بالهجاء و مسوه بالاذى فاما من سواهم من المومنين فغير داخل فى شئى من ذلك الاتسمع كيف استثناهم الله عزّ و جل (۷۴) کہ ان آیات سے مشرکین شعراء مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو لکھتے اور دکھ دیتے مگر جو ان کے علاوہ مومن شعراء ہیں وہ اس تہدید میں شامل نہیں کہ دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا استثناء کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس استثناء کا ذکر کیا ہے۔ (۷۵)

روایت ہے کہ جب ان آیات کی پہلی تین آیات نازل ہوئیں تو حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما اشکبار ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلَّا الَّذِیْنَ ــــــ کی استثنائی آیت پڑھی (۷۶) تو انہیں تسلّی ہوئی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب ان آیات کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: ان المومن يجاهد بسيفه ولسانه (۷۷)

الغرض ان ارشادات ربانی سے ان خیالات کی نفی کی گئی جن سے بدی فروغ پاتی ہے، کردار مجروح ہوتا ہے اور صالح جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ دور از کار دعویٰ، بے سر و پا حکایات، غیر حقیقی روایات اور بدنما استعارات و تشبیہات اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور جب ان کو شعر کے لبادے میں مزین کر دیا جائے تو فساد نظری اور زیغ قلبی کے اندیشے بڑھ جاتے ہیں اس لئے ان سے اجتناب پر زور دیا گیا لیکن حسین خیالات، پُر جذبات اور صالح نظریات کو شعر کا پیرہن عطا کر دیا جائے تو ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور معاشرے پر نیکی کے اثرات فزوں تر ہو جاتے ہیں۔

۲۔ "وما علّمناه الشعر و ما ينبغى له"

اس آیت ربانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی تعلیم کی نفی ہوئی اور یہ بھی واضح ہوا کہ شعر کہنا آپ کی ذات و صفات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ آپ کی ذات گرامی کی شعر سے برأت سے بعض اوقات یہ مراد لی جاتی ہے کہ شعر قابل نفرت چیز ہے اس لئے تو ذات رسالت کو اس سے منزّہ رکھا گیا۔ آیت کے کلمات کی ترتیب اور سیاق کلام پیش نظر رکھئے تو شعر کے بارے میں اس تحدی کا کوئی مقام نہیں بنتا۔ مفسرین کرام نے اپنے اپنے ذوق اور معلومات کے مطابق اس کی تفسیر کی ہے۔ چند ایک تفاسیر کی

تفسیری وضاحتیں تفہیم مقصود کے لئے مفید ہوں گی۔

نزول قرآن مجید کے دور میں عرب اپنی زبان کی ساخت پرداخت میں اس قدر محنت کر چکے تھے کہ انہیں اپنی زبان پر ناز سا ہو چلا تھا۔ زبان آوری اور فصاحت لسانی کا وہ اپنے آپ کو حق دار سمجھتے تھے۔ باقی دنیا ان کی نظر میں ژولیدہ بیانی کا شکار تھی۔ ایسے میں قرآن مجید کی معجز نما عبارت نے انہیں متوجہ کیا' فصاحت و بلاغت پر غرور کی حد تک بھروسہ کرنے والے قرآن حکیم کے بلیغ اسلوب کے سامنے بے زبان ثابت ہو رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ اس کتاب مقدس کی تاثیر شعر کی قوت سے بہت بڑھ کر ہے۔ ان کے ہاں تو کلام کی قوت کا انتہائی درجہ شعر ہی تھا' قرآن مجید ان کے مروّجہ شعری سانچوں میں فٹ نہ بیٹھتا تھا مگر اپنی اثر آفرینی میں شعر کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا تھا' ایسے بدحواسی کے عالم میں وہ قرآن مجید کی پُر تاثیر عبارت کو شعر کے سوا کہہ بھی کیا سکتے تھے 'انسان اپنے دائرہ معلومات کے اندر ہی سوچتا ہے' عربوں کے ہاں کسی کلام کا نقطہ عروج شعر تھا اس لئے وہ قرآن مجید کو شعر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ کر اپنے طور پر ان کو مناسب مقام دے رہے تھے مگر خالق کا کلام اور علیم و خبیر پروردگار کا تعلیم یافتہ نبی ان کے اندازوں سے بہت بڑھ کر تھا' شاعر کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر کہہ کر قرآن مجید کا مرتبہ گھٹاتا تھا (اگرچہ وہ شاید ارادی طور پر ایسا نہ کر رہے تھے) پھر جاہلی دور کے اثرات شعر کو وراثت میں ملے تھے۔ عرب ان اثرات کے حوالے سے ہی شعر کا مرتبہ متعین کرتے تھے ایسے میں قرآن مجید کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنا ان خصوصیات اور حدود کا پابند کرنا تھا جو شعر کے وجود کا حصہ بن چکے تھے اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی سوچ کی نفی کر دی جائے تاکہ ماحول کے بداثرات آنے والوں کو بھی انہیں کے حوالے سے سوچنے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس سیاق میں قرآنی ارشاد کی تفسیر میں کہے گئے الفاظ کا جائزہ حقیقت حال کی وضاحت کا سبب بنے گا۔

علامہ الرازیؒ نے اس بحث میں یہ نکتہ اٹھایا کہ آخر شعر کی ہی نفی کیوں کی گئی حالانکہ مشرکین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کاہن (نعوذ باللہ) بھی تو کہتے تھے اور یہ صریحا جسارت تھی' بے ادبی تھی مگر کیوں نہ فرمایا "ما علّمناه السحر" امام موصوف کے نزدیک قرآن' ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ تھا اس لئے ایسے معجزے کو روایات کے غبار میں گرد آلود کر دینا دین اسلام کی دائمی حیثیت پر ضرب لگاتا تھا۔ معجزات کے وقتی اثرات ظاہر بین نظروں کو ساحر نظر آئے تو قریب نظر ضرور ہے مگر یہ دائمی فساد کا باعث نہ تھا اس لئے تو اس کی تردید میں وہ شدّت نہ تھی جو شعر کی نفی میں استعمال ہوئی کہ یہ دائمی اور ابدی خطرے کا الارم تھا' فرماتے ہیں:

"اما الشعر فكانوا ينسبونه اليه عندما كان يتلوا لقرآن عليهم لكنه صلى الله عليه وسلم ما كان يتحدى الا بالقرآن كما قال

تعالیٰ: وان کنتم فی ریبٍ مّما نزّلنا علیٰ عبدنا فأتوا بِسورة من مثله۔ الیٰ غیر ذلك ولم یقل ان کنتم من شكّ من رسالتی فانطقوا الجذوع اواشبعوا الخلق العظیم او اخبروا الغیوب فلما کان تحد حه صلی اللّٰه علیه وسلم بالکلام وکانوا ینسبونه الی الشعر عند الکلام خص الشعر بنفی التعلیم"(۷۸)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیلنج ہی یہ تھا کہ اگر تم اس نازل ہونے والی کتاب پر شک کرتے ہو تو اس کی مثل ایک سورت لاؤ۔ یہ تو نہ کہا تھا کہ اگر تم کو میری رسالت پر شک ہے تو درخت کے تنوں کو گویائی دو یا بہت زیادہ مخلوق کو کھانا کھلا کر سیر کر دیا غیب کی خبریں بتاؤ۔ اس لئے کہ چیلنج کلام کا تھا اور وہ اس کلام کو شعر کہتے تھے اس لئے اس کی تعلیم کی نفی کی گئی۔)

بعض مفسرین نے اس نفی تعلیم شعر سے یہ استنباط کیا کہ شعر جاہلی دور میں خواہشات نفسانی اور خیالات باطلہ کا موثر ترین ذریعہ تھا اور شعر بدی کے فروغ میں اہم کردار انجام دے رہا تھا اس لئے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ وصف مناسب نہ تھا چنانچہ افصح العرب ہوتے ہوئے بھی آپ شعر گو نہ تھے۔ علامہ البیضاویؒ کا ارشاد ہے "وما یصح له الشعر ولایتاتی له ان اراد قرضه"(۷۹) (کہ آپ کے لئے شعر مناسب نہ تھا اور اگر آپ ارادہ شعر بھی کرتے تو نہ بنتا) اس نفی کے نتیجہ میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وقتاً فوقتاً جو شعر نما جملے ادا ہوتے رہے ان کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے جواب دو طرح دیئے گئے۔ ایک یہ کہ ایسا ہونا امر اتفاقی تھا اور اتفاقیہ طور پر ادا ہونے والے جملے جن میں شعر گوئی کا کوئی قصد نہ ہو شعر نہیں کہلاتے اور نہ ایسا قائل شاعر کہلاتا ہے۔ اہل زبان اور وہ بھی افصح اللسان کی عمومی گفتگو میں وزن در آئے تو تعجب کی بات نہیں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی" لکھتے ہیں: فاتفاقی من غیر تکلف و تصنیع وقعت بغیر قصدمنه الی ذلك و مثله لایعد شاعراً (۸۰) ایسے خیال کا اظہار علامہ کشاف نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ (۸۱)

دوسرے یہ کہ بعض علماء عروض وادب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہونے والے موزوں جملوں کو عروضی ضابطوں کے سہارے صرف شعر سے نکال دیا ہے تاکہ ایسی عبارات شعر کی حدود میں داخل ہی نہ ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا اتہام نہ لگایا جا سکے چنانچہ آپ سے ادا ہونے والے جملوں مثلاً انا النبی لاکذب ۔ انا ابن عبدالمطلب یا هل انت الا اصبع دمیت ۔ وفی سبیل اللّٰه مالقیت کے بارے میں کہا گیا کہ آپ نے کذب المطلب میں ہر دو باء کو حرکت دی۔ دمیت کی تاء کو بلا اشباع کسرہ دیا اور لقیت کی تاء کو ساکن کیا اس طرح یہ شعر کے ضابطوں سے خارج رہے۔ اگرچہ علامہ ابن حجر العسقلانی" (م ۸۵۲ھ) نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا فرماتے کہ اس

نظیر کے باوجود "فانه یصیر من ضرب آخر من الشعر وھو من ضروب الحیر المقلب بالکامل فی الثانی زحاف جائز" (۸۲) اس سے یہ بحث ابھری کہ کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شعر ادا فرمانے کی صلاحیت سے مزین تھے؟ امام الزمخشری کا خیال ہے "لم یتات و لم یتسهل" (۸۳) (کہ سہولت حاصل نہ تھی۔) دلیل کے طور پر انہوں نے امام عروض خلیل بن احمد کا قول بھی نقل کیا ہے۔ خلیل بن احمد (م ۱۷۰۔۱۷۵ھ) کے حوالے سے یہ بھی کہا گیا کہ "انا النبی لاکذب ۔ انا ابن عبدالمطلب" عربی عروض میں بحر رجز کا شعر بنتا ہے حالانکہ رجز کہنے والا راجز ہے شاعر نہیں۔ (۸۴)

یہ سوال بھی توجہ کا مستحق رہا کہ کیا زبان رسالت سے موزوں مصرعے کا ادا ہونا ممکن تھا یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو آراء موجود ہیں۔ نفی شعر پر شدت کے قائل اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک موزوں مصرعہ کی بھی تردید کرتے ہیں اور حتماً کہتے ہیں کہ شعر کسی صورت میں آپ سے ادا نہ ہوا۔ اس ضمن میں ابن سعد نے طبقات میں دو واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر ادا فرماتے "کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا" اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ انما قال الشاعر : کفی الشیب والا سلام لمرء ناھیا" مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے کفی الاسلام والشیب للمرء ناھیا ہی کہا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے "اشهد انك رسول اللّٰه ما علمك الشعر وما ینبغی له" (۸۵) دوسری روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے العباس بن مرداس کا شعر پڑھا "اصبح نهبی و نهب العبید بین الاقرع و عیینة" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا شاعر نے یوں نہیں کہا۔ فرمایا کیسے کہا تو حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھا "اصبح نهبی و نهب العبید بین عیینة والاقرع" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سواء مایضرك برات بالاقرع او بعیینة۔ فقال ابوبکر رضی اللّٰه عنه بابی انت ما انت بشاعر ولا راویة ولا ینبغی لك" (۸۶)

ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ آپ ﷺ چونکہ شاعر نہ تھے اس لئے شعر بھی درست نہ پڑھتے تھے حالانکہ شاعر نہ ہونے سے یہ کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو شاعر نہ ہو وہ شعر بھی درست نہ پڑھے۔ شعر درست نہ پڑھنا ایک عیب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے منزہ تھے اس لئے کہ شعر پڑھنے کی صلاحیت کی نفی [illegible] العرب ہونے کی بھی نفی ہوگی۔ شعر کے کلمات میں ردوبدل شعر پڑھنے کی صلاحیت کی نفی پر ہی نہیں ناپسندیدگی کلام پر بھی دلیل ہو سکتی ہے۔ کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا میں الشیب اور الاسلام کی ترتیب بدل کر آپ نے اول کو اولیت عطا کی ہے کہ منصب رسالت اور داعی اسلام ہونے کا یہی تقاضا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی شاعر ہونے یا راوی شعر ہونے کی نفی پر محمول ہیں۔ صلاحیت شعر خوانی کی تردید نہیں۔ اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں آپ کا پورے شعر یا کم از

کم ایک مصرعہ کا ادا فرمانا ثابت ہے اور یہ کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ شعر کے مصرعہ کو ادا فرمایا بلکہ اس پر تبصرہ بھی فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار سماعت فرمانا اور بر محل دعائیہ جملوں سے نوازنا، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کو اسرع فیهم من نضح النبل کی قوت کا حامل قرار دینا۔ امیہ بن الصلت کے اشعار کا تقاضا کرنا عنترة کے شعر پر شاعر کو ملنے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے مصرعہ کو اشعر کلمة تکلمت بها العرب کہہ کر سر فراز فرمانا۔ یہ دلیل ہے کہ آپ عربوں کے کلام سے آشنا تھے اس لئے تو بہتر قرار دینے کا اعلان کر رہے ہیں۔ حضرت عباس النابغة الجعدی، ابو جرول، عامر بن الاکوع کے اشعار پر داد تحسین شعر فہمی کے مظاہر ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے مدحیہ شعر میں سے سیوف الهند کو سیوف الله سے بدلنا اور قصیدہ کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمانا، یہ تبدیلی ذوق ادبی اور شعر فہمی کی عمدہ ترین مثال ہے اور کلمات بدل کر بھی وزن شعر برقرار رکھنا ذوق شعر کی بے پناہ صلاحیت کی دلیل نہیں تو کیا ہے۔ علامہ محمود الآلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور فصاحت کلام میں آپ کے مقام رفیع کا ذکر کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی بناء پر ایسی قوت کا موجود ہونا قرین قیاس ہے مگر ایسا وجود نہ ہو سکا۔ اس کے اسباب پر بھی علامہ الآلوسی نے تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں

"انما لم يعط طبيعة شعرية اعتناء لشبانه ورفعا لقدره ــــــ انما لم يعط القدرة على الشعر مع حفظه عن انشائه لان ذلك سلب القدرة عليه فى الابعاد عما يخل بمنصبه الجليل ﷺ (۸۷)

شعر گوئی سے اجتناب یہ دلیل نہیں کہ آپ کسی شعر کو درست ادا کرنے کی قدرت ہی نہ رکھتے تھے یا کسی شعر کا پڑھنا آپ کے منصب جلیل کی نفی تھا۔ علامہ الآلوسی کا کہنا ہے کہ "ليس فى الامية ما يدل على ان النبى صلى الله عليه وسلم لا ينبغى له التكلم بشعر قاله بعض الشعراء والتمثل به" (۸۸) نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) کی رائے ہے کہ "ان فى قوله تعالىٰ وما ينبغى له اشعاراً بانّ النّبى صلى الله عليه وسلم كان قادراً على الشعر ولم يقله بناء على انه ما كان ينبغى له فانه سبحانه نفى الابتغاء دون القدرة عليه" (۸۹) ماينبغى له میں تو قدرت شعر کا اشارہ موجود ہے اور نفی مناسب ہونے کی ہے قدرت کی تو نہیں کہ قادر ہو کر بھی شعر نہ کہا۔ اسی قسم کی بات علامہ القسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے بعض علماء کے حوالے سے کہی تھی کہ "انه عليه الصلواة والسلام كان له قدرة على الشعر الا انه يحرم عليه ان يشعر" (۹۰)

قرآن مجید کی متعلقہ آیات پر سیاق کلام کے حوالے سے غور کیا جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس وصف کی نفی مترشح نہیں ہوتی بلکہ یہ گفتگو قرآن کی تنزیلی حیثیت کے اثبات

کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی پُر شکوہ عبارت اور پُر تاثیر انداز کلام نے عربوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت اور ذوق کی بناء پر اسے شعر کا سابلکہ اس سے بڑھ کر اثر آفرین پاتے تھے اور اپنی دانست کے مطابق اسے شعر کہہ کر حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور یہ ان کی سوچ کی انتہا تھی اور انسان اپنی محدود سوچ سے باہر جا بھی کیسے سکتا ہے۔ الہامی کلام کو شعر کی صف میں کھڑا کر دینا ان کے خیال کی آخری حد بھی، مگر کیا اس کلام ربانی کو ان کی محدود فکر کے حوالے سے جانچا جائے اور جاہلی دور کے شعر کی مناسبت سے اس کی قدر و قیمت متعین کی جائے۔ یہ الہامی کتاب کے ساتھ انصاف تھا؟ قرآن مجید بار بار اس کی نفی کرتا ہے تاکہ اس کی آفاقیت پر زد نہ پڑے اور اسے محدود پیمانوں سے ناپ کر کسی عرب شاعر کے کلام کا مثل قرار دے کر اس کی تنزیلی حیثیت مجروح نہ کی جائے۔ آیت کریمہ کا مقصود بھی یہی تھا کہ جب بعض عرب قرآن مجید کو شعر کہنے لگے تھے تو اس خیال کی تردید اس آیت سے کی گئی۔

علامہ الزمخشری "ما علّمناه الشعر وما ينبغي له" کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"اى ما علمناه بتعليم القرآن الشعر على معنى ان القرآن ليس بشعر "(۹۱)
علامہ البیضاوی فرماتے ہیں "قيل الضمير للقرآن وما يصح للقرآن ان يكون شعرا۔"(۹۲) یعنی علمناہ میں ضمیر قرآن مجید کی طرف ہے کہ قرآن شعر نہیں۔ یہی بات قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر المظہری میں کہی۔(۹۳)

صاحب روح المعانی کے نزدیک "اظهر القول بانه ضمير له للقرآن المعلوم من السياق " (۹۴)

علامہ المراغی مزید وضاحت فرماتے ہیں "فالمراد من نفى تعليمه الشعر نفى ان يكون القرآن شعرا لان الله علمه القرآن واذالم يكن المعلم شاعرا لم يكن القرآن شعرا البتة وهذا رد قولهم ان القرآن شعر و ان محمداً شاعر "(۹۵)

امام الزہری علیہ الرحمہ سے روایت ہے "انه قال معناه ما الذى علمناه شعرا وما ينبغى له ان يبلغ منا شعرا "(۹۶) یعنی ہم نے آپ کو شعر سکھایا ہی نہیں تو جو وہ پہنچا رہے ہیں وہ شعر کیسے ہوا۔"

ان روایات و تشریحات سے صاف ظاہر ہے کہ نفی تعلیم شعر کی اس حیثیت سے ہے کہ قرآن مجید کو شعر نہ سمجھا جائے۔ قرآن مجید شعر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن تعلیم کیا ہے شعر نہیں۔ آپ کے مقام بلند کے لئے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ آپ کو شعراء کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔ انداز تردید آپ کی عظمت اور قرآن مجید کی تنزیلی حیثیت پر دال ہے لیکن اس سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ شعر فی نفسہٖ معتوب ہے اور یہ بھی نہیں کہ شعر فہمی معیوب ہے اور یہ کہ لسان رسالت سے اس کی ادائیگی ممنوع

ہے' نفی کا مرکز یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو شاعرانہ خیال کا حوالہ دے کر صرف ذوقِ ادبی کی چیز نہ بنادیا جائے۔ یقیناً قرآن مجید کی زبان اسلوب اور لہجہ پُر تاثیر اور دلکش ہے۔ اس میں شعر سے کہیں زیادہ جذب کی قوت ہے مگر یہ اس کا ایک پہلو ہے اصل مقصد تعلیم ہدایت ہے جو ان الفاظ میں ودیعت ہے۔ قرآن مجید کا اصرار ہے کہ اسے شعر کی سطح پر رکھ کر صرف حظ اٹھانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ کیونکہ جس دور میں قرآن مجید اپنی ابدی تعلیمات واضح کر رہا تھا اس دور میں شعراء کی پریشان خیالی عام تھی۔ علامہ المراغی نے اسی خدشے کا حوالہ دیا ہے کہ شعراء کی خام خیالی اس واضح مربوط اور مستحکم تعلیم پر اثر انداز نہ ہو سکے اس لئے برملا تردید کی گئی کہ تلازمہ خیال راستہ نہ روکے۔

ان وضاحتوں سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر نہ ہونا یہ دلیل نہ بن جائے کہ شعر مذموم فی الذات ہے۔ شعر کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس کے مضامین سے لگایا جائے گا۔ درست اور صادق جذبات پر مشتمل اشعار اسلامی معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ ما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون" سے بھی یہی مراد ہے کہ قرآن کسی شاعر کے خیالات کا عکس یا جذبات کا پرتو نہیں جن کی استقامت حتمی اور لازمی نہیں' یہ تو رب العالمین کا کلام ہے جس کے مقابلے میں مخلوق کا کلام خواہ کیسا ہی عمدہ اور اثر آفرین ہو' کیسے لایا جا سکتا ہے۔

احادیث کے بارے میں چند گزارشات

شعر اور روایت شعر کی تردید میں عموماً یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب کسی شاعر کو بے تحاشا پڑھتے دیکھا تو نفرت کا اظہار فرمایا' شیطان کہا اور لان یمتلی جوف رجل قیحاً خیر له من ان یمتلی شعراً" (کہ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہو) ارشاد فرما کر شعر سے اجتناب کی ترغیب دی۔ یہ حدیث معمولی اختلاف لفظی کے ساتھ البخاری' مسلم' الترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ میں موجود ہے بعض روایات میں قیحاً کے بعد حتیٰ یریه (کہ دوسر ہو جائے) کا اضافہ بھی ہے۔ حدیث کے الفاظ اور شدتِ تردید کے انداز سے عیاں ہے کہ وہ کوئی غیر مسلم شاعر تھا۔ امام النووی لکھتے ہیں واما تسمية هذا الرجل الذى سمعه ينشد شيطاناً فلعله كان كافرا اوكان الشعر هوالغالب عليه اوكان شعره هذا من المذموم" (۹۷) شیطان کہہ کر کسی گنہگار سے گنہگار انسان کو پکارنا لسانِ نبوت سے متوقع نہیں۔ سمتی کے اشارے نے واضح کر دیا کہ شعر ہی مقصود تھا اور یہی کائنات تھی' اس میں خارج ہو جانے کا بھی مفہوم ہے ورنہ فساد کا سبب بنے گا اور اس سے شعری مواد کے ناقص اور غیر محمود ہونے کی طرف اشارہ بھی ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی علیہ الرحمہ وضاحت فرماتے ہیں:

لکن وجه عندی ان یمتلی قلبه من الشعر حتیٰ یغلب علیه فیشغله

عن القرآن و ذکر اللّٰہ فیکون الغالب علیه فلما اذا کان القرآن والعلم الغالبین علیه فلیس جوف ملتاً من الشعر(۹۸)

علامہ بدرالدین العینی (م ۸۵۵ھ) رقم طراز ہیں: "تؤخذ من معناہ لان امتلاء الجوف بالشعر کنایة عن کثرة الاشتغال به"(۹۹)

امام البخاری علیہ الرحمہ (م ۲۵۶ھ) نے باب کے نام سے ہی رائے کا اظہار کر دیا ہے:

"باب مایکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتیٰ یصدہ عن ذکر اللّٰہ والعلم والقرآن"(۱۰۰)

امام النووی علیہ الرحمہ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ شعر سب حسنات کے لئے سد راہ نہ بن جائے کہ وہ قبضہ جمالے وگرنہ جہاں تک عمومی شعری حالت ہے تو فیصلہ یہ ہے:

"وقال العلماء کافة ھو مباح مالم یکن فیه فحش و نحو قالوا وھو کلام حسنه حسن و قبیحه قبیح وھذا ھوا الصواب" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کے حوالے دیئے ہیں اور استثناء کیا ہے۔(۱۰۱) ابن رشیق کہتے ہیں "مذمت شعر کے غلبے کی ہے کہ دین کے فرائض اور ذکر اللہ سے طبیعت منقطع رہے وگرنہ شعر کے جواز پر کوئی قید نہیں۔"(۱۰۲)

ان اقتباسات سے واضح ہوا کہ تردید اس کیفیت کی ہے کہ شعر انسانی قلب وذہن پر یوں مستولی ہو جائے کہ اسے دین و دنیا کے دیگر ضروری معاملات سے بے خبر کر دے۔ دینی فرائض سے کوتاہی اور معاملات ضروریہ سے اغماض ہونے لگے تو بیشتر مباح اعمال بھی قابل مذمت ٹھہرتے ہیں۔ صرف شعر پر ہی کیا منحصر ہے۔ عرب ماحول میں اس قدر غلو قرین امکان تھا اس لئے اس کی سخت لہجے میں تردید کی گئی مگر اس سے شعر کی نہیں غلو الشعر کی نفی مقصود تھی' اسلام دین اعتدال ہے افراط و تفریط کا ہر عمل اسلامی تعلیمات سے انحراف ہے اس لئے شعر ہی نہیں ہر فعل میں راہ اعتدال ہی مناسب اور قابل قبول ہے۔ بعض روایات میں آخر پر ایک جملے کا اضافہ ہے جیسا کہ طبقات الشافعیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "ھجیت به" کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ اس سے بعض شارحین نے یہ استخراج کیا کہ مذمت ایسے اشعار کی ہوئی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی گئی۔ اس طرح یہ احادیث خاص ماحول اور مخصوص حالات کی نشاندہی کرتی ہیں اور یہ کہ یہ تردید عمومی نوعیت کی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ توضیح ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ اپنے مفاہیم میں مبنی بر صداقت نہیں ہوتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی مذمت کے لئے استثناء کی قید غیر ضروری ہے۔ ہجو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں کہا گیا کہ ایک شعر یا ایک مصرعہ بھی قابل گرفت اور لائق مذمت ہے اس میں کمیت کا کچھ اعتبار نہیں۔

علامہ الآلوسی نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ "فان الکثیر والقلیل ممافیه فحش او هجو لسید الخلق صلی اللّٰه علیه وسلم سواء "(۱۰۳) علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں "لان ماهجی به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لو کان شطر بیت لکان کفرا"(۱۰۴) یہی رائے امام النووی (م ۶۷۶ھ) کی ہے فرماتے ہیں "وقد اجمع المسلمون علی ان الکلمة الواحدة من هجاء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم موجبة الکفر"(۱۰۵) ثابت ہوا کہ هجیت به سے اس تردید شعر کو مخصوص کرنا ممکن نہیں اس لئے یہی توجیہ مناسب ہے کہ اس میں غلو شعر اور کثرت روایت شعر کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ شعر پوری زندگی کو محیط نہیں اس کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔

بعض اوقات شعر کی تردید میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے کہ اسے غیر شرعی عمل قرار دیتے ہوئے اسے ایسا گناہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ جسے کم از کم مسجد میں نہ ہونا چاہئے۔ موافق روایات کے جزوہ کی بحث میں اس پر تفصیلی تبصرہ کیا جاچکا ایک بحث یہ بھی ہے کہ شعر خوانی سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔ یہ بحث دراصل اسی خیال کا حصہ ہے کہ شعر معتوب ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے اس سلسلے میں علماء ازھر کے مختلف خیال ہونے کا تذکرہ کیا ہے کہ اس امر خطیر نہیں جس پر بسم اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں "وهذا کله اثر الحملة التی و جهت الی الشعر والشعراء"(۱۰۶) ابو جعفر النحاس (م ۳۳۲ھ) نے بھی اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کا ارشاد ہے کہ "اکتب بسم اللّٰه الرحمن الرحیم امام الشعر"(۱۰۷) تمام مخالف روایات کی نفی کے لئے کافی ہے۔

ایک اور تردیدی بحث وہ روایت ہے جس میں جاہلی شاعر امرءالقیس کی نسبت قیادت دوزخ کی وعید ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امراء القیس صاحب لواء الشعراء الی النار"(۱۰۸) خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراءالقیس کے بارے میں ارشاد فرمایا "یجیئ یوم القیامة معه لواء الشعر یقودهم الی النار" (۱۰۹) کہ وہ قیامت کے روز شعراء کا علمبردار بن کر ان کی دوزخ کی طرف قیادت کرتا ہوا آئے گا۔ امرءالقیس کے بارے میں اس ارشاد کو شعر کی مذمت کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر پر ہی جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ یہ نفرت (اس روایت پر بھی پورا اعتماد نہیں کیا جاسکتا) دراصل امرءالقیس کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کا نتیجہ ہے اس سے تو بقول ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "کسی فنی وادبی تخلیق کی اہمیت اور قدروقیمت اس کے فنی وادبی حسن ہی سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کے مضامین اور معانی کی حیات بخشی اور حیات افروزی کی خاصیت سے متعین ہوتی ہے۔"(۱۱۰)

اس سلسلے میں علماء کے متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں بعض نے اسے زلت القول کہا تو بعض نے شعر پڑھنے پر وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جس پر علامہ ابن سیرین نے عملاً تردید کی کہ شعر پڑھا اور نماز کی امامت شروع کردی۔ (۱۱۱) حضرت سعید بن المسیب علیہ الرحمہ سے شعر سے پہلے بسم اللہ تحریر کرنے کی کراہت کا ذکر بھی موجود ہے مگر انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ عراق کے کچھ لوگوں نے کراہت شعر کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا نسکوا نسکاً اعجمیاً (۱۱۲) کہ عجمی طریق پر چلے۔

علامہ بدرالدین العینی نے عمدۃ القاری میں امام ابو جعفر الصحاوی کا طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں مخالفین شعر اور مجوزین کی ایک معتبر فہرست دی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ امت کی کثیر تعداد کا جواز شعر پر حتمی فیصلہ نقل کیا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ شعر ہجو نہ ہو اور عزتوں کی پامالی کا باعث نہ ہو۔ (۱۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی کثرت جواز شعر کی قائل ہے اور جن علماء اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مذمت شعر کے سلسلے میں کچھ روایت ہوا ہے وہ بھی شعر کے عمومی رویے کے بارے میں نہیں۔ شعر کے مضامین کی نسبت سے ہے کہ بُرے خیالات جب شعر کا دامن اوڑھتے ہیں تو اپنے اثرات میں کئی گنا شدید ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے شعر جیسا تیز آلہ کسی بدکردار اور بداعمال کے ہاتھ آجائے تو خطرہ بھی بہت ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنی اس صلاحیت سے معاشرے میں بدی کو پھیلنے کے مواقع فراہم نہ کردے۔ کاٹ دار شعر کو تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر سے زیادہ مہلک قرار دیا ہے۔ شعر گوئی کی کثرت کو اس لئے بھی رد کیا گیا کہ شعر اپنے اسلوب میں نثر سے مختلف ہونے کی بناء پر قوت فکر کا متقاضی ہے۔ شعر فہمی بھی ایک صلاحیت چاہتی ہے مگر عوام الناس میں یہ قوت نہیں ہوتی اس لئے مغالطے پیدا ہونے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ پھر شعر تشبیہات واستعارات کے ذریعے سے حقائق بیان کرتا ہے جبکہ سامعین اور قارئین کی بہت بڑی تعداد ان کی تفہیم کی صلاحیت نہیں رکھتی 'مجاز' سے حقیقت تک کا سفر شعر کو مشکل بنا دیتا ہے اور عین ممکن ہوتا ہے کہ قاری 'شاعر کے ساتھ چلنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اپنے ناقص خیالات کو شاعر کے الفاظ میں تلاش کرنے لگے۔ ان مشکلات کی وجہ سے شعر کے استعمال میں احتیاط کا درس دیا گیا کہ بعض اشعار اچھے خیالات اور پاکیزہ نظریات پر مبنی ہونے کے باوصف اچھے اثرات مرتب نہیں کرتے اسی لئے امام غزالی علیہ الرحمہ نے واعظین کے لئے کثرت شعر کو نامناسب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عوام جن کے اندر خواہشات کا ہنگام بپا ہوتا ہے اور جن کے دلوں میں حسن وجمال کی نازک صورت گری بھی نہیں ہوتی وہ جب عشق ومحبت کے اشعار سنتے ہیں تو ان کے اندر کا سفلہ پن اور جذبۂ شہوت بیدار ہو جاتا ہے اس طرح فساد برپا ہوتا ہے۔ (۱۱۴) مگر امام موصوف خواص کی محفل میں شعر خوانی کی اجازت دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شعر کے مضامین عمدہ ہوں' محل شعر مناسب ہو اور سامعین باصلاحیت ہوں تو شعر پڑھا اور سنا جاسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شعر فی نفسہٖ اسلام کی نظر میں مردود نہیں بلکہ اسلام اسے ایک بہتر انداز تکلّم اور عمدہ اسلوب کلام کے طور پر تسلیم کرتا ہے مگر جیسے اسلام ہر معاملے میں خذ ما صفا و دع ماکدر (جو بہتر ہے لے لو اور جو گندہ ہے اسے چھوڑ دو) کا داعی ہے 'شعر میں بھی اسی معیار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس موہبت سے عمدہ نتائج نکلیں اور معاشرتی حسن کی افزائش ہو۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے سچ کہا تھا:

"فالقرآن لم يهاجم الشعر من حيث هو الشعر" (۱۱۵)

(کہ قرآن مجید نے شعر پر حیثیت شعر کوئی حملہ نہیں کیا)

یہ بھی حقیقت ہے کہ مذمّت شعر کی بعض روایات کی اسناد قابل اعتماد نہیں ہیں۔ امام ابن جریر الطبریؒ (م ۳۱۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کہ "الشعر مزامير الشيطان" اور حضرت مسروقؒ کی روایت کہ "انه تمثل باول بيت شعر ثم سكت فقيل له فقال اخاف ان اجد فى صحيفتى شعراً" (شعر کے بیت اول کا حوالہ دیا پھر خاموش ہو گئے 'پوچھا گیا تو کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میرے صحیفہ میں شعر آئے) اور یہ کہ شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا "قرآنك الشعر" (شعر تیرا قرآن ہے) کو غیر ثقہ قرار دیا بلکہ کہا "بانها اخبار واهية" (۱۱۶) (کہ یہ واہی باتیں ہیں)

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر آج تک مسلم دنیا میں شعر ایک زندہ قوت ہے۔ شعراء کی طویل فہرست اس صنف ادب کی طرف متوجہ اور اس کی خدمت کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اس فہرست میں صحابہ کرام 'ائمہ عظام فقہاء ذی احتشام 'مفسرین و محدّثین غرضیکہ عالم اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیاں شامل ہیں۔ اور ان میں بیشتر علماء کے دیوان موجود ہیں۔ مگر ہر صاحب ایمان اور اہل علم و دانش اس میدان میں احتیاط سے قدم اٹھاتا رہا ہے کہ تردیدی روایات کا پہرہ بہر صورت موجود رہا ہے۔ زبان کے لئے احتیاط کا حکم تو نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی مگر نظم میں یہ خیال دلیر بناتا رہا کہ شاعر کو وہ کچھ کہنے کی بھی اجازت ہے جو نثر نگار کہنے کا مجاز نہیں۔ ضرورت شعری جب اسلوب سے مضامین شعر تک ممتد ہوتی ہے تو شاعر حدود معاشرت اور پابندی شریعت سے قدم باہر نکالنے لگتا ہے۔ پھر یہ کہ لفظوں پر ماہرانہ دسترس نہ ہو تو خیال کا لبادہ بدنما صورت لیتا ہے 'غیر محتاط الفاظ 'غیر سنجیدہ اظہار اور غیر متعین خیالات بدی کو خوشنما بنا کر معاشرتی فساد کے محرک بنتے ہیں۔ خیال پر شرافت کا سایہ نہ ہو 'اسلوب میں آداب کا گھیرا نہ ہو اور کلمات پر اخذ و اختیار کے ضابطے نہ کئے جائیں تو نتیجہ غیر محمود نکلتا ہے۔ تاریخ انسانی کا طویل دورانیہ شاہد ہے کہ اس صلاحیت کو جنس فروخت بنایا جاتا رہا 'حرفوں کے کشکول ہر صاحب اختیار و دولت کے سامنے پیش کئے گئے 'بدکرداری مزین ہوتی رہی۔ بد فطرتی شعر کی پناہ میں سماج کو مسموم کرتی رہی 'شاعر ہونے کا فخر ہر تہذیبی روّیہ کا رہزن بنا 'جاہلی دور کا شاعر تو عزتوں سے کھیلتا تھا 'تہذیبی منافقت کے دور میں عزت و ناموس بھی پامال ہوا اور بے گناہی بھی لائق تعزیر ٹھہری 'نااہل کے ہاتھ میں تلوار ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اور شعر

تلوار سے زیادہ گھاؤ ڈالتا ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیمات میں اسے پابند آداب بنایا گیا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ شعر کی تحسین فرما کر شعر کی حلت کا اعلان کیا تو بدترین اشعار پر گرفت فرما کر اس کی شتر بے مہاری کو لگام دی اس لئے ایک متوازن راستہ دریافت ہوا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ شعر کو جھوٹ زینت دیتا ہے اور اسلام جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا۔ جاہلی شاعری کے رویوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ شعر' دل کی آواز ہو' عصمت آدم کا محافظ ہو' فروغ حسنات کا ذریعہ ہو اور معاشرتی بہبود کا محرک ہو تو موجب ہے' سرفرازی ہے۔ اور اگر شعر خواہشات کا غلام' بدفطرتی کا عکاس اور سماجی اضطراب کا مؤید ہو تو لائق نفرت ہے۔ مسلمان امت کی خوش قسمتی ہے کہ نعت کی شکل میں شعری احساس کا نورانی پیکر اسے نصیب ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت فن کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور لائق مذمت رویوں سے اجتناب کی راہ بھی نکلتی ہے کہ شعر تو اندازِ اظہار ہے۔ "حسنة حسن و قبیحه قبیح"

حواشی

۱۔ محیط الدائرہ ص: ۳

۲۔ العمدہ الجز، الاول ص ۷۷'۸۰

۳۔ حوالہ مذکورہ ص: ۷۳

۴۔ المفردات فی غریب القرآن مادہ شعر ص ۲۶۳

۵۔ العقد الفرید لابن عبدربة لجز، الثالث ص: ۳۱۳

۶۔ A Literary History of the Arabs. R.A. Nicholoson "ص : ۷۳

۷۔ تمدن عرب ڈاکٹر لی بان اردو ترجمہ ص : ۴۹۴

۸۔ جامع الترمذی المجلدالثانی ص :۱۲۶' سنن ابی داؤد المجلد الثانی ص: ۶۸۴' سنن ابن ماجة المجلد الثانی ص :۲۷۳' تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۹۸ ۔

۹۔ جامع الترمذی المجلد الثانی ص ۱۲۶' عن ابن عباس سنن ابن ماجه المجلد الثانی ص ۲۷۵

۱۰۔ سنن ابی داؤد المجلد الثانی ص ۶۸۴ عن ابن عباس ۔ طبقات الشافعیة الکبری الجز، الاول ص ۱۱۶

۱۱۔ مشکوٰة المصابیح۔ کتاب الاداب باب البیان والشعر الفصل الثالث ص ۳۱۰۔۳۱۱

۱۲۔ العمدہ الجز، الاول ص ۹

۱۳۔ صحیح البخاری الجلد الاول باب الشعر فی المسجد ص ۶۴۔۶۵

۱۴۔ یہ روایت مسلم باب فضائل حسان میں ہے کہ عن البراء بن عازب قال قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اهجهم اوهاجهم و جبریل معك اور صحیح البخاری مجلد الثانی ص ۵۹۱

۱۵۔ صحیح مسلم المجلد الثانی باب فضائل حسان ص ۳۰۰۔۳۰۱

۱۶۔ جامع الترمذی المجلد الثانی ص ۱۲۶۔ سنن نسائی الجلد الثانی باب انشاد الشعر فی الحرم ص ۲۹

۱۷۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۹۳۹۔ طبقات الشافعیة الکبری الجز، الاول ص ۱۱۸

۱۸۔ الموازنہ بین الشعرا، زکی مبارک ص ۲۵

۱۹۔ اسد الغابة الجز، الثالث ص ۳۹

۲۰۔ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب ص ۵۰۰

۲۱۔ صحیح مسلم الجلد الثانی کتاب الفضائل ص ۳۰۰

۲۲۔ جامع الترمذی الجلد الثانی باب ما جا، فی انشادالشعر ص ۱۲۶۔ سنن ابی داؤد المجلد الثانی باب ماجا، فی الشعر ص ۶۸۴

۲۳۔ صحیح البخاری المجلد الاول ص ۳۵۶۔ سنن النسائی المجلد الاول باب الرخصة فی انشا، الشعر ص ۱۱۸

۲۴۔ صحیح البخاری المجلد الثانی ص ۵۹۷۔ المجلد الاول ص ۵۰۰

۲۵۔ کتاب الاغانی المجلد الثامن ص

۲۶۔ جامع الترمذی المجلد الثانی باب ماجا، فی انشاد الشعر ص ۱۲۶

۲۷۔ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۸

۲۸۔ طبقات الشافعیة الکبری الجز، الاول ص ۱۲۱۔ الاصابه الجز، الثالث ص ۹ ـ ۲

۲۹۔ العمده الجز، الاول ص ۷

۳۰۔ الاستیعاب الجلد الاول ص ۱۶۱۔ الملل والنحل الجز، الثالث ص ۲۸۹ حاشیہ

۳۱۔ الاستیعاب الجلد الاول ص ۳۱۰۔۳۱۱۔ یہ روایت الاصابة الجز، الثالث ص ۵۰۹۔۵۱۰ اسدالغابة الجز، الخامس ص ۱۳ اور کئی دیگر مصادر میں موجود ہے۔

۳۲۔ طبقات ابن سعد الجزء الثالث ص ۵۲

۳۳۔ طبقات الشافعیة الکبری الجز، الاول ص ۱۲۸۔ الاستیعاب الجلد الاول ص ۱۹۹۔ تاریخ بغداد المجلد السابع ص ۱۰۶

۳۴۔ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب الصلوٰة ص ۶۱

۳۵۔ طبقات ابن سعد الجزء الثانی ص ۷۱۔ تاریخ بغداد المجلد الرابع ص ۲۷۱

۳۶۔ جامع الترمذی الجزء الاول ص ۱۲۶

۳۷۔ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب الجهاد ص ۳۲۷

۳۸۔ صحیح البخاری المجلد الاول باب هجرة النبی و اصحابه الی المدینة ص ۵۵۵

۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۵۲۹ مقالہ فن شعر و شاعری

۴۰۔ العمدہ الجزء الاول ص ۱۰

۴۱۔ ایضاً ص ۱۱

۴۲۔ العقد الفرید الجز، الاول ص ۹۰

۴۳۔ العمدہ الجزء الاول ص ۱۶

۴۵۔ ایضاً ص ۱۵

۴۶۔ ابجد العلوم ص ۳۰۹

۴۷۔ العقد الفرید الجزء الثالث ص ۳۸۸

۴۸۔ ابجد العلوم ص ۲۰۸

۴۹۔ الموازنة بین الشعراء زکی مبارک ص ۲۸

۵۰۔ سنن ابن ماجہ الجزء الثانی باب الحکمۃ ص ۳۱۷

۵۱۔ مرآۃ الشعر، عبدالرحمن ص ۶۵۔۶۶

۵۲۔ احیاء علوم الدین، الجزء الثانی ص ۲۷۰۔۲۷۱

۵۳۔ ابجد العلوم ص ۲۰۸

۵۴۔ مرآۃ الشعر ص ۶۶

۵۵۔ الشعراء ۲۲۴۔ ۲۲۷

۵۶۔ یٰس ۶۹

۵۷۔ الحاقة ۴۱

۵۸۔ الحاقة ۴۲

۵۹۔ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الاداب ص ۹۰۹

۶۰۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰

۶۱۔ سنن ابن ماجه الجلد الثانی باب ملکره من الشعر ص ۲۷۵

۶۲۔ جامع الترمذی المجلد الثانی ابواب الاستیذان والاداب ص ۱۲۷

۶۳۔ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الاداب ص ۹۰۹

۶۴۔ جامع الترمذی المجلد الثانی ابواب الاستیذان والاداب ص ۱۲۷

۶۵۔ سنن ابی داؤد المجلد الثانی باب ماجاء فی الشعر ص ۶۸۳

۶۶۔ طبقات الشافعية الکبری الجز الاول ص ۱۲۰

۶۷۔ حوالہ مذکورہ

۶۸۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۱۹

۶۹۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰

۷۰۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) الجز السادس ص ۳۹۶

۷۱۔ التفسیر المظهری المجلد الرابع ص ۸۹

۷۲۔ التفسیر المظهری المجلد السابع ص ۹۲

۷۳۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل (التفسیر البیضاوی) الجز الثانی ص ۱۳۳

۷۴۔ العمدہ الجزء الاول ص ۱۲

۷۵۔ سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر ص ۶۸۴

۷۶۔ تفسیر القرآن العظیم۔ لابن کثیر الجزء الثالث ص ۳۵۴

۷۷۔ مشکواۃ المصابیح کتاب الاداب باب البیان والشعر الفصل الثانی ص ۴۱۰

۷۸۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) الجز السابع ص ۱۱۰

۷۹۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل (التفسیر البیضاوی) الجز الثانی ص ۲۲۶

۸۰۔ التفسیر المظهری الجز الثانی ص ۹

۸۱۔ الکشاف للزمخشری الجز، الثانی ص ۵۹۳
۸۲۔ فتح الباری شرح البخاری الجز، العاشر ص ۴۱۱
۸۳۔ الکشاف الجز، الثانی ص ۵۹۳
۸۴۔ روح المعانی الآلوسی الجز، الثالث والعشرون ص ۴۵
۸۵۔ طبقات ابن سعد الجز، الاول ص ۳۸۲۔ ۳۸۳
۸۶۔ حوالہ مذکورہ
۸۷۔ روح المعانی الجز، الثالث والعشرون ص ۴۳۔ ۴۴
۸۸۔ حوالہ مذکورہ ص ۴۵
۸۹۔ ابجد العلوم ص ۲۱۰
۹۰۔ المواهب اللدنية بحواله روح المعانی الجز، الثالث والعشرون ص ۴۴
۹۱۔ الکشاف الجز، الثانی ص ۵۹۳
۹۲۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل (التفسیر البیضاوی) الجز، الثانی ص ۲۲۶
۹۳۔ المظهری المجلد الثانی ص ۹۷
۹۴۔ روح المعانی الجز، والثالث والعشرون ص ۴۵
۹۵۔ المراغی الجز، الثالث والعشرون ص ۳۱
۹۶۔ العمده الجز، الاول ص ۶
۹۷۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰ حاشیہ شرح النووی
۹۸۔ فتح الباری شرح البخاری الجز، العاشر ص ۴۱۸
۹۹۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری الجز، الثانی والعشرون ص ۱۸۸
۱۰۰۔ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب ص ۹۰۹
۱۰۱۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر حاشیه شرح النووی ص ۲۴۰
۱۰۲۔ العمده الجز، الاول ص ۱۲
۱۰۳۔ روح المعانی الجز، التاسع عشر ص ۱۳۶
۱۰۴۔ فتح الباری شرح البخاری الجز، العاشر ص ۴۱۸
۱۰۵۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰ حاشیہ شرح النووی
۱۰۶۔ الموازنه بین الشعرا، ص ۲۹
۱۰۷۔ العمده الجز، الثانی ص ۲۳
۱۰۸۔ طبقات الشافية الکبری الجز، الاول ص ۱۱۹
۱۰۹۔ تاریخ بغداد المجلد الثانی ۳۷۳
۱۱۰۔ ادب کا اسلامی نظریہ: ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی ص ۲۳۔ ۲۴
۱۱۱۔ الموازنه بین الشعرا، ڈاکٹر زکی مبارک ص ۲۸
۱۱۲۔ حوالہ مذکورہ
۱۱۳۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری الجز، الثانی والعشرون ص ۱۸۹
۱۱۴۔ دیکھیے تفصیل۔ احیاء علوم الدین الجزء الاول ص ۳۲

۱۱۵۔ تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص ۴۴

۱۱۶۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری الجزء العاشر ص ۳۱۰۔ ۳۱۱

ڈاکٹر خورشید رضوی

حجرۂ نبویہ پر نعتیہ اشعار

باب جبریلؑ سے اندر آکر بائیں طرف کی غلام گردش میں داخل ہوا تو اتفاقاً غلام کی نگاہِ بے ادب مقصورہ شریف کے بالائی حاشیے پر لکھی سنہری عبارت کی طرف اٹھ گئی۔ یہ عبارت غالباً دھات میں تراشی گئی ہے اور شاید آب زر سے مُطلّا ہے (۱) خطاطی آرائشی انداز کی ہے۔

جس کے ہر جدولِ گُل پیچ کے الجھاؤ میں کتنے صنّاعوں کی صد عمر عزیز آویزاں

(مجید امجد)

پڑھنا آسان نہ تھا اور چونکہ یہ مقصد پیش نظر بھی نہ تھا اس لیے ایک سرسری سی نگاہ پر اکتفاء کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ غالباً ترکی زبان میں کچھ لکھا ہے کیونکہ یہ در و بام ترک دور کی یادگار ہیں اور ترکی اس زمانے تک عربی رسم الخط ہی میں لکھی جاتی تھی۔

صُفّہ کی جانب سے ہوتا ہوا "روضة من رياض الجنة" کے حصے میں پہنچا تو خوش قسمتی سے وہاں باجماعت نماز کی صف میں جگہ مل گئی۔ سلام پھیرا تو اچانک اس جانب سے بھی مقصورہ شریف کے بالائی کونے پر اسی عبارت کے نقوش جگمگا اٹھے۔ یہاں آب زر خاصا تازہ محسوس ہوا۔ جگر جگر کرتے حروف اچانک واضح ہوئے تو عربی کا یہ شعر سمجھ میں آگیا۔

يا من يقوم مقام الحمد منفرداً للواحد الفرد لم يولد و لم يلد

"اے وہ کہ جو مقام حمد پر شان انفرادیت کے ساتھ استادہ ہوگا اس ذاتِ واحد و یکتا کے سامنے جو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔"

تجسس بڑھا تو نگاہ اگلے شعر پر گئی۔ اس کے گل پیچ حروف کو سلجھانے میں ذرا دیر لگی مگر بالآخر سمجھ میں آہی گیا۔

يا من تفجرت الانهار نابعةً من اصبعيه فروا الجيش بالمدد

"اے وہ کہ جس کی دو انگلیوں سے دریا پھوٹ کر بہہ نکلے سو اس نے پورے لشکر کو اس روانی سے سیراب کر دیا۔"

اہم: یہ بحر بسیط مثمّن مخبون (مستفعلن، فاعلن / فعلن، مستفعلن، فعلن) میں ایک دالیہ نعتیہ

قصیدہ ہے۔ اب تو نگاہ ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ جیب پر ہاتھ مارا تو قلم ندارد۔ ایک صاحب جو چہرے مہرے سے ترک معلوم ہوتے تھے سامنے بیٹھے نظر آئے۔ ان سے قلم مانگا اور دونوں شعر مسائل' دعاؤں اور سلاموں پر مشتمل اس جیبی کتابچے پر لکھ لئے جو میرے پاس تھا۔ آگے نظر دوڑائی تو پورے شعر پر سبز روغن پھرا نظر آیا۔ الفاظ چونکہ دھات پر ہیں اس لئے اب بھی ان کا ابھار مختلف زاویوں سے محسوس تو ہوتا ہے مگر ان کو پڑھنا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے۔ اس سے آگے مزید چار اشعار کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اشعار پر پھرا ہوا روغن سبز گنبد کا ہم رنگ ہے۔ شاید سعودی دور میں جب گنبد پر روغن کی تجدید کی گئی ہو تو اسی روغن سے ان اشعار کو بھی دبا دیا گیا ہو جو سعودی مسلک کے اعتبار سے مناسب معلوم نہ ہوئے ہوں۔ پانچ اشعار کے غیاب کے بعد یہ شعر سامنے آیا۔

يا ذا الجمال تعالى الله خالقه   فمثله فى جميع الخلق لم اجد

"اے صاحبِ جمال کہ جس کا خالق اللہ بزرگ و برتر ہے سو اس کی مثال ساری مخلوق میں میں نے کہیں نہیں پائی۔"

اس کے بعد یہ شعر تھا جس کے پہلے مصرع کے آخری تین حروف بہت غور کے باوجود سمجھ میں نہ آ سکے۔

خير الخلائق' اعلى المرسلين   خير الانام وهاديهم الى الرشيد

"تمام مخلوق سے افضل سب رسولوں سے اعلیٰ ------

سب لوگوں سے بہتر اور راہ ہدایت کی طرف ان کے رہنما۔"

اس کے آگے ایک شعر پھر مٹا ہوا تھا۔ اب غلام کو پھر اسی غلام گردش کی طرف آنا تھا۔ مگر پہلے قلم کی واپسی ضروری تھی۔ چنانچہ احساس تشکر کے ساتھ ان صاحب کی امانت ان کو لوٹائی اور باب جبریلؑ کی جانب سے باقی اشعار پر نظر ڈالی۔ اگلے دو شعر رفتہ رفتہ یوں سمجھ میں آئے۔

فمدحه لم يزل دابى مدا عمرى   وحبه عند رب العرش مستندى

عليه ازكى صلاة لم تزل ابداً   مع السلام بلا حصر' بلا عدد

"سو انؐ کی مدح زندگی بھر میرا دستور رہی ہے۔ اور انہیں کی محبت پروردگار عرش کے ہاں میرا سہارا ہے۔ آپؐ پر پاکیزہ ترین درود ہو جو ابد تک جاری رہے۔ مع سلام کے 'بے شمار' لا تعداد۔"

اب پھر قلم کی جستجو ہوئی۔ ایک صاحب مشرقی دیوار سے لگے تلاوت میں مصروف نظر آئے۔ اس بار ان سے قلم مانگا اور ذرا دیر بعد واپس کر دیا۔ پھر جب کوئی لفظ اور سمجھ میں آیا تو پھر ان کے پاس پہنچا اور دوبارہ دست سوال دراز کیا اور بتایا کہ میں ان عبارتوں کو پڑھنے میں مصروف ہوں۔ انہوں نے کمال فراخ دلی سے وہ قلم مجھی کو ہدیہ کر دیا اور ذرا سے تکلف کے بعد میں نے یہ ہدیۂ اخلاص قبول کر لیا۔ (بعد میں مسجد سے

باہر آتے ہوئے تعارف کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ میرے یہ محسن راولپنڈی کے نوجوان نعت خواں جناب غلام عباس چشتی تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔)

اب اطمینان سے باقی عبارت پر غور شروع ہوا۔ اگلا مصرع یوں تھا۔

والآل والصحب اهل المجد قاطبة

"اور آل واصحاب پر بھی جو سب کے سب صاحبان مجد ہیں۔"

دوسرے مصرع کے پہلے دو ایک لفظ چھوڑ کر باقی مصرع پر وہی روغن پھرا ہوا تھا۔ نصف سے زائد مصرع کے چھپ جانے سے ایک ابہام پیدا ہو گیا اور جو دو ایک لفظ ظاہر تھے وہ بھی بہت کوشش کے باوجود مجھ سے نہ اٹھائے گئے۔ اسی اثناء میں نظر نیچے کی جانب مقصورہ شریف کی جالی کے دروازے پر لگے ایک مختصر سے چھپے تالے پر پڑی۔ اس پر باریک حروف میں قصیدہ بردہ شریف کا یہ مصرع جھلک رہا تھا۔

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته

"وہی (اللہ کے) حبیبؐ ہیں جن کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔"

معلوم نہیں دوسرا مصرع باقی نہیں رہ سکا تھا یا قفل کے دوسری جانب تھا جو نظر نہیں آتی تھی۔

بائیں جانب مواجہ شریف کی طرف کی دیوار قبلہ بھی دکھائی دے رہی تھی جس پر غالباً ترکوں کے زمانے کی خطاطی کے شہکار دیکھ کر نگاہ حیرت میں رہ جاتی ہے۔ حسن خط کے علاوہ ان حروف کے رنگ اس قدر اجلے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے خطاط کو اپنا قلم سکھائے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ حالانکہ غالباً یہ مشہور خطاط عبداللہ بک زھدی کے نتائج فن ہیں جن کو خاص طور پر استنبول سے بھیجا گیا تھا اور وہ مسجد نبوی میں تین برس اس خدمت میں مصروف رہے (۲)۔ یہ بات ۱۲۸۰ھ / ۴۔۱۸۶۳ء کے لگ بھگ کی ہے (۳)۔ گویا سوا سو برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا مگر ان نقوش کی آب و تاب میں فرق نہیں آیا۔

فن کے ان کرشموں سے نگاہ پلٹی تو پھر سے اس مصرع کے ابتدائی حروف پر دماغ لڑایا جس کا اکثر حصہ سبز روغن میں گم ہو چکا تھا۔ مگر اپنے قصور فہم کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ مصرع آخری تھا۔ اس سے آگے مقصورہ شریف کے حاشیے پر جو جگہ باقی رہ گئی ہے اس پر اسی خط میں حضرات عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین' کے اسمائے گرامی پر مشتمل یہ عبارت درج ہے۔

"اللهم ارض عن ابى بكر و عمر و عثمان وعلى و طلحة و زبير و سعد و سعيد و عبدالرحمن بن عوف و ابوعبيدة الجراح رضى الله عنهم اجمعين۔"

"الزبير" کے بجائے "زبير" "ابى عبيدة" کے مقام پر "ابو عبيدة" اور "اللهم ارض" کے صیغے کے بعد "رضى الله عنهم اجمعين" کی تکرار عبارت طے کرنے والے کی عجمیت کا سراغ دیتی ہے۔

یہ سب کچھ نوٹ کر چکا تو ایک عجیب مسرت و طمانیت کا احساس ہوا۔ مواجہ شریف پر آکر سلام عرض کر رہا تھا اور وہی کتابچہ جس میں یہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی محنت کا ما حصل محفوظ تھا میرے ہاتھ میں تھا کہ ایک نوجوان مطوع صاحب تشریف لائے اور روزمرہ کی عربی میں کچھ یوں گویا ہوئے:

"یا شیخ مش هذا سلام"۔ (جناب یہ کوئی سلام نہ ہوا)

میں نے کتابچہ کھول کر ان کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور دکھایا کہ اس میں "السلام علیک یا رسول اللہ" اور اسی قسم کے الفاظ درج ہیں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ ارشاد ہوا:

"انت تگوم تگرا تگرا مش هذا سلام" (آپ کھڑے ہیں اور پڑھے چلے جا رہے ہیں' پڑھے چلے جا رہے ہیں۔ یہ کوئی سلام نہ ہوا)

شاید ان کو دیر تک میرا کھڑے رہنا قابل اعتراض معلوم ہوا تھا یا معلوم نہیں کیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے میرے ہاتھ سے کتابچہ چھین لیا۔ مجھے اضطراب ہوا کہ ساری محنت اکارت نہ ہو جائے۔ میں نے "طیب شکراً" "بہت اچھا' مہربانی" جیسے الفاظ کی تکرار سے ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے چلتے چلتے انہوں نے کتابچہ مجھے واپس کر دیا۔

اشعار کے اسلوب و مضامین سے اندازہ ہوتا تھا کہ قصیدہ بردہ کے بعد کے کسی متاخر دور کے ہیں۔ ایسی اہم اور نمایاں جگہ پر لکھوائے جانے سے ذہن میں ایک قیاس یہ بھی آتا تھا کہ خود سلاطین ترکیہ میں سے کسی کے نہ ہوں۔ بہر حال کسی اہم اور معروف شخصیت ہی کے ہوں گے چنانچہ توقع تھی کہ پاکستان پہنچ کر تحقیق سے ان کا سراغ مل جائے گا۔

واپس آکر سب سے پہلے "المجموعة النبهانية" میں جستجو کی مگر یہ اشعار اس میں شامل نہ تھے۔ مرکزی لائبریری پنجاب یونیورسٹی کے چیف لائبریرین جناب جمیل احمد رضوی سے ذکر ہوا تو انہوں نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کا کتابچہ "حجرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر نقش عربی کی چند نایاب نعتیں" مہیا کیا جو مجلس رضا کراچی سے جون ۱۹۹۸ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اگرچہ عربی متن کتابچے میں شامل نہ تھا تاہم اردو ترجمے سے اندازہ ہو گیا کہ صفحہ ۹۔۱۱ پر جن اشعار کا اردو مفہوم "حجرۂ مبارک کے اندر درو دیوار پر نقش کیا ہوا قصیدہ" کے زیر عنوان درج ہے وہی میرے مطلوبہ اشعار ہیں۔ صفحہ ٦ پر یہ وضاحت موجود ملی کہ ڈاکٹر صاحب کا ماخذ "شفاء الفؤاد بزيارة خير العباد" ہے چنانچہ اصل کی طرف رجوع کیا گیا۔ ۲۴٦ صفحات پر مشتمل "شفاء الفؤاد بزيارة خير العباد" السید محمد بن السید علوی بن السید عباس المالکی الحسینی کی تالیف ہے جسے ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء میں دولته الامارات العربية المتحدة (U.A.E) کی وزارت اسلامی امور و اوقاف کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۰۳ پر اشعار کا مکمل عربی متن مل گیا جس میں وہ اشعار بھی شامل ہیں جو اب روغن پھر جانے کے سبب پڑھے نہیں جاتے۔ آغاز میں

چند تعارفی سطور دی گئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قصیدہ ۱۱۹۱ھ میں سلطان عبدالحمید خان بن سلطان احمد خاں نے کہا۔ ناظم کے اخلاص اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ کہیئے کہ وہ حجرۂ نبویہ شریفہ پر نقش کیے جانے کا مستحق ٹھہرا۔ اسے ایک پرانی ترکی کتاب یعنی ایوب صبری پاشا کی "مرآة الحرمین" سے برآمد کیا گیا ہے۔

اسماعیل باشا البغدادی کی مشہور تالیف "هدية العارفين" کے مطابق (۴) امیر اللواء ایوب صبری پاشا الرومی الحنفی، بحریہ رئیس المحاسبات (چیف آو اکاؤنٹس) کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کی وفات ماہ صفر ۱۳۰۸ھ / ستمبر اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ اس کی تصانیف کے ذیل میں مندرجہ ذیل عنوان درج لئے گئے ہیں:

۱۔ احوال جزيرة العرب۔

۲۔ تاريخ الوهابية۔

۳۔ تكملته المناسك۔

۴۔ شرح بانت سعاد (ترکی)۔

۵۔ محمود السیر۔

۶۔ نجاة المؤمنين۔

۷۔ مرآة الحرمين۔

یہ آخری تصنیف یہاں زیر بحث ہے۔ هدیته العارفین کے علاوہ اسماعیل باشا نے "ایضاح المکنون" میں بھی اس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع تاریخ مکہ و مدینہ ہے اور یہ ترکی زبان میں پانچ جلدوں میں شائع ہوئی (۵)۔ افسوس کہ متعدد کتب خانوں میں تلاش کے باوجود یہ کتاب دستیاب نہ ہوئی اور ثانوی حوالے کا اصل سے موازنہ کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اس کی جستجو میں البتہ "مرآة الحرمين" ہی کے عنوان سے عربی میں جنرل ابراہیم رفعت باشا مصری کا جو کئی برس امیر حج رہے ایک صدی پیشتر کا سفر نامہ حج وزیارات ہاتھ آگیا جس سے بعض مفید معلومات اس مضمون کے لئے بھی اخذ کی جاسکیں۔ یہ سفر نامہ دو جلدوں میں قاہرہ سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ وافر تفصیلات کے علاوہ اس میں اس دور کی بہت سی نادر تصاویر بھی شامل ہیں۔ زیر غور اشعار کا حوالہ اس کتاب میں پہلی جلد کے صفحہ ۴۵۷ پر ملتا ہے لیکن ابراہیم رفعت پاشا نے فنی طور پر انہیں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ومكتوب على الحجرة فى جهاتها المختلفة شعر ركيك ا بى قلمى ا ن يخط منه الا هذين البيتين"

"حجرے پر مختلف اطراف میں کچھ پھسپھسے شعر لکھے ہوئے ہیں جن میں سے ان دو شعروں

کے علاوہ کچھ درج کرنا میرے قلم نے گوارا نہیں کیا" اس کے بعد دسواں اور گیارھواں شعر نقل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے' زبان و بیان کے اعتبار سے ان اشعار کی بندش کہیں کہیں سُست ضرور محسوس ہوتی ہے تاہم ابراہیم رفعت پاشا کی رائے کچھ ضرورت سے زیادہ سخت نظر آتی ہے۔

خیر' اس رائے سے قطع نظر "علی الحجرة" "حجرے پر" کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ اشعار باہر کی جانب درج ہیں نہ کہ اندرونی در و دیوار پر۔ شفاء الفؤاد میں بھی "علی الحجرة النبوية الشريفة" ہی کے الفاظ آئے ہیں جبکہ عبداللہ الحداد کے قصیدے کے بارے میں۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ "داخل الحجرة النبوية الشريفة" "حجرۂ نبویہ شریفہ کے اندر کی جانب" کی وضاحت موجود ہے اور عنوان ہی "القصيدة الحدادية الداخليه للحجرة النبوية الشريفة" "حجرۂ نبویہ شریفہ میں شیخ حداد کا اندرونی قصیدة" قائم کیا گیا ہے جبکہ زیر بحث اشعار کا عنوان صرف "قصيدة الحجرة النبوية الشريفة" "حجرۂ نبویہ شریفہ کا قصیدۃ" ہے۔ علاوہ ازیں شفاء الفؤاد میں جن اشعار کے بارے میں نشان دہی کی گئی ہے کہ وہ روغن سے مٹادئے گئے وہ بیرونی جانب کے مشاہدے کے مطابق ہے۔ چونکہ حجرۂ پاک کے اندر داخلے کی سعادت خاکسار کو حاصل نہیں ہوئی اس لئے قطعیت سے کچھ کہنا مناسب نہیں تاہم مندرجہ بالا قرائن کی روشنی میں امکان غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار بیرونی حاشئے پر ہی درج ہیں اور اس قیاس کی گنجائش بہت کم نظر آتی ہے کہ اندر اور باہر دونوں جگہ درج ہوں اور عین ایک سی تفصیلات کے ساتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شفاء الفؤاد میں منقول عربی متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے تین اشعار مواجہ شریف کی جانب ہوں گے جن کا سراغ خاکسار کو نہیں ملا (تفصیل آگے آتی ہے)۔ تاہم اس جانب دائیں ہاتھ کو جالی سے اوپر کی طرف ایک شعر درج ہے:

نبیّ عظیم خلقه الخلق الذی   له عظم الرحمن فی سید الکتب

"نبی ﷺ عظیم جن کا خلق وہ خلق ہے۔ کہ جس کی عظمت کا تذکرہ خدائے رحمان نے کتابوں کی سردار کتاب میں فرمایا۔"

یہ شعر گیارھویں صدی ہجری / سترھویں اٹھارویں صدی عیسوی کے ممتاز ادیب و شاعر جناب عبداللہ الحدّاد کا ہے جنہیں الحدّاد الیمنی الحدادی باعلوی' اور صرف الحدّاد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ مکمل قصیدہ اکتالیس اشعار پر مشتمل ہے اور ان کے دیوان "الدر المنظوم لذوی العقول والفهوم" میں' جو المطبعة الميمنية' مصر سے رمضان ۱۳۱۵ھ (جنوری' فروری ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا ہے' صفحہ ۶۶۔۶۷ پر موجود ہے۔ مذکورہ بالا شعر قصیدے کا سولھواں شعر ہے اور اس میں آیت قرآنی "وانك لعلى خلق عظيم" (۶۸ / ۴) کی طرف اشارہ ہے قصیدے کا مکمل عربی متن "شفاء

الفواد" میں بھی "القصيدة الحدادية الداخلية للحجرة النبوية الشريفة" کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ تعارفی کلمات میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ قصیدہ حجرہ پاک کے اندر کی جانب نقش کیا گیا ہے جو شاعر کے اخلاص اور پختگی عشق کا ثمرہ ہے نیز اس کا سولھواں شعر الگ سے مواجہ شریف پر نمایاں انداز میں درج کیا گیا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خاصی جستجو کے باوجود ایوب صبری پاشا کی ترکی تصنیف "مرآۃ الحرمین" تک رسائی نہ ہو سکی اور یہ تجسس ہی رہا کہ انہوں نے زیر بحث والیہ اشعار کی نسبت سلطان عبدالحمید خان (اول) سے کرتے ہوئے کیا حوالہ مہیا کیا ہے۔ بہر حال یہ امر قرین قیاس ضرور ہے کہ یہ شعر سلطان مذکور کے ہوں کیونکہ مسجد نبوی کی دور بہ دور تعمیر کے تاریخی جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقصورہ شریف پر یہ اشعار غالباً سلطان عثمانی محمود ثانی کے زمانے میں نقش کیے گئے جو موجودہ سبز گنبد کا بھی بانی ہے۔ یہ سلطان محمود، سلطان عبدالحمید اول مذکور کا بیٹا تھا اور اس کا دور حکومت ۱۲۲۳۔ تا۔ ۱۲۵۵ ہجری مطابق ۱۸۰۸ تا ۱۸۳۹ عیسوی ہے۔ موجودہ گنبد کی تعمیر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۔ ۱۸۱۷ء میں ہوئی (۶)۔ اور اس پر سبز رنگ سلطان محمود کی حکومت کے آخری سال یعنی ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء کی یادگار ہے (۷)۔ چنانچہ اغلب ہے کہ مقصورہ شریف، جس کے اوپر سبز گنبد قائم ہے، کے موجودہ نقش و نگار بھی گنبد کی تعمیر یعنی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء ہی کے زمانے سے تعلق رکھتے ہوں اور سلطان محمود ثانی نے اس وقت اپنے والد مرحوم، سلطان عبدالحمید اول کے یہ نعتیہ اشعار یہاں کندہ کرا دیئے ہوں۔

سلطان عبدالحمید اول بن سلطان احمد ثالث، ترکان عثمانی میں ستائیسواں سلطان تھا۔ وہ ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۵ء میں پیدا ہوا۔ پچاس برس کی عمر میں ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۴ء میں تخت نشین ہوا اور سولہ سال حکمرانی کر کے ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء میں وفات پائی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کے جو احوال درج ہیں (۸) بیشتر اس کے دور حکومت کے سیاسی اتار چڑھاؤ سے متعلق ہیں۔ اس کے ذاتی اوصاف میں اس کی امن پسندی، جوش، اخلاق کریمانہ، اور انسانی ہمدردی کی طرف البتہ سرسری سا اشارہ ملتا ہے۔ اس کی شاعرانہ حیثیت کا سرے سے کوئی ذکر نہیں حالانکہ مآخذ کی ایک طویل فہرست درج کی گئی۔ معلوم نہیں اس پہلو کا ذکر ان تمام مآخذ میں موجود ہی نہیں یا دائرہ معارف میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ذاتی طور پر بھی کسی ایسے ماخذ تک تادم تحریر رسائی نہیں ہو سکی جس میں سلطان کی شخصیت کے شعری و ادبی پہلو کا سراغ مل سکتا۔ چنانچہ یہ تجسس ہنوز باقی ہے کہ اگر سلطان عربی میں قدرت کلام رکھتا تھا تو اشعار زیر بحث کے علاوہ عربی میں اس نے کیا کیا نظم کیا نیز خود ترکی زبان میں بھی شاعری کی یا نہیں۔

اب زیر غور اشعار کے مکمل عربی متن کی طرف آیئے جو "شفاء الفواد" میں ایوب بصری پاشا کی "مرآۃ الحرمین" کے حوالے سے منقول ہے اور جس میں وہ سب اشعار اور مقامات شامل ہیں جو مٹ گئے یا اس

عاجز سے پڑھے نہ جاسکے۔ تاہم متن نقل کرنے سے پہلے چند توضیحات مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

"شفاء الفواد" (صفحہ ۲۰۴) کی وضاحت کے مطابق قصیدے کے پہلے تین شعر بھی ان اشعار میں شامل ہیں جن کو روغن پھیر کر مٹا دیا گیا۔ موجودہ ترتیب اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تین شعر مواجہ شریف کی جانب رہے ہوں گے۔ لیکن خاکسار کو یاد نہیں آتا کہ اب اس جانب ان کے مٹے ہوئے ہونے کا نشان بھی نظر سے گزرا ہو۔ معلوم نہیں نگاہ یکسر ان سے چوک گئی یا اب اس طرف کچھ ایسی تبدیلی عمل میں آچکی ہے جس سے مقصورہ شریف کا پرانا حاشیہ چھپ گیا ہے۔

پانچویں شعر "یا من تفجرت الا نہار نابعة" کے دوسرے مصرع کا متن "شفاء الفواد" میں یوں ہے:

"من اصبعیہ فروی الجیش ذا العدد"

"ذا العدد" کثیر التعداد کے معنوں میں ہے یعنی آپؐ کی انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی نے ایک کثیر التعداد لشکر کو سیراب کر دیا۔ یہ لفظ اس معجزے کے پس منظر میں بظاہر مہمل ہے البتہ اس کی جگہ اس عاجز کی براہ راست قرأت "بالمدد" تھی جس سے مراد وہ مزید پانی ہوگا جو اسی پانی میں مسلسل آ آکر ملتا رہے اور اس کی روانی کا سلسلہ کبھی کم نہ ہو۔ سورۂ کھف میں ارشاد ربانی ہے

"قل لو کان البحر مدا دا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا" (۱۸/۱۰۹)

"کہہ دو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لئے روشنائی (کے طور پر استعمال) ہو تو بالیقین سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں خواہ ہم ویسا ہی (سمندر) اس میں لا کر کیوں نہ ملا دیں۔"

"جزر" کے مقابلے میں سمندر کے چڑھاؤں کے لئے "مد" کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ بھی اسی مادّے سے ہے۔ چنانچہ پانی کے وفور کے مفہوم کے پیش نظر اس عاجز کی قرأت بھی بے محل معلوم نہیں ہوتی لہٰذا اسے آغاز کلام میں حالہ بر قرار رہنے دیا گیا ہے اگرچہ اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ اس عاجز سے پڑھنے میں کوتاہی ہوئی خصوصاً اس لئے کہ "شفاء الفواد" کے منقول متن کے مطابق تیسرے شعر میں' جواب نظر نہیں آتا "المدد" کا قافیہ گزر چکا ہے اور آگے آخری شعر میں پھر آرہا ہے۔

اس کے بعد جو پانچ شعر روغن میں دب گئے ہیں "شفاء الفواد" میں ان کا بلحہ مجموعی اعتبار سے مکمل متن کا جائزہ لینے سے احساس ہوتا ہے کہ زبان و اسلوب کے اعتبار سے بندش واقعی جا بجا کچھ سُست ہے جس پر ابراہیم رفعت پاشا نے زیادہ ہی کڑا تبصرہ کر دیا ہے۔ ان اشعار میں استمداد و توسّل وغیرہ کا مضمون ہے جو وہابیہ کے نقطۂ نظر سے موجب انقباض ہوا ہو گا۔ کچھ ایسی ہی صورت باقی مٹے ہوئے اشعار کی ہے۔

گیارہویں شعر کا آغاز "شفاء الفواد" میں "رب الجمال تعالٰی اللہ خالقہ" سے ہوتا ہے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے ہاں بھی اسی طرح منقول ہے اور مٹے ہوئے اشعار کے سیاق میں اس کی گنجائش بھی محسوس ہوتی ہے۔ تاہم خاکسار نے چشم خود جو کچھ پڑھا تھا وہ "رب الجمال" کی جگہ "یذا الجمال" تھا۔ وہ زیادہ بھی چونکہ وزن و معنی کے اعتبار سے گنجائش رکھتا ہے اس لئے اپنی روداد میں اسے اسی طرح رہنے دیا گیا ہے۔

اس شعر کے بارے میں "شفاء الفواد" (صفحہ ۲۰۴) میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ اسے الگ سے حجرۂ نبویہ کی جالی پر "دکۃ الاغوات" کے سامنے یعنی محراب تہجدؐ کی جانب نقش کیا گیا ہے۔ "دکۃ الاغوات" سے مراد صُفّہ شریف ہی ہے (۹)۔ "دکّہ" چبوترے کو کہتے ہیں اور "اغوات" (بفتح الغین) "اغا" کی جمع ہے جو "آغا" کا مخفف ہے۔ یہاں "اغوات" سے مراد وہ خواجہ سرا ہیں جو ایک مدت تک مسجد نبوی کی دربانی اور خدمت، خصوصاً حجرۂ پاک کی روشنی و صفائی کے لئے مامور رہے۔ اس دستور کا آغاز نور الدین زنگی یا بقول بعض صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے ہوا۔ (۱۰) سو برس پہلے تک یہ سلسلہ جاری تھا کیونکہ ابراہیم رفعت پاشا کی "مرآۃ الحرمین" میں ان خواجہ سراؤں کا نہ صرف ذکر کیا گیا ہے بلکہ بعض کی تصویریں بھی شامل ہیں (۱۱)۔ غالباً ان خواجہ سراؤں یا اغوات کا اجتماع صفہؐ کی جانب رہتا تھا چنانچہ اسی جانب کے دروازے سے وہ حجرہ شریف میں روشنی کرنے کے لئے داخل ہوتے تھے (۱۲)۔ اسی نسبت سے صفہ "دکۃ الاغوات" یعنی "خادموں کا چبوترہ" کہلانے لگا۔

گیارھواں شعر "شفاء الفواد" کی توضیح کے مطابق اگر دکۃ الاغوات کے سامنے محراب تہجدؐ کی جانب اگر جالی میں کندہ ہے تو فقیر کی توجہ اسی طرف نہیں گئی مگر خیال یہ ہے کہ شاید ایسا نہیں اور مراد اسی جانب کا وہی بالائی حاشیہ ہے جس پر باقی اشعار مقصورہ شریف کے گرداگرد کندہ ہیں۔ مگر وہاں تنہا یہی شعر نہیں بلکہ غالباً اگلے دو شعر بھی اسی رخ پر ہیں جن میں سے آخری روغن سے مٹا ہوا ہے۔ عین ممکن ہے اس وقت کی عمارت میں وہی حصہ صفہؐ کی جانب الگ سے نمایاں ہو جس پر گیارھواں شعر درج ہے۔

بارہویں شعر کے آخری تین حروف جو بہت غور کے باوجود اس وقت سمجھ میں نہ آسکے تھے "شفاء الفواد" میں "ذریٰ" درج ہے۔ چونکہ مقصورہ شریف پر ان اشعار کی خطاطی میں الف مقصورہ کو "ی" کے بجائے الف سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً پانچویں شعر میں لفظ "ردا" جو بالعموم "ردی" لکھا جاتا ہے اور چودھویں شعر میں "مدا" جس کی مانوس شکل "مدی" ہے، یہ لفظ "ذریٰ" بھی وہاں "ذرا" درج ہے اور بھی آرائشی خط میں کچھ اس طرح کہ نقطہ واضح نہیں الف درمیان میں آگیا ہے۔ "ر" آغاز میں خاصی اونچی ہے اور "ذ" آخر میں۔ گویا "راذ" لکھا ہو۔ لفظ "ذریٰ" "ذروۃ" بمعنی "بلندی" یا "چوٹی" کی جمع ہے جبکہ اس مقام پر مصرع میں جمع کے صیغے کی توقع نہیں ہوتی۔ ایک قیاس یہ ذہن میں آتا ہے کہ یہ اصل میں "ذریٰ" بالفتح بصیغہ واحد ہو اور اس سے مراد "جائے پناہ" ہو۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں "فلان" "فی ذریٰ فلان"۔ 'فلاں'

فلاں کی پناہ یا سائے میں ہے" یا پھر اس کا مفہوم "طبیعت" سمجھا جائے جیسا کہ نعت عرب میں آتا ہے کہ "ان فلانا لکریم الذری" یعنی "فلاں طبع کریمانہ رکھتا ہے۔" واللہ اعلم۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں احقر کی قرأت "خیر الانام" (تمام مخلوق سے افضل) تھی جبکہ "شفاء الفواد" میں "ذخر الانام" (سرمایہ خلق) درج ہے۔

آخری سے پہلے شعر کے آخری الفاظ "شفاء الفواد" میں "لا حصر ولا عدد" ہیں۔ فقیر کا ذوق بھی یہی تقاضا کرتا تھا مگر یاد آتا ہے کہ بغور دیکھنے پر بھی وہاں "بلا حصر بلا عدد" ہی سمجھ میں آیا تھا۔

آخری شعر کے مصرع ثانی کے ابتدائی حروف جو روغن سے توچ گئے تھے مگر پڑھنے میں نہ آتے تھے "شفاء الفواد" سے معلوم ہوا کہ وہ "بحر السماح" (بحر سخاوت) تھے۔

ان معروضات کے بعد اب آخر میں ان اشعار کا کامل عربی متن جس طرح "شفاء الفواد" میں ایوب صبری پاشا کی مرآۃ الحرمین سے منقول ہے۔ مع اردو ترجمانی کے درج کیا جاتا ہے۔ ان میں جو شعر روغن سے مٹادئے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے شعر نمبر ۱ تا ۳، ۶ تا ۱۰، ۱۳ اور آخری مصرع کا آخری حصہ۔ یہی تفصیل شفاء الفواد" (صفحہ ۲۰۴) میں مندرج ہے البتہ آخری مصرع کے آخری حصے کا ذکر وہاں نہیں کیا گیا۔

یا سیدی یا رسول اللہ خذ بیدی	مالی سواك ولا الوی علی احد
فانت نور الهدی فی کل کائنة	وانت سر الندی یا خیر معتمد
وانت حقا غیاث الخلق اجمعهم	وانت هادی الوری للہ ذی المدد
یا من یقوم مقام الحمد منفردا	للواحد الفرد لم یولد و لم یلد
یامن تفجرت الانهار نابعة	من اصبعیه فروی الجیش ذا العدد
انی اذا سامنی ضیم یروعنی	اقول یا سید السادات یا سدی
کن لی شفیعا الی الرحمن من زللی	وامنن علی بما لا کان فی خلدی
وانظر بعین الرضا لی دائما ابداء	واستر بفضلك تقصیری مدی الامد
واعطف علی بعفو منك یشملنی	فاننی عنك یا مولای لم احد
انی توسلت بالمختار اشرف من	رقی السموات سر الواحد الاحد
رب الجمال تعالی اللہ خالقه	فمثله فی جمیع الخلق لم اجد
خیر الخلائق اعلی المرسلین ذری	ذخر الانام وهادیهم الی الرشد
به التجات لعل اللہ یغفرلی	هذا الذی هو فی ظنی و معتقدی
فمدحه لم یزل دابی مدی عمری	وحبه عند رب العرش مستندی

علیه ازکی صلاۃ لم تنزل ابداء مع السلام بلا حصر ولا عدد

والال والصحب اهل المجد قاطبة بحرّ السماع واهل الجود والمدد

(۱) میرے آقا یارسول اللہؐ میری دستگیری فرمائیے۔ آپؐ کے سوا میرا کوئی نہیں اور کسی کی طرف پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں۔

(۲) کہ آپؐ ہی ہر موجود میں (مضمر) نور ہدایت ہیں اور اے بہترین تکیہ گاہ آپ ہی راز سخاوت ہیں۔

(۳) اور آپؐ فی الواقع، تمام کی تمام مخلوق کے لئے سراپا امداد ہیں اور آپؐ ہی خدائے مددگار کی طرف رہنمائے خلق ہیں۔

(۴) اے وہ کہ جو مقام حمد پر شان انفرادیت کے ساتھ استادہ ہوگا اس ذات واحد و یکتا کے سامنے جو لَم یَلِدْ لَم یُولَدْ ہے۔

(۵) اے وہ کہ جس کی دو انگلیوں سے دریا پھوٹ بہے سو اس نے کثیر التعداد لشکر کو سیراب کر دیا۔

(۶) میری کیفیت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ہولناک ظلم میرے در پے ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں "اے سید سادات! اے میرے سہارے!"

(۷) میری لغزش پر خدائے رحمان کے ہاں میری سفارش فرمائیے اور مجھے ایسی نعمتوں سے ممنون کیجئے جو میرے خیال و گمان میں بھی نہ ہوں۔

(۸) اور مجھ پر ہمیشہ خوشنودی کی نگاہ رکھئے۔ اور از راہ کرم ابد تک میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیے۔

(۹) اور مجھ پر ایسے عفو سے شفقت فرمائیے جو مجھے ڈھانپ لے کہ اے میرے آقا میں آپؐ سے سرتابی کا مرتکب نہیں ہوا۔

(۱۰) میں نے (رسول ﷺ) مختار کو وسیلہ بنایا ہے۔ جو آسمانوں پر جانے والوں میں اشرف ترین ہستی ہیں۔ اور خدائے واحد و یکتا کا راز ہیں۔

(۱۱) صاحب جمال ہیں کہ جن کا پیدا فرمانے والا اللہ بزرگ و برتر ہے (۱۳) سو ان کی مثال ہی میں نے کُل مخلوق میں نہیں پائی۔

(۱۲) تمام مخلوقات میں بہترین، تمام رسولوں میں چوٹی کے بلند ترین سرمایۂ خلق اور راہ ہدایت کی طرف ان کے ہادی۔

(۱۳) میں نے انہیں کی پناہ لی ہے۔ شاید کہ اللہ مجھے معاف فرمائے۔ یہی میرا (حسن) ظن اور میرا عقیدہ ہے۔

(۱۴) سو انہی کی مدح زندگی بھر میرا طریق رہی ہے اور انہی کی محبت پروردگار عرش کے ہاں میرا اسارا ہے۔

(۱۵) آپؐ پر پاکیزہ ترین درود ہو' جو تا ابد جاری رہے مع سلام کے' بے شمار و لاتعداد۔

(۱۶) اور آل و اصحاب پر بھی جو سب کے سب صاحبان مجد ہیں دریادلی کا سمندر ہیں اہل سخاوت و امداد ہیں۔

حواشی

(۱) ابراہیم رفعت پاشا کی "مرآۃ الحرمین" ۱/۴۵۹ سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے۔ انہوں نے مسجد نبوی کے در و دیوار کے بعض نقوش کی تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے'

"و کل هذا مکتوب بالخط الجمیل المحلی بماء الذهب"

"اور یہ سب کچھ خوبصورت خط میں لکھا ہوا ہے جسے سونے کے پانی سے آراستہ کیا گیا ہے۔"

(۲) مرآۃ الحرمین' ۱/۴۶۸

(۳) ایضاً' ۱/۴۶۷

(۴) ہدیۃ العارفین' ۱/۲۲۹

(۵) ایضاح المکنون' ۲/۴۵۸

(۶) مرآۃ الحرمین' ۱/۴۶۵

(۷) ایضاً

(۸) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ۱۲/۸۴۷۔۸۴۹

(۹) مرآۃ الحرمین' ۱/۴۴۹' "و علی یساره الصفة او دکة الاغوات" "اس کے بائیں جانب صفہ یا دکۃ الاغوات ہے۔

(۱۰) ایضاً ۱/۴۵۹' یہاں مختلف ادوار میں اغوات کی تعداد' قومیت وغیرہ کے بارے میں مفید تفصیلات ملتی ہیں۔

(۱۱) ایضاً ۱/۴۶۰

(۱۲) ایضاً ۱/۴۵۱

(۱۳) جملے کی ایک مختلف ترکیب فرض کرتے ہوئے اسی مصرع کا ترجمہ یوں بھی ممکن ہے:

"اللہ تعالیٰ' جو پروردگار جمال ہے' آپؐ کا خالق ہے۔"

کتابیات

☆ ابراہیم رفعت باشا اللواء' مرآۃ الحرمین' مطبعة دار الکتب المصریة' القاهره ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء' دو جلدیں۔

☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' دانش گاہ پنجاب لاہور' ۱۳۰۰ھ/۱۹۸۰ء تا ۱۳۱۴ھ/۱۹۹۳ء' چوبیس جلدیں

☆ اسماعیل باشا البغدادی' ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ت۔ن' عکس اشاعت استنبول ۱۹۴۵ء۔۱۹۴۷ء دو جلدیں۔

☆ اسماعیل باشا البغدادی' هدیة العارفین' اسماء المولفین و آثار المصنفین' دار احیاء التراث العربی بیروت' ت۔ن' عکس اشاعت استانبول ۱۹۵۱ء۔۱۹۵۵ء دو جلدیں۔

☆ عبداللہ الحداد' الدر المنظوم لذوی العقول والفهوم' المطبعة المیمنیة' مصر' ۱۳۱۵ھ

☆ عبداللہ عباس ندوی' ڈاکٹر' حجرہ نبوی ﷺ کے اندر نقش' عربی کی چند نایاب تحقیق' مجلس رضا' کراچی ۱۹۹۸ء

☆ محمد بن السید علوی' شفاء الفؤاد بزیارة خیر العباد' دولة الامارات العربیة المتحدة ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء

ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی

اردو حمد و نعت

فارسی روایت کے تناظر میں

ایک بالاتر ہستی کا تصور ہمیشہ انسان کے ساتھ رہا ہے۔ حیرت پذیری یا خوف زدگی کے سبب وہ کسی نہ کسی طاقت کے سامنے سر افگندہ رہا ہے۔ تخریب کار عناصر فطرت، رسائی سے بالاتر مظاہر قدرت، بتان خشت و گل، دیوی دیوتا (ارباب النوع) اس کی پرستش کا مرکز رہے۔ پھر جہالت سے علم اور بے شعوری سے تمیز و شعور کی جانب سفر کرتے ہوئے اور عرفان و عقل سے ارتباط پیدا ہونے کی صورت میں جو ماورائی اور مافوق الفطرت ہستی اس کی کمندِ عقل میں آتی رہی وہ اس کی پرستش اور اس کے سامنے سر افگندگی سے انحراف کرتا چلا گیا۔ تاہم یہ تصور کہ ایک "ہستی" ایسی ضرور ہے جو اس کے وہم و گماں کی دسترس اور علم و خبر کی رسائی سے نہ صرف بالاتر ہے بلکہ وہ اس کی خالق اس کے ارادوں پر مختار اور حیات و کائنات کی منتظم اور ان کی تقدیرات پر غالب ہے، ہمیشہ اس کے معتقدات میں رچی بسی رہی۔ اور اس نے یا تو اس مخفی ہستی کے مظاہر سے ربط عقیدت استوار رکھا اور کسی نہ کسی مظہر کو اس تک رسائی کا وسیلہ جانا یا پھر اس مظہر کو اس کے قدرت و اختیار میں شریک جانا۔ مت پرستی، ثنویت، کثرت پرستی، مظاہر پرستی، آتش پرستی، تثلیث وغیرہ اس اعتقاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر اعتقاد کے پس منظر میں ایک "الٰہ" کا تصور ضرور قائم رہا۔ جیسا کہ مشرکین عرب یہ مانتے تھے کہ ایک الٰہ ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور جو ارض و سما کا مالک ہے اور مت اس تک رسائی کا وسیلہ ہیں۔

عقیدے کا بیج جذبوں کی نرم زمین میں اُگتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ یہ جذبے اپنا اظہار چاہتے ہیں تاکہ پجاری یا پرستار اپنے اصنام (مرکز پرستش) تک اپنی عقیدت اور چاہت کو بھرپور انداز میں منتقل کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے حاجت روا کے روبرو عاجزانہ پیش کر دے۔ نرم و نازک اور رقیق جذبوں کا اظہار نثر کی بجائے شعر کی صورت میں زیادہ مؤثر انداز میں ہوتا ہے کیونکہ شعر میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ لطیف جذبوں کو بال و پر بخشتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً دنیا کی ہر زبان میں نثر سے پہلے شاعری وجود میں آتی ہے یعنی جذبے، تفکر سے پہلے آنکھ کھولتے ہیں اور کیونکہ پرستش کا عقیدہ وراثتاً اور فطرتاً ہر انسان کے ساتھ چپکا رہا ہے اس لئے اس نے اپنے تمام جذبوں کے مقابلے میں زیادہ تر اپنے جذبۂ پرستش کو شعر کی صورت میں لباس اظہار

پہنایا ہے۔ چنانچہ قدیم ادوار میں سرود، دعا، مذہبی گیت، بھجن، شلوک وغیرہ اس کے اظہار کے مختلف پیکر رہے ہیں۔

مختلف مذاہب و عقائد عالم کے مقابلے میں دینِ اسلام ایک انقلابی عقیدے کے ساتھ سامنے آیا اور اس نے اللہ کی توحید خالص کا واضح عقیدہ پیش کیا جس کے سبب تمام کثیف اور شرک آلود عقائد منسوخ ہو کر رہ گئے۔ تب انسانی (اسلامی) جذبوں نے اپنے اظہار عبودیت کے طور پر شاعری کے وسیلے سے حمد و مناجات کے زمزمے بلند کئے اور اللہ کی ربوبیت، خالقیت، قادریت اور دارین میں اس کی یکتائی، کبریائی اور اس کی حاکمیت و غالبیت کے نغمے اپنے سازِ جاں پر الاپے۔

اس طرح حمد ایک نہایت توانا پیکر میں اور ایک منفرد و ممتاز صنفِ شعری کے طور پر وجود میں آئی۔ عربی کی عہد اسلام کی شاعری اور فارسی شاعری کی فضا نغمات حمد سے معمور ہے۔

اللہ نے اپنی رحمتِ کاملہ کی بناء پر انسان کی ہدایت کے لئے اپنے خاص بندے انبیاء مرسلین علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ اپنے ارشاد و ہدایت سے اور اپنی سیرت طاہرہ اور حسن کردار سے کائنات انسانی کی رہنمائی فرمائیں اور بھٹے ہوئے کاروانِ انسانیت کو منزل ہدایت کی جانب بلائیں۔

اللہ نے صحفِ آسمانی اور معروف مذہبی کتب مقدسہ اور خصوصاً قرآن حکیم کو نازل فرما کر انسان کے لئے صراطِ مستقیم اور منزل محمود متعین فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کو وقتاً فوقتاً مختلف اقوام و ملل اور مختلف ادوار و ازمنہ میں بھیج کر عالمین اور خصوصاً عالم انسانی کی خیر و صلاح اور فوز و فلاح کے سامان بہم پہنچائے۔ انبیاء علیہم السلام عبد و معبود کے مابین رابطے کا وسیلہ ہیں۔ انہی نفوسِ قدسیہ کی برکت سے گمراہ انسان ہدایت یاب ہوا۔ اس نے کفر، شرک اور باطل پرستی سے دامن چھڑا کر اللہ سے اپنا رشتہ اطاعت و عبدیت قائم کیا اور اپنی دنیا اور عقبیٰ سنواری۔ اللہ کے بعد یہی محسنینِ انسانیت ہیں جن کا بار احسان ہر انسان پر ہے۔ یقیناً جذباتِ عقیدت کا دوسرا مرکز و محور یہی مرسلین ہیں اور یقیناً ہر دور میں ہر امّت کے افراد نے ان کی عقیدتوں کے نازک جذبوں کا اظہار مدح و ثناء کے شعری پیرایوں میں کیا ہوگا۔

حضرت محمد ﷺ سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیینؐ، وجہ تخلیق کائنات، فخر موجودات، رحمۃ للعالمین اور ہادیٔ حیات و کائنات ہیں۔ آپ خیر البشر ہیں اور آپ کی امت خیر الاُمم۔ آپ پر نازل ہونے والا کلام الٰہی تمام ادوار کے لئے دستور کائنات اور منشور حیات ہے۔ آپ ہی پر الیوم اکملت لکم دینکم کی آیۂ محکم نازل ہوئی اور آپ ہی دین اسلام کے پیغمبر آخر الزماں کے طور پر تشریف لائے۔ اللہ، ملائکہ، جنّ و انس، ہمہ مخلوقات، تمام ارض و سماء، دنیا اور مافیہا آپ پر درود و سلام پڑھتی ہے اور آپ کی مدح و ثناء میں مشغول ہے۔ حضور پاک ﷺ کی شان میں ادا ہونے والے منظوم جذبے نعت کہلاتے ہیں۔

عرب کی عہد اسلام کی شاعری زمزمہ ہائے نعت و ثناء سے معمور ہے۔

اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والے اور حضور پاکؐ کے کلمہ گو دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں۔ یقینا دنیا بھر کی بے شمار زبانوں میں حمد الٰہی اور نعتِ محمدیؐ کے ذخیرے کے ذخیرے جمع ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

اردو زبان کی شاعری زیادہ تر عربی اور فارسی شاعری سے اثر پذیر ہوئی ہے۔ عربی شاعری کا براہ راست اثر مقدار کے اعتبار سے کم ہے جبکہ یہ اثر بالواسطہ طور پر فارسی شاعری کے حوالے سے ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو شاعری فارسی شعری روایت سے براہ راست اور کثیر مقدار میں متاثر ہوئی ہے۔

عربوں نے بہت سے ممالک کو فتح کیا اور مفتوحہ ممالک کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن پر بھرپور انداز میں اثر انداز ہوئے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہو گا کہ وہ مفتوحہ ملکوں کے ذہن و فکر کو اپنے اندر جذب اور ان کے علمی و ادبی ذخائر کو اپنے علوم و فنون میں محو کرتے چلے گئے۔ خلاف ایران کے جس کی تاریخ و تہذیب پر زیادہ پُر شکوہ' زیادہ پائیدار اور گیرائی اور گہرائی کی صفات سے آراستہ تھی۔ چنانچہ تہذیبی علمی اور ادبی تاریخ بتاتی ہے کہ ایران نے عرب کے علوم و فنون کے معتدبہ حصے کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اپنے مزاج کے رنگ میں رنگ لیا۔ ایک تو ایران پہلے ہی فکری سرمایے کے اعتبار سے مالا مال تھا دوسرے اسے عرب کی بیش بہا دولت علم ہاتھ لگی تھی۔ اس لئے اس کے تہذیبی اور فکری خزائن نہایت وسیع ہو گئے۔ فارسی تراجم کی شکل میں عربی علوم و ادبیات کو منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود بھی اسلامی تقاضوں کے مطابق تخلیق' تنقید اور تحقیق کے ذخائر کے ڈھیر لگا دیئے۔

ایران کی حدود سلطنت کیونکہ بہت وسیع تھیں اور پھر وہ ذوق عمل سے سرشار اور فتح و ظفر مندی کے خواہاں تھے اسلئے وہاں کے باشندوں نے قبول اسلام کے بعد جن ممالک کو فتح کیا وہاں کے علوم و فنون' تہذیب و معاشرت اور طرز احساس پر وہ اثر انداز ہوتے چلے گئے۔

ان فاتحین اسلام نے برّ صغیر میں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کیں۔ ہزاروں باشندے نئے مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ ان کی بول چال' نوشت و خواند اور مفتوحہ ملک کے مقامی باشندوں سے ان کے روابط کا وسیلہ فارسی زبان ہی تھی اس لئے یہی زبان اپنی تمام خصوصیات ولوازمات کے ساتھ پھیلتی اور سب کو اپنے ہی رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو یہ نو وارد ین فارسی زبان میں لکھتے پڑھتے اور ادب تخلیق کرتے تھے۔ دوسری طرف ان کے اثر و نفوذ کے باعث مقامی باشندوں کی سوچ اور اظہار کا ذریعہ بھی یہی زبان فارسی بنی۔

فارسی زبان اپنی شعری روایت کا ایک طویل دور طے کر چکی تھی۔ قبل از اسلام بھی ایران کی اپنی عصری روایت نہایت مضبوط' دور رس اور ہمہ گیر تھی اور اسلام کے بعد یہ روایت زیادہ پُر شکوہ اور زیادہ باعظمت انداز میں پیش رفت کرتی رہی۔ فارسی شاعری میں تقریباً ہر موضوع پر متنوع مضامین و افکار کے

تخلیقی ذخیرے موجود تھے اور مختلف عصری منفکیات کے مطابق انہوں نے اس روایت کو زیادہ زرخیز بنالیا تھا اور جذبہ و فکر کے قریب قریب ہر موضوع اور انسان کی فردیت اور اجتماع کے قریب قریب ہر پہلو پر بے شمار نادر اور دلکش اسالیب کی صورت میں تخلیقی عمل کے مظاہر فراہم ہو چکے تھے۔ انہی میں حمد اور نعت کے بیش بہا جواہر تھے جو تخلیق کے خزانوں میں پڑے دمک رہے تھے۔

بے شمار تاریخی' تہذیبی' تمدنی' ثقافتی اور معاشرتی عوامل کے باعث اردو شاعری نے آغاز ہی سے فارسی کی شعری روایت کو من وعن قبول کر لیا اور فارسی شاعری کے تمامتر فنی اور تخلیقی تجربوں میں اپنے آپ کو جذب کرتی چلی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی شاعری تو چند قلیل موضوعات و مضامین سے زیادہ اثر نہ ڈال سکی جبکہ ہم نے اردو شاعری کو فارسی کی روایت میں اتنا رنگا کہ دونوں شعری روایتیں ہم رنگ و ہم آہنگ ہو کر رہ گئیں بلکہ یک جان و دو قالب کی بات زیادہ چست ہے۔ فارسی شعری روایت سے اردو شاعری نے کیا کچھ نہیں لیا۔ اوزان و بحور تقریباً تمام شعری اصناف اور ان کی (فارسی میں) مروجہ ہیئتیں' زبان و بیان' سبک (Style)۔ حقیقی و مجازی پیرایے' تشبیہات کا نظام' استعارات' اساطیر' تلمیحات' موضوعات' مضامین و افکار' بلکہ یوں کہئے کہ طرز احساس اور نظام خیال میں اتنی زبردست مشابہت و مماثلت ہے کہ صرف زبانوں کا فرق ہے ورنہ معنوی وحدت اور باطنی یکتائی انتہا درجے کی ہے۔

باقی اصناف شعری کی طرح حمد اور نعت بھی فارسی شعری روایت سے پوری طرح متاثر ہے۔ ایران میں جس طرح حمد و نعت بعض اصناف کے درمیان گھُل مِل کر یا اپنی پوری وحدت کے ساتھ الگ ہیئت میں (مثلاً غزل یا نظم کی فارم میں) وجود پذیر ہوئی۔ تصوف اور فلسفے کے مکاتب نے ایران کے فکری نظام اور جذباتی رویے کو جس جس شکل میں متاثر کیا' اردو حمد و نعت نے بھی اس کی تقلید کی سنت ادا کی۔ ہمیں تسلیم ہے کہ ہند کی سرزمین میں یہاں کے مخصوص کلچر اور مقامی رنگ نے بھی جزوی طور پر حمد یا نعت کو متاثر کیا لیکن یہ کمزور سا یا جزوقتی سا تاثر فارسی کی مسلسل و متواتر اور توانا شعری روایت کے قوی اثرات کو معطل نہیں کر سکا۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اردو حمد و نعت کے تخلیقی ذخیرے کو (آغاز سے عصر رواں تک) فارسی شعری روایت کے حوالے سے دیکھا اور پرکھا جائے۔ اگرچہ نعت پر یونیورسٹیوں کی سطح پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور حمد پر بھی تحقیق کا آغاز ہو چکا ہے لیکن دونوں اصناف میں یعنی حمد و نعت کے تحقیقی عمل میں یہ اہم اور وقیع رخ مدنظر نہیں ہے کہ فارسی کی توانا اور مسلسل شعری روایت نے اردو حمد و نعت کے مزاج پر کیا کیا اثرات مرتب کئے ہیں اور اس روایت کی برکت سے حمد و نعت کے تخلیقی سرمایے میں کس قدر وقیع اور بے بہا لعل و جواہر کا اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ سلسلہ تخلیق اپنی برکات و ثمرات کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (بھارت)

قصیدۂ بُردہ کے اردو منظوم تراجم

قصیدہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی گاڑھا مغز' کے ہوتے ہیں۔ علم الشعر میں یہ ایک صنف شاعری ہے جو اپنی صنفی شناخت کے لئے موضوع اور ہیت کے تابع ہوتی ہے۔ فارسی/اردو ادب میں غزل قصیدے ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ لہٰذا ہیت اور مزاج کے اعتبار سے بڑی حد تک غزل اور قصیدے میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ غزل میں شوخیانہ خیال آرائی کو ایک مقام حاصل ہے جبکہ قصیدے میں نادر و پُرشکوہ مضامین ہی کا التزام کیا جاتا ہے۔ علم الصرف میں لفظ "قصیدہ" کو قصد سے مشتق بتایا گیا ہے جس کے معنی ارادے کے ہیں کہ شاعر ممدوح کی مدح و توصیف بیانی اکثر بلا ارادہ نہیں کرتا۔ لیکن میری اپنی دانست میں قصیدے کی یہ اشتقاقی توجیہہ غیر شاعرانہ ہے کیونکہ قصیدے کے مضامین پُرشکوہ ہوتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں شوکت، معنی میں نُدرت اور بندش میں چستی ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کا ممدوح بزرگ و محترم ہوتا ہے۔ پس ایسی مہتم بالشان صنف کو ارادے اور قصد کے تابع کرنے سے اس میں "آورد" کا عیب پیدا ہو جاتا ہے، جو خالص ہونے پر ملمع سازی کے مصداق ٹھہرے گا۔

فنی نقطۂ نظر سے تشبیب گریز مدح اور اظہار مدعا' یہ قصیدے کے عناصر اربع کہلاتے ہیں۔ ان کی اساس ہی پر قصیدے کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ان میں پیدا ہونے والا جھول اور سقم قصیدے کے حسن و جلال کو مجروح کر دیتا ہے۔ اس لئے عربی قصیدے میں ان عناصر کو بڑے فنکارانہ انداز میں اپنایا گیا ہے۔ فارسی اور اردو شعراء نے اس فن میں اپنے خلاق تخیل سے زیادہ عربی شعراء کی تقلید کو ترجیح دی ہے۔ ہاں! کہیں کہیں اردو قصائد میں مقامی اثرات کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ جیسے محسن کاکوروی کا قصیدہ "مدیح خیر المرسلین" کہ اس میں ہندوستانی فضاء، مقامی تہذیب اور یہاں کی اساطیری روایات کی پچی کاری نہایت عمدگی سے کی گئی ہے اس کی

تشبیب حمیاتی ہے۔

"گریز" یہ تشبیب و مدح کو جوڑنے والی کڑی ہوتی ہے۔ دو علیحدہ مضامین کی گریز کی وجہ سے باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔ گریز کا شعر بڑا تکنیکی اور شاعر کی فنی مہارت کا عمدہ نمونہ ہوتا ہے۔ علم الشعر میں اسے دو سرکش بیلوں کو ایک جوے میں جوتنے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ ایک شعر ہوتا ہے لیکن قصیدے کے حسن کی جان ہوتا ہے۔

مدح قصیدے کا تیسرا عنصر ہے۔ شاعر اپنے ممدوح کی ثناگستری کے جوہر اس میں دکھاتا ہے۔ اور ممدوح خوش ہو کر شاعر کو انعام و اکرام سے نواز دیتا ہے۔ بعض اوقات مدح میں نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے کہ ممدوح کی اصل شخصیت اور اس کے اوصاف فوق البشریت سے بھی تجاوز ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل ایک طرف فنی حیثیت سے منافی کے زمرے میں آتا ہے تو دوسری طرف نفسیات کی رو سے غیر فطری بھی ہوتا ہے۔ چوتھے عنصر "حسن طلب" میں شاعر اپنے ممدوح سے صلہ کا طلب گار ہوتا ہے۔ وہ ممدوح سے اس کی شایان شان مالی منفعت اور عزت و اکرام کا سوال کرتا ہے اور دعا دیتا ہوا اپنے قصیدے کو ختم کرتا ہے۔

سلاطین و امراء کی مدح و ستائش کے حامل قصائد کی نسبت نعتیہ قصائد میں عقیدت کی فراوانی ہوتی ہے اور تقدس کا رنگ غالب رہتا ہے۔ شاعر حبِّ رسولؐ میں آپؐ کی مدحت سرائی اور آپؐ کی شان ارفع کے بیان میں وارفتگی شوق کے ایسے نادر نمونے اپنے قصیدوں میں پیش کرتا ہے کہ زبان پر یک لخت "سبحان اللہ" کے الفاظ متحرک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ نعتیہ قصائد میں بھی بعض اوقات غلو کی وجہ سے حفظ مراتب کا خیال رکھا نہیں جاتا اور عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی دانستہ کوششیں ہوتی ہیں لیکن عربی قصائد اس عیب سے یکسر پاک نظر آتے ہیں۔ وہاں رسالت اور ربوبیت میں حد فاصل قائم رکھنے کے لئے جتن کئے گئے ہیں خود حضورؐ نے بعض قصائد میں اس حد کو قائم رکھنے کے لئے اصلاح فرمائی ہے۔

عربی کے نعتیہ قصائد میں قصیدہ بانت سعاد کے بعد بوصیری (م ۶۹۶ھ / ۱۲۹۷ء) کے قصیدہ الکواکب الدریّہ فی مدح خیر البریّہ کا مقام بلند ہے۔ اس قصیدے کو شہرت "قصیدۂ بردہ" کے نام سے ملی۔ جہاں اس کی ادبیت کو تسلیم کیا گیا وہاں تعویذ، گنڈے میں اس کے اشعار استعمال کر کے اس کی فضیلت کو بھی منوا لیا گیا ہے۔ اردو زبان میں اس کے بہت سارے نثری و منظوم تراجم ہوئے ہیں۔

اپنی بساط بھر کوششوں سے مجھے درج ذیل منظوم اردو تراجم دستیاب ہوئے ہیں۔

ا۔ تاریخی ترتیب کے مطابق اردو میں تاحال پہلا منظوم ترجمہ اشرف کا ہے۔ اشرف کا نام گرامی

سید عبدالفتاح اشرف علی تھا۔ وطن مالوف ان کا ناسک جسے اس وقت گلشن آباد کہا جاتا تھا۔ ان کے والد سید عبداللہ حسینی تھے۔ معاصرین علماء میں سے اشرف کو مولوی سید میاں سورتی، ملا مفتی عبدالقیوم کابلی، مولوی خلیل الرحمٰن رامپوری، فضل رسول بدایونی، مولوی محمد اکبر کشمیری اور مفتی عبدالقادر تھانوی وغیرہ جیسے جیّد علماء کرام سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اشرف کے مذہبی کارہائے نمایاں بہت سارے ہیں جن کے پیش نظر انگریزوں نے انہیں خان بہادر اور "جسٹس آف پیس" کے خطابات سے نوازا تھا۔ خاندیش کے کسی ضلع میں آپ منصب افتاء پر فائز ہوئے بعدہٗ ۱۲۸۴ء میں الفنسٹن ہائی اسکول کی ملازمت اختیار کی اور وفات تک اس فرائض منصبی کو ادا کرتے رہے اشرف کی علمی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ انھوں نے فتاویٰ، سیرت، تاریخ کے علاوہ علوم متداولہ میں بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ انھیں شاعری میں بھی کافی ملکہ حاصل تھا۔ "اشرف الا شعار" ان کا نعتیہ دیوان ہے۔ اس میں عربی فارسی اور اردو ہر تینوں زبانوں میں شاعری کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اس دیوان میں قصیدۂ بردہ کا منظوم ترجمہ بھی ہے جسے انھوں نے نہایت اہتمام سے نقل کر کے مولانا محمد صدیق ملتانی ثم احمد نگری کی خدمت میں بھیجا تھا۔

یہ ترجمہ نہایت رواں و سہل ہے۔ بھرتی کے اشعار سے یکسر پاک ہے۔ عربی متن کے مطابق ہی اردو کے اشعار ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہاں! کہیں کہیں عربی متن کے معنی و مفہوم ایک شعر میں نہ سمانے کی صورت میں انھوں نے دو اشعار میں مفہوم کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ خاص وصف اس ترجمہ کا یہ ہے کہ یہ قصیدے ہی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے اور ایک ہی ردیف کو آخر تک برتا گیا۔ بوصیری کا قصیدہ عربی اصطلاح میں "قصیدۂ میمیہ" ہے تو یہ ترجمہ "نونیہ" ہے پابندی ردیف کی وجہ سے اکثر نقش اول کا مضمون نقش ثانی میں پیش کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے لیکن شاعر نے بدرجہ اتم اس کا نباہ کیا ہے۔ اور قصیدے کی اصل روح کو ترجمہ میں پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ انھوں نے ترجمہ کو نفسِ مضمون سے قریب تر کرنے کے لئے بعض جگہ ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو بوصیری کے اشعار میں نہیں ہیں۔ مثلاً

يا لا ئمی فی الهوى العذری معذرة

منی اليك ولو انصفت لم تلم

اس شعر میں نہ لفظ "مجنوں" آیا ہے نہ "عاشق" نہ "ہجر" کی کیفیات کا ذکر ہے۔ شعر کا ترجمہ ہوگا کہ "اے میرے ناصح! (ملامت کرنے والے) ایک پاک محبت پر میری تجھ سے معذرت ہے۔ حالانکہ اگر تو انصاف کرتا تو کبھی ملامت نہ کرتا" اشرف نے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

نا صحا! کب تک ملامت، عذر مجنوں ہو قبول
ہجر میں عاشق کے دل کو کب رہے تاب و تواں

اس شعر کے متعلق ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی رقمطراز ہیں

"پاک محبت جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ "الحب العذری" ہے۔ اس ترکیب کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ہو عذرہ نامی یمن میں ایک قبیلہ تھا۔ جس میں عربی کے متعدد شعراء پیدا ہوئے۔ جن کا مشترکہ وصف یہ تھا کہ ان کے اشعار میں سوز و گداز بہت ہوتا تھا۔ وہ محبوب کے جسمانی قرب و وصال کے متمنی نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ "ہو عذرہ" کے قبیلہ میں جو عاشق ہوا وہ اپنے محبوب پر پروانہ وار فدا ہو گیا۔ اور کبھی ہوس نامی کے قریب نہیں گیا"۔ (عربی میں نعتیہ کلام : لکھنؤ ص ۱۱۸)

اشرؔف نے لفظ "لائم" (ملامت کرنے والا) کا ترجمہ "ناصح" کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اردو شاعری میں محبت میں آڑے آنے والا کردار 'ناصح' یا 'واعظ' ہی ہوا کرتا ہے۔ یہاں انھوں نے عربی شاعری کی ادبی روایت کے بالمقابل اردو شاعری کے مزاج کو ترجیح دی ہے۔ اس پس منظر میں اشرف کا ترجمہ عربی کے اصل شعر سے قریب تر ہے۔ تصرؔف لفظی کی ایسی مثالیں اشرؔف کے یہاں محض عربی مفہوم کو اردو مزاج کے مطابق ڈھالنے کی دانستہ کوشش کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ سپاٹ ترجمہ شعر کے اصل معنی کو واضح نہیں کر سکتا۔ ردیف و قوافی کو نبھانے کے لے بھی انھیں مجبوراً بھرتی کے الفاظ و مصارع استعمال کرتے پڑے۔ مثلاً

ظلمت سنة من احیی الظلا م الی
ان اشتکت قد ماہ الضر من ورم
وشد من سغب احشاء ہ وطوی
تحت الحجارة کشحا مترف الادم

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس ذات گرامی کی راہ ہدایت پر ظلم کیا جو راتوں کو بیدار رہا کرتے تھے۔ اس حد تک کہ آپؐ کے پائے مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا۔ جس نے بھوک کی شدّت کو دبانے کے لئے اپنے پیٹ کو باندھا اور اپنی کمر کے اوپری حصہ پر جس کی جلد انتہائی نازک تھی پتھر رکھا۔ اشرف نے ان دونوں اشعار کا ترجمہ اس طرح کیا ہوا ہے۔

میں نے سُستی کی بڑی سنّت میں حضرت کی سدا — جو کہ ہے ختم الرسلؐ شمس الهدیٰ شاہ شہاں
تھا قیام شب کہ پیروں پر ورم آتا بہت — سنگ باندھے بر شکم اور شکر میں جاری زباں

یہاں دوسرا مصرع غیر ضروری ہے اور چوتھے مصرع کے حشو و ضرب میں آئے الفاظ

تصرف لفظی میں آتے ہیں۔ اشرف نے اپنا دیوان اشرف الاشعار ۱۲۷۹ھ میں ترتیب دیا تھا۔ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں جو مخطوطہ ان کے دیوان کا ہے اس کے خاتمہ میں درج ہے۔

مرتب ہوا دیوان مدح احمدی اشرف
کہا ہاتف نے یہ ہے اشرف الاشعار سید کا

اس مصرع تاریخ سے ۱۲۷۹ء متخرج ہوتے ہیں۔ یہ مخطوطہ جس میں دس قصائد فارسی کے اور دس اردو کے ہیں پہلا قصیدہ قصیدۂ بردہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ "اشرف الاشعار" کئی بار طبع ہو چکا ہے راقم کے سامنے اس وقت مطبع گلزار حسنی بمبئی سے ۱۳۲۳ء میں چھپا قدیم نسخہ ہے۔ اس میں قصیدۂ بردہ کے منظوم ترجمہ کے آخر میں اشرف نے مادہ تاریخ کے شعر درج کئے ہیں۔

جب قصیدہ بردہ کا توفیق سے اللہ کے	ترجمہ اشرف نے لکھا خوب در ہندی زباں
داخل غفراں مترجم بھی طفیلی بن گیا	کاہ پر گلشن کے فیض ابر ہے رحمت رساں
باعث رحمت ہے اشرف آج تک ذکر نبیؐ	سال بارہ سو پہ اسّی ہجر یہ ہیں ایں زماں

۱۲۸۰ھ میں مکمل ہوئے قصیدۂ بردہ کے ترجمہ کی شمولیت ۱۲۷۹ھ میں ترتیب دیئے گئے دیوان "اشرف الاشعار" میں قابل غور ہے۔ ہو سکتا ہے مطبوعہ نسخے کے اشعار بعد کا اضافہ ہوں جسے شاعر نے کسی اور نسخے کے لئے تخلیق کئے ہوں اور اسی نسخہ کی طباعت عمل میں آئی ہو۔ بہر حال جامع مسجد بمبئی کے مخطوطہ میں اشرف کے قصیدہ کا موجود ہونا اس کے تخلیقی سال کو ۱۲۷۹ھ سے پہلے کا ثابت کرتا ہے۔

۲۔ تقدم زمانی کے لحاظ سے قصیدۂ بردہ کا دوسرا منظوم ترجمہ "قصیدۂ بردہ سعید ترجمہ مفید" ہے۔ یہ ترجمہ بھی قصیدہ ہی کے فارم (ہیئت) میں لکھا گیا ہے۔ اس کی ردیف "رے" ہے اس لئے عربی محاورے کے لحاظ سے یہ "قصیدۂ رائیہ" کہلائے گا۔ اس منظوم ترجمے کے شاعر صوبہ مہاراشٹر میں ضلع پربھنی کے متوطن مولوی عبدالرحمٰن مفید صاحب ہیں۔۔ یہ ضلع بڑا مردم خیز ہے اور ادب کی نشو و نما میں یہاں کی زمین بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ مفید نے پربھنی میں ہی اسے مکمل کیا۔ افسوس کہ شاعر کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے ان کا یہ ترجمہ نامور تاج پریس حیدر آباد سے ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا تھا۔

مفید کا ترجمہ سہل انگاری سیدھا سپاٹ انداز بیان اور غیر عالمانہ زبانی کا عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے دور از کار تشبیہات، ایہام اور ابلاغ جیسی صنائع سے معنی و مفہوم کو خبط ہونے سے بچایا

ہے۔ گنجلک تراکیب لفظی سے بھی انہوں نے پرہیز کیا۔ علمیت کی چھاپ ڈالنے کے لئے انہوں نے عالمانہ زبانی استعمال نہیں کی پھر بھی بندش الفاظ نہایت مترنم استعمال کئے ہیں۔ اگرچہ ترجمہ اصل کے بالمقابل ثانوی حیثیت ہی کا حامل ہوتا ہے لیکن مفید کے ترجمے کی روانی قاری کو اصل کا مزا دیتی ہے بوصیری کے قصیدے کے پہلے دو اشعار کا رواں دواں ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

امن تذکر جیران بذی سلم	یاران ذی سلم کی کیا یاد نے نگار
مزجت دمعا جرای من مقلة بدم	آلودہ خون دل میں ہیں جو آنسوؤں کے تار
ام ھبت الریح من تلقاء کاظمة	یا کاظمہ سے آتے ہیں جھونکے نسیم کے
او اومض البرق فی الظلماء من اضم	کوہ ضم سے برق ہے ظلمت میں آشکار

(مفید)

شاعر نے بعض مؤثر اور زود اثر صنائع لفظی و معنوی کا استعمال کیا ہے جس سے "ترجمہ پن" کی گرانباری کم ہو کر شعری حسن و معنوی وسعت میں اضافہ ہوا ہے۔ مفید نے بوصیری کے شعری محاسن کو جوں کے توں اپنے اشعار میں ڈھالنے کا جتن بھی کیا ہے۔ ساتھ ہی اردو مزاج کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔

جاء ت لدعوته الاشجار ساجدة
تمشی الیه علی ساق بلاء قدم

کا ترجمہ انہوں نے اس طرح کیا ہے۔

اشجار حکم پاتے ہی سجدہ کناں بڑھے
بے پاؤں ہوگئے وہ رواں سوئے شہر یار

بلا قدم کا ترجمہ مفید نے بے پاؤں کیا ہے۔ بے پاؤں چلنا تعمیل حکم میں مستعدی دکھانے کا محاورہ ہے۔ اس اردو محاورے کو عین عربی کے مطابق مفید نے استعمال کیا ہے۔ پھر ایک اور لفظ "بڑھے" کا استعمال انہوں نے ایہام کے پردے میں کیا ہے جس سے یہ لفظ ذو معنی ہوگیا ہے۔ ایک معنی میں بڑھنے سے مراد "آگے آنا/چلنا" ہے اور دوسرے معنی میں بڑھنا یعنی "پروان چڑھنا" بھی ہوتے ہیں۔ بوصیری کے یہاں "اشجار" (جمع کا صیغہ) کا جہاں استعمال ہوا ہے اس کے لئے اشرف نے "جھاڑ" (واحد کا صیغہ) کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بوصیری نے "بلا قدم" درخت کی صفت بتائی تھی لیکن اشرف نے اسے "بے زباں" سے بدل دیا۔ اگرچہ بہ ایں صورت شعر کے معنی واضح ہو جاتے ہیں لیکن ترجمہ کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اشرف نے بوصیری کے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

آپؐ کے فرمان سے آیا جھاڑ چل کر دور سے

بے جا لایا وہ سجدہ سامنے آ بے زباں

مفید نے بوصیری کے شعر

فروعها من بديع الخط فی اللقم

مثل الغمامة انى سار سائرة

کو معنوی لحاظ سے اوپر والے شعر سے مربوط کر دیا ہے۔ اور آپؐ پر بادلوں کے سایہ فگن رہنے کی مستقل روایت کو شجر کے چلنے والی روایت سے جوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے شعر کے معنی میں جھول پیدا ہو گیا ہے اور روایت میں انحراف کی وجہ سے روح نعت مجروح ہو گئی۔ مفید نے اس شعر کا ترجمہ اس طرح کیا۔

مانند ابر سایہ فگن تھے حضورؐ پر

تا ہو نہ سخت دھوپ کی گرمی سے اضطرار

اشجار والے شعر سے مربوط بتانے کی وجہ سے اب معنی کچھ اس طرح ہوں گے۔ شجر جو آپ کے حکم سے چل کر آتے تھے مانند ابر آپؐ پر سایہ فگن رہتے تھے یہاں دو مستقل علاحدہ علاحدہ روایتوں کو باہم مربوط کر دینے کی وجہ سے شعر کے معنی مفید کے یہاں خبط ہو گئے ہیں۔

قصیدۂ بردہ دس ابواب اور ایک سو پینسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ نویں فصل میں طلب مغفرت اور شفاعت رسولؐ کا بیان ہے۔ ابوصیری اس باب میں اپنی پچھلی زندگی پر حسرت کناں ہیں۔ اس ضمن میں جو اشعار آئے ہیں ان میں رقت و زاری اور شیون و افسوس ہے۔ اس لئے اس میں دل سوزی اور دل گرفتگی کے جذبات کی عکاسی ہوئی ہے۔ ترجمہ کے اشعار میں ان جذبات کو آئینہ دکھانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے لیکن مفید نے اس باب کے تمام اشعار میں وہی رقت وزاری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے معاصی اور گناہوں پر اظہار تاسّف اور طلب مغفرت میں جتنا تضرّع ان کے یہاں ہے شفاعت رسولؐ کی امید اس سے کچھ زیادہ ہی دکھائی دیتی ہے مفید فرماتے ہیں۔

تعریف میں امیروں کی گزری تمام عمر ۔۔۔ نا اہلوں پر کئے در شعر و سخن نثار

ہوتی تھی صرف خدمت شاہی میں زندگی ۔۔۔ جن خدمتوں کا محض خوشامد پہ تھا مدار

لکھی ہے اس امید پہ اب نعت مصطفیٰؐ ۔۔۔ ہو سر فراز عفو معاصی سے خاکسار

مفید کے یہ اشعار ابوصیری کے اشعار کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔ اشعار میں ایسی مطابقت ان کے کامل الفن ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

۳۔ادھر آزادی کے بعد پاکستان میں مذہبی شاعری کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کی محفلیں ہر سو سجائی جاتی ہیں اور مجالس میلاد کا بھی خاصا اہتمام کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اردو میں نعتیہ شاعری کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ایسے مذہبی ادبی ماحول میں فروغ احمد نے قصیدۂ بردہ کا منظوم ترجمہ "نوائے بردہ" کے عنوان سے کیا جو ۱۹۷۵ء میں ادب اسلامی پبلیکیشنز لاہور کے زیر اہتمام نہایت آب و تاب سے شائع ہوا۔ فروغ احمد نے اولاً اس کا نام "تمغۂ ایمان" رکھا تھا لیکن مواد کے گم ہو جانے کی وجہ سے از سرِ نو ترتیب دے کر اس کا نام "نوائے بردہ" رکھا۔ اس ترجمہ کے لئے انہوں نے حفیظ جالندھری کے "شاہنامہ اسلام" کی بحر استعمال کی۔ یہ ترجمہ قصیدے کی ہیئت میں نہیں ہے بلکہ فروغ احمد نے اسے مثنوی کا پیرایہ عطا کیا ہے۔ ہر شعر میں مختلف ردیف و قافیہ ہونے کی وجہ سے نفس مضمون کے تقاضہ کے مطابق الفاظ کا استعمال کرنے میں سہولت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اشرف اور مفید کے ترجمہ کی بہ نسبت فروغ احمد کے ترجمے میں تخیل و افکار کی وسعت کچھ زیادہ ہی دکھائی دیتی ہے۔

فروغ احمد نے عربی محاروں کی ترجمانی کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ عربی محاورے کے مطابق گھاس چرنے کی بات کو بوصیری نے باندھا ہے تو اس کی ترجمانی اردو کے مزاج کے مطابق کرنے میں فروغ احمد کو اپنے ذوق و وجدان کی کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا بالآخر انہوں نے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا۔

چراگاہ ہوس میں دل کی لازم ہے نگہبانی　　　کہ حد سے آگے بڑھ جائے نہ اس کی خوئے حیوانی

اشرف نے بوصیری کے اسی شعر کو اردو کا جامہ یوں پہنایا ہے۔

نفس کو تابع بناتا ہو عمل میں راہ وار
ناز پروردہ ہوا تو ہے عذاب جاوداں

اب اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرما کر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ نفس مضمون سے کس کا شعر قریب تر ہے۔ اردو نثر میں شعر کا مطلب ہوگا۔ "اور ذرا نفس کی دیکھ بھال اس حال میں بھی کرتے رہو جب وہ اعمال صالحہ کے انجام دینے میں منہمک ہو۔ اور اگر یہ دیکھو کہ میدان میں "چرنا" اس کو بھلا لگنے لگا ہے تو پھر اس کو اس میدان میں نہ چراؤ۔" یہاں اس نکتہ کی وضاحت میں مجھے تامل نہیں کہ شمالی ہند کی اردو میں اگرچہ محاورہ نہیں ہے لیکن اردو میں "چرنا" آج بھی محاورۃً استعمال ہوتا ہے اور یہ عین عربی محاورہ کے قریب ہے فرق صرف اتنا ہے دکنی میں چرنا طنزاً استعمال ہوتا ہے۔

بوصیری کے شعر۔

حسنت لذة للمرء قاتلة

من حیث لم یدر ان السم فی الدسم

کے متعلق فروغ احمد نے لکھا ہے کہ اس شعر میں بڑا خشک قسم کا اخلاقی درس تھا۔ کچھ تھوڑی سی صوتی تراوٹ حال رکھنے کی یوں کوشش کی ہے۔

میسر ہے اگر آسودگی رحمت میں داخل ہے

ہوس تن پروری کی ہے تو وہ زحمت میں داخل ہے

بوصیری کے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ "بسا اوقات کسی مہلک لذّت کو نفس حسین بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی ہلاکت کا سامان کہاں پوشیدہ تھا، اور یہ کہ اکثر زہر لذیذ کھانوں ہی میں ملتا ہے۔" اس نثری ترجمے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ فروغ احمد کا شعر ابوصیری کے شعر سے لگا نہیں کھاتا۔ درآنحالیکہ انہوں نے اصل مدعا کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

فروغ احمد کے ترجمہ کے بعض اشعار ندرت و شوکت اور معنی آفرینی میں یقیناً اصل سے بھی زیادہ اچھے ہوئے ہیں۔ ابوصیری کا شعر ہے۔

والکاتبین بسمر الخط ما ترکت

اقلامھم حرف جسم غیر منعجم

اس شعر میں ابوصیری نے غازیوں کے نیزوں کو قلم سے اور نیزہ بازی کو فن کتابت سے تشبیہہ دی ہے فروغ نے تمام تفصیلات کو سمیٹ کر اجمالاً یوں بیان کر دیا ہے۔

عجب کاتب تھے نیزے کا قلم جب تھام لیتے تھے

تو اس سے خاتمہ بالخیر تک وہ کام لیتے تھے

"خاتمہ بالخیر" کا جامع فقرہ (جس میں معنی آفرینی حد کمال کو پہنچی ہوئی ہے) شاعر کے تبحّر علمی اور زبان پر قدرت کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ فروغ نے بعض جگہ مصرعوں کو الٹ کر شعر میں معنوی وسعت پیدا کی ہے۔

فیا خسارة نفسی فی تجارتها

لم تشتر الدین بالدنیا ولم تسم

فروغ نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔

نہ عقبیٰ ہی ہماری ہے نہ یہ عالم ہمارا ہے

خسارے کی تجارت میں خسارہ ہی خسارہ ہے

اگر ابوصیری کے شعر کی ترکیب کے مطابق ہی فروغ ترجمہ کرتے تو اردو میں اس شعر کا حسن غارت ہو جاتا۔ اصل مفہوم کو برقرار رکھنے کے لئے شاعر نے تصرّف لفظی سے کام لے کر "ترجمہ پن" کی گرانباری کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ساتویں فصل کے آٹھویں شعر میں "رفعت" کے لئے "معراج" اور نویں فصل کے پہلے شعر میں "مدح" کے لئے "غزل گوئی" وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بعض جگہ تصرّف لفظی کا ستعمال انہوں نے غلط بھی کیا ہے۔ مثلاً ابوصیری نے "شجر" کی مناسبت سے "بلا قدم" کی مناسبت لفظی کا استعمال کیا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے لیکن فروغ نے اس کے ترجمہ میں "برہنہ پا" کی ترکیب استعمال کی ہے جو "شجر" کے لئے غیر مناسب ہے۔ مفید نے "بلا قدم" کا ترجمہ "بے پاؤں" کیا ہے جو بالکل درست ہے مگر فروغ ترجمہ کرنے میں چوک گئے۔

انہوں نے عربی زبان کا لحاظ رکھتے ہوئے "تجنیس اشتقاق" کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ جیسے

بلاغت معترض کے حرف پیش و کم کو رد کر دے
حرم سے جیسے محرم دست نا محرم کو رد کر دے

یہاں حرم، محرم اور نا محرم میں اشتقاقی ربط ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر میں "فارس" اور "فراست" کا شبہ اشتقاق ابوصیری کے شعر میں آئے لفظ "تفرس" اور "فرس" کے شبہ اشتقاق کی ہوبہو نقل ہے۔

معاً ارباب فارس پر ہوا روشن فراست سے
ڈرانے والا آخر آگیا روز قیامت سے

ان تمام نکات کے علاوہ فروغ احمد نے ترجمہ میں درپیش دیگر بہت ساری مشکلات کا برملا اظہار دیباچہ میں کر دیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت انہوں نے بارہا اپنی کاوشات برائے اظہار خیال مقتدر ادباء و شعراء کو بھی بتائی تھیں اور ان کی تجاویز پر حتیٰ الامکان عمل پیرا بھی ہوئے۔ فروغ احمد نے دیباچہ میں قصیدۂ بردہ کے دو اور منظوم متراجم کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے ایک "الشوارد الفردہ علی قصیدۃ البردہ" ہے جو کتب خانہ انصاریہ پشاور سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا۔ اس کے مترجم پروفیسر سید محمد علی ہیں۔ عبدالعزیز خالد صاحب "فارقلیط" نے فروغ احمد کو لکھے اپنے مکتوب میں اس ترجمہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ دوسرا ترجمہ "قصیدۂ بردہ منظوم" (اردو۔ فارسی) ہے۔ اس کے شاعر محمد حسین خان سیشن جج ہیں۔ یہ ترجمہ رحمانی پریس دہلی سے ۱۹۲۲ھ میں

زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ افسوس کہ یہ دونوں ترجمے میرے دسترس سے باہر تھے۔

۴۔ قصیدۂ بردہ کا چوتھا منظوم ترجمہ، "قصیدۂ بردہ شریف" (منظوم) ہے۔ یہ مطبع اعظم جاہی شاہ حیدر آباد سے شائع ہوا تھا۔ اس کے ترجمہ نگار شاعر محمد عبدالوہاب عندلیب ہیں۔ باوجود کوشش بسیار کے مجھے مفید اور عندلیب کے حالات زندگی دستیاب نہ ہوسکے۔ یہ منظوم ترجمہ اصل عربی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ عربی عبارت اوپر اور اس کے نیچے اردو ترجمہ درج ہے۔ اس لئے ترجمہ کا اصل سے مقابلہ کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ بحرِ رمل مسدّس محذوف ہیں یہ ترجمہ بڑا رواں دواں ہے۔ مترجم نے قصیدے کی جائے مثنوی کی ہیئت میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض جگہ ایک شعر کے مضمون کو شاعر نے دو اردو اشعار میں باندھا ہے تاکہ متن شعر کا پورا پورا مفہوم ترجمے میں آجائے۔

جادت الدعوته الاشجار ساجدة
تمشی الیه علی ساق بلا قدم

کا ترجمہ عندلیب نے اس طرح کیا ہے۔

جب بلایا آپ نے اشجار کو کیا یہ ممکن تھا کہ پھر انکار ہو
چل کے ساق بے قدم سے آگئے سامنے حضرت کے سجدے میں جھکے

مفید نے "بلا قدم" کو "بے پاؤں" اشرف نے "بے زباں" اور فروغ نے "برہنہ پا" باندھا ہے۔ اس لحاظ سے عندلیب اور مفید کا ترجمہ اصل سے قریب ہے اور اردو مزاج سے لگا کھاتا ہے۔ جبکہ "شجر" کو "برہنہ پائی" اور "بے زبانی" سے متصف کرنا غیر شاعرانہ اور فطرت کے خلاف ہے۔ عندلیب نے "ساق بلا قدم" کو اسی معنی میں لیکن اردو ترکیب میں باندھا ہے۔

بوصیری کے قصیدے کا تیسرا باب ذکر حبیبؐ پر مشتمل ہے۔ اس کے شعر نمبر اٹھائیس، انتیس اور تیس کا ترجمہ عندلیب نے دیکھئے کتنی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک میدانی دریا ہے جو خاموشی کے ساتھ بہہ رہا ہے۔

تازگی میں گل شرف میں آفتاب بخششوں میں بحر، ہمت میں سحاب
دبدبہ ایسا تھا حاصل آپؐ کو ساتھ جیسے لشکر جرار ہو
بات کرتے یا کبھی ہنستے اگر موتیوں کی سی جھلک آتی نظر

اشرف نے آخری شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

دو جہاں مثل صدف وہ در مکنوں آبدار
ہے دہن جوں درج پر در لعل لب گوہر فشاں

فروغ کے یہاں ترجمہ کچھ اس قسم کا ہے۔

صدف سا روئے روشن ہے تبسم اس کو کہتے ہیں
دہن موتی کا مخزن ہے تکلم اس کو کہتے ہیں

اشرف و فروغ کے درج بالا دونوں اشعار صرف الفاظ کا گورکھ دھندا ہیں جبکہ عندلیب نے اس انداز سے ترجمہ کیا ہے کہ شعر میں بوصیری کا خیال اور حدیث نبویؐ دونوں آگئے ہیں۔ صاحب ترمذی نے شمائل النبیؐ میں آپؐ کے تکلم اور تبسم کے بیان میں جو حدیث نقل کی ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہی ہے جو عندلیب کے شعر میں بیان ہوا ہے۔ بالاستیعاب اگر عندلیب کے منظوم ترجمے کو پڑھا جائے تو ان کی کہنہ مشقی اور عربی زبان پر ان کے عبور کا پتہ چلتا ہے۔

بوصیری کی طرح انہوں نے بھی طلب مغفرت اور شفاعت رسولؐ کی خاطر عقیدت و نیازمندانہ انداز میں اس قصیدے کا ترجمہ کیا ہے۔

ان چھ تراجم کے علاوہ بھی اور بہت سے منظوم تراجم ہوں گے لیکن میری بے بضاعتی اور کوتاہ دستی کہ میں انہیں حاصل نہیں کر سکا۔ بہر حال جن تراجم کی نشاندہی اس مضمون میں کر دی گئی ہے ان پر تاحال کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ فروغ احمد کے ترجمہ کی ہو سکتا ہے پاکستان میں تشہیر ہوئی ہو لیکن یہاں نعتیہ ادب پر جتنا تحقیقی کام ہوا ہے اس میں کہیں بھی ان منظوم تراجم کا تذکرہ نہیں ہے۔ پروفیسر رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور طلحہ رضوی برق کے نہایت مبسوط مقالے کتابی شکل میں آچکے ہیں لیکن اردو کے ان منظوم تراجم کو کسی نے بھی لائق التفات نہیں سمجھا۔ نعت رنگ کراچی کے چھٹے شمارے میں ایک طویل مقالہ قصیدۂ بردہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کے قلم سے صفحۂ قرطاس کی رونق بنا مگر اس میں بھی یہ گوشہ تشنہ ہی تھا۔ اب قارئین کرام کے صوابدید کے لئے یہ مقالہ پیش کر رہا ہوں۔

نعت کے نوجوان محقق غوث میاں کی مرتبہ ببلو گرافی بہ عنوان پاکستان میں مطبوعات حمد و نعت ۱۹۴۷ء۔۱۹۹۱ء مشمولہ مجلہ حضرت حسان نعت ایوارڈ مطبوعہ ۱۹۹۲ء کراچی میں قصیدۂ بردہ شریف کے مزید اردو منظوم تراجم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۱) فیاض الدین نظامی قصیدۂ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) مطبوعہ ۱۹۵۷ء کراچی
(۲) عبداللہ ہلال صدیقی قصیدۂ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) مطبوعہ ۱۹۷۰ء کراچی
(۳) درد کاکوروی (قصیدۂ بردہ شریف) منظوم ترجمہ سن ندارد کراچی
(۴) مہر عبدالحق قصیدۂ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) ۱۹۷۸ء ملتان
(۵) مبارک علی قصیدۂ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) ۱۹۸۳ء لاہور

علاوہ ازیں ڈاکٹر سید ابو الخیر کشفی نے قصیدۂ بردہ کے کچھ مفاہیم کو نظم آزاد میں پیش کیا ہے۔ جو نعت رنگ کے تیسرے شمارے میں گوشۂ سید ابوالخیر کشفی کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ (ص۔ ر)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

مصرعِ رضاؔ اور کشفی صاحب

امام احمد رضا بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے جہاں متعدد نقلی اور عقلی علوم و فنون کے ذریعہ اپنے آقا۔ آقائے نامدار، سرکار ابد قرار سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و ناموس کا دفاع اور عظمت و فضیلت کا اظہار کیا وہاں شاعری کے توسط سے بھی حضور جان نور علیہ التحیۃ والثناء کی رفعت شان کا اہتمام کرتے ہوئے شہر شہر گھر گھر اور قلب و جگر میں محبت رسالت پناہی کی شمعیں فروزاں کی ہیں۔

اپنی نعت گوئی کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ — بیجا سے ہے اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو — ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف — لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

نعت میں پاس شرع اور حسن کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیشِ جلوہ زمزمہ رضاؔ کہ یوں

امام احمد رضا کا یہ دعویٰ حقیقۃً تحدیث نعمت کا اظہار ہے۔ ان کی شاعری پر قرآنی ادب کا سایہ ہے اور ان کا ہر ہر شعر حدیث مصطفیٰ اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نور سے معمور ہے۔

یوں تو وقتاً فوقتاً ناقدین نے دعویٰ رضاؔ کو متزلزل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دعویٰ رضا جوں کا توں اٹل ہے۔ البتہ حال ہی میں زبان و ادب کے ایک استاذ، ایک ادیب و شاعر اور نقاد جناب سید ابوالخیر کشفی صاحب نے امام احمد رضا کے اس مصرع

"میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیبؐ"

کے حوالے سے متزلزل کرنے کی کوشش کی ہے۔

محترم کشفی صاحب نے اپنے ایک مضمون بعنوان "نعت کے موضوعات" مشمولہ سہ ماہی نعت رنگ، کراچی شمارہ ٦ بابت ماہ ستمبر ١٩٩٨ء میں امام احمد رضا کے اس مصرع پر گرفت کی ہے لیکن افسوس کہ جناب نے نہ تو اس مصرع کے ساتھ کا دوسرا مصرع نقل کیا ہے نہ ہی مصرع کی کوئی تشریح و توضیح کی ہے اور بہت ہی خاموشی کے ساتھ ایک واقعی قابل گرفت مصرع:

"روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو"

کے قبیل میں رکھ کر مصرع رضا کو بھی زد پر لے لیا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" کا تو یقیناً یہ مصرع صریحاً کفری ہے۔ شاعر نے صاف صاف حضور علیہ السلام کو روز جزا کا مالک کہہ دیا ہے اور اس مصرع میں کسی بھی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں چاہے اسے تنہا لکھا جائے یا اس کے دوسرے مصرع کے ساتھ۔ لیکن امام احمد رضا کے مصرع میں اس طرح کی صراحت تو موجود نہیں ہے اور اسے جانچنے کے لئے کسی تاویل کی ضرورت بھی نہیں ہے تاہم فاضل معترض کو مصرع ثانی لکھ کر اس مصرع یا پورے شعر کے قابل گرفت قرار دیئے جانے کی دلیل تو پیش کرنی چاہئے تھی۔

کشفی صاحب اس سلسلے میں اپنی بحث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہیں۔ حکم اور امر صرف اللہ کا ہے اور اللہ کے لئے ہے۔ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ روز جزا کے مالک نہیں ہیں لیکن آپ کے لئے مالک کا لفظ استعارے کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے۔ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو میرے قلب و نظر کے مالک ہیں۔" لیکن جب مالک کا لفظ لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں ؎
>
> روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو
>
> یا
>
> میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
>
> تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی۔ شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے۔ اور ان عظمتوں کا علم قرآن پاک و احادیث ختم الرسل ﷺ سے ہوتا ہے۔"
>
> (نعت رنگ، شمارہ ٦، ص ١٦)

چونکہ اس سے قبل ص ۱۸ پر کشفی صاحب نے حضور ﷺ کے مالک ہونے کے بارے میں اس

طرح اعتراف کیا ہے:

"آپ بشر تھے مگر ایسے کہ اپنی حدوں میں مالک بھی ہیں اور مختار بھی" (ص ۱۸)

لہذا ان کی اس تحریر "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہیں"

سے راقم تو یہ مراد نہیں لے گا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے مالک ہونے کا بالکل انکار کر دیا ہے لیکن

چونکہ مضمون نگار صاحب کی تحریر کا برق قابل گرفت مصرع کے ساتھ مصرع رضا پر بھی گرتا ہے لہذا

مطلب یہی نکالا جائے گا کہ مصرع رضا کو انہوں نے یہ معنی

"میں تو اللہ ہی کہوں گا کہ ہو اللہ کے حبیب"

پہنا کر اسے قابل گرفت قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

مصرع رضا کو کنڈم کرنے کے ساتھ ساتھ مضمون نگار صاحب نے امام احمد رضا کو آقائے جان

و دل علیہ السلام کی حقیقی عظمتوں اور علم و قرآن و حدیث سے بھی ناواقف قرار دینے کی کوشش کی ہے جیسا

کہ ان کی تحریر سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

اب اس سلسلے میں راقم بھی کچھ عرض کرنا چاہے گا۔

محترم ابوالخیر کشفی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک ہونے کا جس انداز میں

اعتراف کیا ہے اس سے حضور علیہ السلام کی عظمت شان اور ان سے محبت و عقیدت کا وہ اظہار نہیں ہو رہا ہے

جیسا اظہار قرآن و حدیث نے کیا ہے۔

بیشک حضور علیہ السلام بشر بھی ہیں اور عبد بھی لیکن وہ خیر البشر اور محسن اعظم انسانیت ہیں

محض اس طرح کے بشر نہیں کہ لینے والوں نے کہہ دیا کہ وہ بھی ہماری طرح ایک بشر ہیں اور ان کی عزت

صرف اتنی ہی کرنی چاہئے جتنی کہ بڑے بھائی کی۔ کافروں نے بھی یہی کہا تھا کہ کیا ہم جیسا بشر ہم کو راستہ

دکھائے گا۔

ہر مسلمان کا اس پر عقیدہ ہے کہ حضور انسان ہیں لیکن انسان کامل ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے

ہیں

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

حضور ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی۔ قرآن مقدس نے انہیں نور کہا ہے۔

"قدجاء کم من اللہ نور" (المائدہ: ۱۰)

خالق کائنات اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نور سے خلق فرما کر سارے عالم کو

انہیں کے نور سے اور انہیں کے واسطے منور و معمور فرمایا۔ حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تخلیق اول بھی ہیں اور اصل تکوین عالم بھی اور اللہ جلّ مجدہٗ کی بارگاہ کے وسیلۂ عظمیٰ بھی۔ مخلوق خداوندی کو جو کچھ ملتا ہے انہیں کے وسیلے سے ملتا ہے۔ حضورؐ ہی قاسم کنز نعمت الٰہی ہیں۔

"انما انا قاسم واللّٰہ یعطی"

رب عظیم نے انہیں کو اپنا محبوب اعظم اور حبیب اکبر بنایا ہے۔ ان کی اطاعت (۱) رضا (۲) اور محبت (۳) کو اپنی اطاعت رضا اور محبت فرمایا ہے۔ ان کے ہاتھ کی پھینکی ہوئی خاک کو اپنی پھینکی ہوئی خاک (۴) اور ان کے ہاتھ پر بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا ہے (۵)۔

مالک حقیقی خدائے لم یزل نے اپنی ملک اور مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک اور مال بتایا ہے اور اس طرح انہیں بھی مالک قرار دیا ہے:

۱۔ "اور انہیں برا گاان کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا" (التوبہ ۷۴)

۲۔ "اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب ہمیں دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسولؐ اور ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے۔" (التوبہ ۵۹)

یہاں اللہ عزّوجل اپنے دینے کو رسول علیہ السلام کا بھی دینا بتا رہا ہے۔ تو کیا معاذ اللہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ رسول اکرم علیہ السلام کو اپنا ساجھی اور شریک بتا رہا ہے؟ ہرگز نہیں! اس طرح اللہ اپنے حبیب اکرمؐ کی عظمت شان واضح کر رہا ہے۔

۳۔ اللہ نے اپنے محبوب رسولؐ کو خیر کثیر عطا فرمایا۔" (۶)

۴۔ اللہ نے اپنے حبیب کو اپنے قانون۔ قانون شریعت میں بھی ترمیم کا اختیار دیا۔ سونا مرد کے لئے حرام ہے لیکن سرکار علیہ السلام نے حضرت سراقہؓ کے لئے سونے کا کنگن جائز کر دیا۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ میں صحیح حدیث علیٰ شرط مسلم میں ہے۔

"ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ وہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کریں گے۔" ہر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر حضور علیہ السلام نے ان صاحب کو تین نمازیں معاف فرما دیں۔

۵۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور حضور علیہ السلام بھی عبد الٰہی ہیں لیکن معبود حقیقی اپنے بندوں کو اپنے حبیب کا بندہ قرار دے رہا ہے اور خوبی یہ کہ انہیں کی زبان سے قُل فرما کر کہلوا رہا ہے۔

---

(۱) النساء: ۸۰ (۲) الضحیٰ: ۵، البقرہ: ۱۴۴ (۳) الاحزاب: ۳۳
(۴) الانفال: ۱۷ (۵) الفتح: ۱۸ (۶) الکوثر: ۱

"قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة"

(الزمر ۵۳)

یعنی فرمادو اے نبی علیہ السلام! اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اب یہاں عبد کو لغوی معنی پہنا کر بندوں کو بندہ ٔرسول مان کر رسول کو معبود نہیں بنایا یا بتایا گیا ہے بلکہ یہاں عبد کا عرفی معنی غلام لیا جائے گا۔

عبداللہ تو رسول علیہ السلام بھی ہیں لیکن رب اکبر اپنے بندوں کو ان کا بندہ انہیں سے کہلوا رہا ہے تو کیا معاذاللہ اللہ بھی شرک کر رہا ہے؟ یہاں بھی وہ سرکار علیہ السلام کو مالک بتا رہا ہے لیکن سرکار عرفی معنی ہی میں مالک ہیں۔

بندے بندے میں فرق ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کیا خوب فرماتے ہیں ۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ایں سراپا انتظار او منتظر

اور عبدِ مصطفیٰ ﷺ پر چڑنے اور برا ماننے والوں کے لئے امام احمد رضا اس طرح کہتے ہیں ۔

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا

رسول کونین علیہ السلام کے اختیار اُن کے مالک و آقا اور حاکم ہونے کے بارے میں مزید قرآنی ارشادات ملاحظہ ہوں:

۶۔ "رسول علیہ السلام جو کچھ بھی تمہیں عطا کریں وہ قبول کرلو اور جس چیز سے بھی منع کریں اس سے رک جاؤ۔" (الحشر: ۷)

۷۔ "تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپسی جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔" (النساء: ۶۵)

۸۔ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب تم کو بلائیں۔" (الانفال: ۲۴)

۹۔ "نبی مسلمانوں کے ان کے جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔" (الاحزاب: ۶)

علاوہ ان کے قرآن و احادیث سے سرور کونین علیہ السلام کے اختیار اور ان کے مالک و مختار ہونے پر بہت سے ارشادات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اب اگر اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ حضور علیہ السلام اللہ کے ایسے عظیم محبوب اور بااختیار رسول ہیں، کوئی انہیں بشر محض اور بے اختیار سمجھے اور یہ کہہ دے کہ:

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔"

تو کیا اسے کوئی مرد مومن یا صاحب ایمان برداشت کر سکے گا اور اگر ایسے عالم میں ایک عبد مصطفیٰ، ایک نائب رسولؐ یعنی عالم دین اور عاشق صادق رسولؐ اس کا رد کرتے ہوئے اپنے آقا۔ مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرے کہ اے میرے رسول میں تو آپ کو بے اختیار ہرگز نہیں کہہ سکتا آپ تو مالک حقیقی اللہ عزّوجل کے حبیب اکبر ہیں اور اس نے آپ کو بے پایاں اختیار عطا کیا ہے لہٰذا میں تو آپ کو مالک ہی کہوں گا تو کیا اس طرح کہہ کر امام احمد رضا نے حضور علیہ السلام کو اللہ کا مساوی کر دیا اللہ ہی کی حقیقی اختیار اور مالکیت کے حوالے سے اس کے محبوب کو مالک کہہ کر محبوب کی عظمت شان ظاہر کی اور اس سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا اور یہ اظہار اللہ ورسولؐ کی رضا کا سبب بنا؟

اب پورا شعر دیکھئے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہے گئے لفظ مالک کا ایسا محل استعمال جس کی وجہ سے اسے مالک حقیقی کا لغوی معنی قرار دے کر اس مصرع کو مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" کے قبیل میں رکھ کر قابل گرفت قرار دے دیا جائے۔

مصرع اولیٰ کے جز اول میں تو امام احمد رضا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار سمجھنے والوں کا رد کرتے ہوئے یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ وہ تو رسول کونین علیہ السلام کو مالک ہی کہیں گے اس لئے کہ عطائے کبریا سے ان کا مالک ہونا ثابت ہے۔ جز دوم میں وہ دعویٰ کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ مالک اس لئے کہوں گا کہ مالک یعنی مالک حقیقی اللہ جلّ مجدہٗ کے محبوب ہیں اور محبت میں یہ دستور ہے کہ یہاں مال و ملک کے معاملہ میں میرا تیرا نہیں ہوتا نہ دوسروں کو یہ دیکھنے اور اعتراض کرنے کا کوئی حق ہے اور اس بات کی مصرع ثانی میں یہ کہہ کر

"یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا"

امام احمد رضا نے وضاحت کر دی ہے۔

امام احمد رضا نے یہ ہرگز نہیں کہا ہے کہ "محبوب و محبّ میں 'میں اور تو نہیں' بلکہ "نہیں میرا تیرا" کہا ہے اور میرا تیرا مال و ملک ہی کے معاملے میں بولا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسی مفہوم و معنی میں کہا گیا ہے یعنی ملکیت کے معاملے میں نہ کہ رب کریم کی الوہیت کے معاملے میں۔

ہماری دنیا کا بھی تو یہی دستور ہے کہ دو چاہنے والوں کے مال و ملک کے معاملے میں ہم ایسا کہتے ہیں کہ اگر محبوب نے محبّ کی ملک میں تصرّف کر لیا تو اس میں میرا تیرا کیا ہے۔ محبّ کی ملک میں تو محبوب کو اختیار ہوتا ہی ہے۔

یہ بات بدیہی ہے کہ اللہ ہی مالک حقیقی ہے اور سب پتھ اسی کا ہے اور رسول اکرم علیہ السلام بھی اسی کے ہیں اور ایسے ہیں کہ اس کے محبوب اکبر اور حبیب اعظم ہیں۔ اس کی بارگاہ کے وسیلۂ عظمیٰ ہیں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں انھیں کے نور سے انھیں کے واسطے خالق کل نے عالم کی تخلیق فرمائی ہے۔ انہوں نے ہی مخلوق کو خالق کی معرفت عطا کی ہے انھیں کے ہاتھ سے اپنی نعمتیں تقسیم کراتا ہے، انھیں مومنین کی جان کا مالک بتایا ہے اپنے بندوں کو ان سے بھی اپنا بندہ کہلوایا ہے اور اپنی کائنات اور کل جہان کی ملک میں اختیار عطا کیا ہے اور ایسا اختیار کہ وہ قاسم جنت بھی ہیں اور شافع محشر بھی تو عرف انسانی کے مطابق انسان یا مسلمان اللہ کے حبیب کو مالک کیوں نہ کہے کہ اسی مالک کی بدولت اس کی مالک حقیقی تک رسائی ہوتی ہے۔

بہر کیف شعر بالکل صاف ہے اور مصرع اولیٰ سے کوئی ایسا گمان تک نہیں گزرتا کہ پہلا مالک لفظ مالک حقیقی کا معنی دیتا ہو۔ یہاں مالک کے وہی معنی لئے جائیں گے جو ہمارے محاورے میں ذائع و شائع ہیں یعنی عرفی معنی اور اس مالک کو استغراق حقیقی پر محمول کرنا قطعا درست نہیں بلکہ زبردستی ہے۔

اللہ کے کتنے صفاتی اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق غیر خدا کے لئے ہوتا ہے جیسے مالک، ملک، ملیک، مالک الملک، حاکم، حکیم، عزیز، عالم، علیم، سمیع وغیرہ اور ایسے موقع پر ان کے لغوی معانی نہیں بلکہ عرفی معانی ہی مراد لیتے ہیں۔ صحابہ کرام میں تقریباً ایک سو دس حضرات کے نام مالک تھے امام مالک کا نام بھی مالک اور داروغۂ جہنم کا نام بھی مالک لیکن صرف مالک لینے سے انھیں کوئی خدا نہیں سمجھ لیتا غیر خدا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح طبیب یا فلسفی کو حکیم لینے سے کسی آفیسر کو حاکم لینے سے بادشاہ کو ملک لینے سے محب و رشتہ دار کو عزیز لینے سے اور علم والے کو عالم لینے سے غیر خدا ہی سمجھا جاتا ہے حالانکہ مطلق نام مالک، ملک وغیرہ بولا جاتا ہے۔

مزید ملاحظہ ہو۔

تشبیہ اللہ کے معاملے میں کفر ہے اور تنزیہ گمراہی البتہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدۂ حق، عقیدۂ اسلام ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "لیس کمثلہ شئی انہ ھو السمیع البصیر" یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ تو یہ ہوگی کہ اللہ بھی ہماری طرح جسم والا ہے اور ہماری طرح کان اور آنکھ سے سنتا دیکھتا ہے اور یہ کفر ہے۔ اور تنزیہ یہ ہوئی کہ اللہ کو بھی چونکہ دیکھنے سننے میں بندوں سے مشابہت ہے لہذا اس سے بھی انکار کر دیا جائے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ دیکھتا سنتا ہے یہ پتھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ گمراہی ہے۔ اصل عقیدۂ اسلام یہ ہے کہ "لیس کمثلہ شئی" یہ تنزیہ ہوئی کہ اللہ کی مثل کوئی شے نہیں اور "انہ ھو السمیع البصیر" تشبیہ ہوئی اور جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا (اللہ کا) دیکھنا سننا آنکھ، کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات دیکھتا سنتا ہے، یہ نفی تشبیہ ہوئی کہ بندوں سے جو ہم

مشابہت ہو تا اس کو ختم کر دیا تو اب ماحصل نکا تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کہا تو مثل خدا مالک نہیں کہا۔ مطلب یہی ہوا کہ عطائے رب سے مالک اور اللہ حقیقی مالک کہ سب کا خالق بھی وہی اور مالک بھی وہی۔ لہذا جس طرح بندہ سمیع و بصیر لیکن اللہ کی مثال نہیں بلکہ اسی کی عطا سے اور جسم و آلہ سے اور یہ بھی اللہ ہی کی عطا ہیں۔ ایسے ہی رسول علیہ السلام بھی مالک مگر اللہ کی طرح حقیقی مالک نہیں بلکہ اسی کی ملک میں اسی کے اختیار عطا کرنے سے مالک!

لہذا ہر اعتبار سے ثابت ہوا کہ مصرع اولیٰ کا پہلا مالک لفظ لغوی معنی میں نہیں ہے اور نہ ہی مالک کہہ کر امام احمد رضا نے رسول کریم علیہ السلام کو مالکِ حقیقی یا خدا کہا ہے کہ اسے بھی "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" کے زمرے میں رکھ دیا جائے۔

کسی مصرع یا کسی شعر یا کسی کلمے و جملے کے ظاہر کو دیکھ کر قابل گرفت اس وقت قرار دیتے ہیں جب صراحۃً کفر و شرک موجود ہو ورنہ باقاعدہ تشریح و تجزیہ کیا جاتا ہے' سیاق و سباق دیکھا جاتا ہے پھر فیصلہ کیا جاتا ہے اور حکم لگایا جاتا ہے۔

مرزا محمد رفیع سودا کا یہ شعر دیکھئے۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی   نہ چھوٹی شیخ سے تسبیح زنّار سلیمانی

یہ شعر بظاہر کفری نظر آرہا ہے۔ اگر مصرع اولیٰ سے یہ مراد لیں کہ جب کفر ثابت ہو گیا تو وہ مسلمانی کا تمغا بن گیا یعنی معاذاللہ کفر ہی اسلام ہے؟ لیکن اگر تجزیہ کریں تو ایسا ہرگز نہیں۔ امام احمد رضا نے اس شعر کی تشریح کی ہے اور کفر زائل و کفر ثابت پر قرآن کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے شعر کو کفری ہونے سے بچایا ہے۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۳۱،۳۲)

محترم ابوالخیر کشفی صاحب مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" اور اسی قبیل میں امام احمد رضا کے مصرع "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" پر گرفت فرمانے کے بعد لکھتے ہیں

> "شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے۔ اور ان عظمتوں کا علم قرآن و احادیث ختم الرسل ﷺ سے ہوتا ہے۔" (نعت رنگ نمبر ۶ ص ۱۹)

گویا ایسا کہہ کر کشفی صاحب نے اس شاعر کو کہ جس کا یہ مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" ہے اور امام احمد رضا اور اس طرح کے شعراء کو سرکار علیہ السلام کی حقیقی عظمت اور قرآن و حدیث کے علوم سے بے بہرہ سمجھ لیا۔

یااللہ! جس امام احمد رضا کی حیات کا لمحہ لمحہ فقہ و حدیث کی توضیح و تشریح اور رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی عصمت وناموس اور عظمت کی دفاع اور انہیں اجاگر کرنے نیز دلوں میں شمع عشق مصطفویؐ فروزاں کرنے میں گزرا ہو' جس کی فقاہت وتبحّر علمی کے آگے عرب وعجم کے علماء ومشائخ نے عقیدت کی جبینیں خم کی ہوں۔ جسے اپنا امام وپیشوا تسلیم کیا ہو' عقلی علوم وفنون کے علاوہ نقلی اور دینی علوم وفنون فقہ' حدیث' تفسیر' عقائد وکلام وغیرہ پر جس کی سیکڑوں کتابیں موجود ہوں' جس کو ان کے سخت مخالف مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (۲) نے عاشق رسولؐ تسلیم کیا ہو' جسے ڈاکٹر اقبالؔ (۳) نے اپنے دور کا امام اعظم بتایا ہو' ایسے متبحّر عالم اور فقیہہ اور عاشق رسول کو سرکار علیہ السلام کی حقیقی عظمتوں اور قرآن وحدیث سے بے بہرہ سمجھ لیا جائے یا ایسے ہی بے بہرہ لوگوں کی صف میں شامل کر دیا جائے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟

اپنے مضمون کے آخر میں جناب ابوالخیر کشفی صاحب یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :

"اپنے آپ کو حسانؓ اور کعبؓ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعویٰ کرنے کی جگہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر نعت کے آداب کا سبق لینا ہے۔ صحابہ کرام کے انداز کی شاعری اسی وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہو جائیں۔ صحابہ کرامؓ سے نعت گوئی کے آداب جس طرح سعدیؔ اور جامیؔ و قدسیؔ اور اقبالؔ و ظفر علی خاں نے سیکھے' اسے سامنے رکھ کر ہی سفینۂ نعت آگے اور آگے گہرے پانیوں میں سفر کر سکتا ہے۔"

(نعت رنگ شمارہ ۶' ص ۲۱)

خود کو حسان اور کعب رضی اللہ عنہم جس نے کہا ہو وہ تو وہ جانے یا اس کے بارے میں محترم کشفی صاحب جانتے ہوں گے۔ امام احمد رضا نے تو خود کو اس طرح کہا ہے ؎

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں　　　کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسان عرب

یقیناً بوصیری' سعدی' جامی اور قدسی رحمتہ اللہ علیہم عاشق رسولؐ اور جہان نعت گوئی کے امام و پیشوا ہیں لیکن امام احمد رضا نے بھی انہیں حضرات کی طرح صحابہ کرام سے نعت گوئی کے آداب سیکھے ہیں۔

ڈاکٹر اقبالؔ اور مولوی ظفر علی خاں نے بھی اپنے کلام کے توسط سے سرکار ابد قرار علیہ السلام کی عظمت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور خوب خوب نعتیں کہی ہیں لیکن ان حضرات کے ہاں جو شرعی خامیاں ہیں ان کی نشاندہی بھی کرنے والوں نے کی ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید صاحب لکھتے ہیں "اقبالؔ کے ہاں نعت کے عنوان سے کوئی نظم نہیں۔ ان کی

---

(۱) امام احمد رضا اور عالم اسلام از ڈاکٹر محمد مسعود احمد' کراچی (۲)(۳) مقالات یوم رضا حصہ اول

ابتدائی شاعری میں ایک روایتی انداز کی نعت ضرور نظر آتی ہے جسے انہوں نے اپنے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں کیا۔ اس کا مطلع ہے:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

بقول ممتاز حسن: "اس قسم کی نعت گوئی حد ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے دین کے دائرے سے بھی باہر ہے۔" (اردو میں نعت گوئی ص ۲۷ ۴)

لیکن اس کے فوراً بعد پھر لکھتے ہیں "اقبال کا مندرجہ بالا شعر بھی روایتی نعت کا نمونہ ہے۔ اور ابتدائی کلام ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیئے جانے کے لائق ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے اپنے مرتّب کردہ مجموعے میں جگہ نہیں دی۔" (اردو میں نعت گوئی ص ۲۷ ۴)

ممتاز حسن صاحب نے آخر میں جو کہا ہے راقم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا صرف عرض یہ ہے کہ اقبال صاحب کے ہاں زبردست شرعی خامی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یثرب لکھنا بھی ممنوع ہے لیکن یہ کفر کے درجہ پر نہیں پہنچا تا لہٰذا اس پر کچھ بھی نہیں کہتا۔ راقم اقبال کو مرد مومن اور عاشق رسولؐ مانتا ہے اور ان کی بڑی عزت ہے اس کے دل میں لیکن غلطی ان سے بھی ہوئی ہے اور پھر بقول کشفی صاحب انہیں کس طرح صحابہ کرامؓ سے آداب نعت گوئی سیکھنے والوں میں مان لیا جائے؟

اقبال صاحب کی منقبت جو انہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں کہی ہے، میں ایک شعر یہ بھی ہے:

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

یہاں پر انبیاء کی شان میں صریح گستاخی ہے اور صرف ایک نبی کی شان میں گستاخی سارے انبیاء کی گستاخی مانی گئی ہے اب ایسے عالم میں اقبال پر کیا شرعی حکم عائد ہوتا ہے "محترم کشفی صاحب فرمائیں؟

مولوی ظفر علی خاں صاحب نے یثرب کا بھی استعمال کیا ہے لیکن وہ صرف ممنوع ہے اور ایک بار کہنے پر دس بار مدینہ طیبہ کہنا چاہئے لہٰذا اس پر بحث نہیں لیکن اب انہیں کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

ظفر علی خاں صاحب کے اس شعر اور اسی طرح کے چند اور اشعار کو لیکر جناب رشید وارثی صاحب نے اچھی بحث کی ہے اور قرآن و احادیث اور علماء و اولیاء کے اقوال و مشاہدات کی روشنی میں فیصلہ دیا ہے: "واقف اسرار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے حال سے بے خبر سمجھنا سخت لاعلمی اور بدعقیدگی ہے۔ جس سے تمام اعمال برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔" (نعت رنگ کراچی شمارہ ۱ ص ۱۸۱)

اب فیصلہ کشفی صاحب پر ہے کہ کیا بوصیری و سعدی وغیرہ کی طرح ظفر علی خاں صاحب نے بھی صحابہ کرامؓ سے آداب نعت گوئی سیکھے ہیں؟

نعت کے ضمن میں جس طرح اس بات پر گرفت لازمی ہے کہ کہیں شاعر نے غلو سے کام لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی مرتبہ پر نہ پہنچادیا ہو اسی طرح یہ بھی دیکھنا لازمی ہے کہ کہیں تنقیص کرتے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر محض گردان کر ان کو ان کے مقام رفیع سے تو نہیں گھٹادیا ہے۔ کہیں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو جائے نبی کے ایلچی کہہ کر 'بڑا بھائی' بتاکر یا قاسم نعمت الٰہی کے جائے بے اختیار بتاکر یا شافع محشر کے جائے یہ کہہ کر کہ محمد تو اپنی بیٹی فاطمہ کی شفاعت بھی نہیں کراسکتے وغیرہ وغیرہ۔

نعت نگار، محققِ نعت اور نعت کے ناقد ہر ایک کے لئے رسول کونینؐ کو

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

تسلیم کرتے ہوئے ان سے محبت بھی لازمی ہے اور زبان و ادب میں مہارت کے ساتھ ساتھ دینی علوم بالخصوص فقہ و حدیث، تفسیر اور عقائد و کلام سے کُلّی واقفیت بھی لازمی ہے۔ ہاں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو عالم و فاضل ہونے کے باوجود بھی گستاخی مصطفیؐ کے مرتکب ہوئے ہیں اور آج بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ عظمت مصطفیٰ ﷺ اور عشق مصطفیٰ ﷺ سے ان کے قلوب عاری تھے۔ لہٰذا علم و عشق دونوں لازمی ہیں۔

امام احمد رضا نے رسالت والوہیت کے فرق کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا ہے۔ انھوں نے تو اپنا مسلک اس طرح واضح کیا ہے۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری   حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا   خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

کتابیات

۱۔ قرآن حکیم
۲۔ احادیث رسولؐ
۳۔ اردو میں نعت گوئی از ڈاکٹر ریاض مجید
۴۔ الملفوظ (مرتبہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں)
۵۔ امام احمد رضا اور عالم اسلام از ڈاکٹر مسعود احمد
۶۔ مقالات یوم رضا حصہ اول
۷۔ نعت رنگ شمارہ ۶ نمبر ۱

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

نعت میں طنز کی شمولیت

راقم کے ایک مضمون مشمولہ سہ ماہی نعت رنگ 'کراچی' شمارہ نمبر ۵ کے حوالے سے جناب سہیل احمد صدیقی 'کراچی' رقم طراز ہیں:

"مضمون نگار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سین ریو (Senryo) ہائیکو کی دو قسم ہے جو اپنے موجد سین ریو سے موسوم ہے اور ایسی تمام ہائیکو جن میں سماجی موضوعات خصوصاً معاشرے کی بدعنوانیوں پر کرا طنز نمایاں ہو سین ریو ہیں۔ اس عنصر کے بغیر ہائیکو کو سین ریو کا نام دینا نادانی ہے۔ براہ کرم یہ وضاحت فرمائیں کہ نعت رسول ﷺ میں طنز و مزاح کا عنصر کس طرح شامل کیا جاسکتا ہے۔"

(نعت رنگ 'کراچی' شمارہ ۶ ص ۲۴۷)

فاضل معترض اور ادب کا ہر قاری اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ عربی شاعری میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز ہجرت مدینہ کے بعد لسانی جہاد کے انداز میں اس وقت ہوا جب دشمنان اسلام کی ہجو اور بدزبانی حد سے بڑھ گئی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

"جن لوگوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے انہیں کیا چیز مانع ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہ کریں۔"

(تاریخ ادب عربی از احمد حسین زیات ترجمہ از طاہر سورتی ص ۲۶۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ بھی فرمایا کہ:

"کفار کی ہجو کرو کیونکہ انہیں اپنی ہجو تیروں کی بوچھار سے زیادہ شاق ہے۔"

(مسلم شریف)

حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرت حسان، حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے خصوصیت سے حضور ﷺ کی تعریف، توصیف کے ساتھ ساتھ کفار سے

الزمات کے جوابات بھی دیئے اور ان کی ہجو بھی کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضور اکرم ﷺ کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو اور مذمت کرتے تھے وہ تین اشخاص شمار کئے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔" (مدارج النبوۃ جلد دوم، ص ۱۰۰۸، اردو ترجمہ)

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

"آپ کے تین شعرا یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاری، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہم آپ کی طرف سے دفاع اور کفار قریش کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ قریش کے انساب کو اپنی ہجو کا موضوع بنایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ قریش کو کفر کی عار دلاتے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حرب و ضرب سے ڈرایا کرتے تھے۔" (اردو میں نعت گوئی ص ۱۲۷)

مندرجہ بالا دو معتبر اقوال اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ نعت گوئی کی ابتداء توصیف رسول علیہ السلام کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کے ہجو سے بھی ہوئی۔ صحابہ کرام بالخصوص شعرائے رسول الثقلین نے کفار و مشرکین کی ہجو کی رد کیا اور ان پر طنز کے تیر برسائے۔

فارسی اور اردو نعت نگاروں نے بھی شعرائے رسول الثقلینؐ اور صحابہ کرام کی اس سنّت پر عمل کیا اور آج بھی اس سنّت پر عمل جاری ہے۔

طنز اور ہجو کا تعلق

طنز ہجو کا ہی ایک روپ ہے۔ ہجو اور طنز دونوں کے لئے انگریزی میں Satire کا لفظ آتا ہے۔ طنز کے بھی مختلف روپ ہیں۔ نشتریت، ہرالی اظہار، تعریض، کاٹ وغیرہ۔

طنز کسی فرد واحد، کنبہ، قبیلہ، قوم، عقیدہ و مذہب، سماجی و سیاسی بگاڑ وغیرہ سب پر کیا جاسکتا ہے اور جہاں تک سماجی بدعنوانیوں پر طنز کا معاملہ ہے تو سماج مسلم ہو یا کفری یا مخلوط، ہر انسانی سماج کا تعلق حضور ﷺ سے ضرور ہوگا اس لئے کہ وہ آفاقی رسول ہیں۔ قرآن مقدس نے صاف صاف فرمادیا ہے:

"قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً" (پ ۹، رکوع ۲۰)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبیون" (متفق علیہ)

یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے مسلم سماج یا اسلامی معاشرہ کا تو اس پر کیا مسلمانوں کے جان و مال پر حضور ﷺ کی حکمرانی ہے اور مسلم سماج کے ہر بگاڑ چاہے وہ مذہب کی طرف سے آئے یعنی دین بیزاری بد عقیدگی وغیرہ یا خالص معاشرتی فساد ہو جیسے بے حیائی' عریانیت' بے پردگی' عیاشی' فحاشی' گداگری' رشوت' نشہ خوری' قمار بازی' منافرت' تعصب' ظلم و جبر' ذخیرہ اندوزی' کالا بازاری وغیرہ سب کا تعلق حضور سے اس طور دکھایا جا سکتا ہے کہ معاشرہ کی بدحالی پر طنز کرتے ہوئے اپنوں کو غیرت دلاتے ہوئے۔ اس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں فریاد کی جائے۔

معاشرتی زندگی کا بگاڑ چار نوعیتوں کا ہے۔ قرآن عظیم میں مندرج اصطلاحات کے ذریعہ اسے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حمیۃ الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح محدود حمیت و عصبیت مثلاً وطنی' علاقائی' نسلی' لسانی' طبقاتی' گروہی عصبیتیں۔

۲۔ ظن الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی افکار و نظریات اور توہمات و تصورات یعنی وہ تمام مذہبی' سیاسی' معاشرتی' تہذیبی تصورات جو غیر اسلامی فکر سے جنم لیتے ہیں۔

۳۔ تبرج الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح نمائش حسن' عریانی' آبرو باختگی اور اظہار جمال کی مختلف صورتیں۔

۴۔ حکم الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی طاغوتی قوانین یعنی کسی معاشرے کا وہ قانونی ڈھانچہ جو اپنی اصل و ہیئت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہو اور اخلاقی زندگی کا صحیح تحفظ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

راقم نے بے عملی' بے حیائی اور ظلم وغیرہ سماجی بگاڑ کا جو ذکر کیا ہے وہ سب قرآن کریم میں درج ذیل ان چاروں اصطلاحات ہی میں شامل ہیں۔

اب اپنی اس بات کی تائید میں کہ نعت میں سماجی امور و معاشرتی بگاڑ کو شامل کیا جا سکتا ہے' راقم نعت کے چند مستند اسکالروں کے اقوال پیش کرتا ہے۔

ممتاز حسین لکھتے ہیں:

"ہر کوئی موضوع وہ معاشرت و تمدن سے متعلق ہو یا معاشیات و اقتصادیات سے، تہذیب و ثقافت سے متعلق ہو یا عمرانیات و سیاست سے جسے حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے قلم بند کیا جائے نعت کا موضوع ہوگا۔" (حوالہ اردو میں نعت گوئی ص ۱۶۔ از ڈاکٹر ریاض مجید)

ڈاکٹر ریاض مجید تحریر کرتے ہیں:

"اسی طرح عمرانیات و سیاسیات اور اقتصادیات و اخلاقیات، مِلّت کی اخلاقی کجروی اور انتشار یا مغرب پرستی اور عصر حاضر کی مادّیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی گمراہی اور بد اخلاقی کو بھی نعت نگاروں نے اپنے فن کا موضوع بنایا ہے۔" (اردو میں نعت گوئی ص ۱۷)

نعت میں طنز کا انداز

شعراء نے نعت میں طنز کو کس طرح داخل کیا ہے ملاحظہ کیجئے:

۱۔ جو منکر اس کی عظمت کے ہیں شیطان مجسم ہیں — بہشتی جنتی ہیں دوستان مولد حضرت
(لطف بریلوی)

۲۔ جب دوستوں نے ان کو حیات النبیؐ کہا — جیتے جی پھر تمام بد اندیش مر گئے
۳۔ قتلِ اعدائے نبیؐ میں کام آنے کیلئے — خنجر و تیر و کماں تیغ و تبر پیدا ہوئے
(تمنّا مرادآبادی)

۴۔ کہدو یہ قادیاں کے نبی سے کہ خوش نہ ہو — دن رات شاد کام ہیں ناکامیوں میں ہم
۵۔ نبی کے بعد نبوّت کا ادعا ہو جیسے — ہر ایسے اہمل خرافات سے خدا کی پناہ
(ظفر علی خان ظفر)

۶۔ بشر اپنے جیسا کہیں یہ نبیؐ کو — یہ نبیوں کی عظمت سے گھبرانے والے
(دیدار علی شاہ)

۷۔ اب آمد نبی کا لطیفہ غلط غلط — قرآں کے بعد کوئی صحیفہ غلط غلط
(راسخ عرفانی)

۸۔ ذکر جب احمد مرسل کا زباں پر آیا — منکر ختم نبوتؐ کو کئی تیر لگے
(عبدالکریم ثمرؔ)

۹۔ نسبت ہمیں ہے احمد مختار سے اسد ہم احمدی تو ہیں پہ غلام احمدی نہیں
(اسد ملتانی)

صرف امام احمد رضا خاں بریلوی کے کلام میں بد مذہبیت، بے عملی اور رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں کے رد میں درجنوں اشعار موجود ہیں۔ چند اشعار بطور مثال پیش ہیں

۱۔ مومن ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے
۲۔ ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی
۳۔ ترا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
۴۔ دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
۵۔ مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
۶۔ رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے
۷۔ دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے شرم نبی، خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مندرجہ بالا سولہ اشعار کو محض ہجو یا مذہب سے متعلق کر کے ٹالا نہیں جا سکتا کہ یہ طنز نہیں ہیں۔ طنز کے ساتھ مزاح کی آمیزش لازمی نہیں ہے خالص طنز بھی ایک چیز ہے اور کوئی کوئی طنز ایسا بھی ہوتا ہے جس میں خود بخود مزاح کی پھلجھڑی چھوٹ جاتی ہے۔

مولوی الطاف حسین حالی کی معروف مناجات جس نے اردو نعت میں قومی و ملی مسائل کے تذکار کو رواج دیا اس شعر سے شروع ہوئی ہے۔

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اس مناجات میں حالی نے قوم کی پستی و بے عملی کا رونا رویا ہے اور سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے قوم کی پستی کا حال جس انداز میں بیان کیا ہے اس میں لطیف طنز بھی نمایاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

ڈاکٹر اقبال کے "جواب شکوہ" میں نعتیہ عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی مذہب بیزاری، بے عملی اور اخلاقی پستی وغیرہ کا بیان ہے۔ ان سب کا تعلق بہر حال اسلامی معاشرے سے ہے اور معاشرے کی بد عنوانی سے ہے اور اقبال نے جس انداز میں رب کریم سے جواب دلوایا ہے اس میں طنز بہت ہی نمایاں ہے۔ چند بند ملاحظہ کیجئے:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختارؐ؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

آخری بند کا یہ مشہور زمانہ شعر۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

میں بھی طنز لطیف موجود ہے۔ مذہب بیزار اور بے عمل مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی غلامی اور وفاداری کی زنجیر میں بندھ جانے کی تلقین بھی کرتے ہیں اور انھیں ان کی حالت کا آئینہ دکھاتے ہوئے طنز بھی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

عصر حاضر کے شعراء کے ہاں مسلم معاشرے کی بے عملی، آپسی منافرت اور قتل و غارت گری، غیروں کی پیروی، مغرب پرستی وغیرہ پر نعت میں طنز کے جلوے دیکھئے۔

۱۔ عوام بے عمل و کج ادا و کج رفتار محافظانِ وطن ہیں رہینِ لاف و گزاف
(حافظ مظہر الدین)

مظفر وارثی کی دو نظموں "دہائی" اور "خیر کی بھیک" کے یہ اشعار اور بند دیکھئے:

بھائی نے بھائی کا ہنس کے خون بہایا کیسے گوشت انسان کا انسان نے کھایا کیسے
کب ترے ساتھ اسے پیار کا ڈھب آئے گا تیرا دریائے کرم جوش پہ کب آئے گا

۳۔ تیرے کہلائیں غیروں کی بیعت کریں رہنما سازشوں کی قیادت کریں
خواہشیں ہیں پنپنے کی پروان کی جڑ مسلمان کاٹے مسلمان کی

ہر طرف وسوسے
روشنی کو ڈسے
مار تیرہ شبی یا نبی یا نبی

۴۔ مطلوب نہیں ہم کو شالین و ٹرومین کونین کا سردار ہے سردار ہمارا
(آثر صہبائی)

۵۔ اشتراکیت کے حامی کچھ تو رسوا ہو گئے
کچھ وہ اس توہین کا بھگتیں گے خمیازہ ابھی

۶۔ آج ہو بزمی نظامِ مصطفیٰ ؐ پر گر عمل
کفر و باطل کا اتر جائے گا سب غازہ ابھی

لندن و پیرس کی خونریزی سے اس کو کیا غرض
جو گلستانِ حرم کا ہے خود و سرمست ہے

اس کو بزمی لینن و ماؤ سے کیا وابستگی
جس کا دل اس محسنِ کونین سے پیوست ہے

(خالد بزمی)

اخلاق کا یہ کساد مولا
انصاف کا یہ زوال آقا ؐ

جاری ہے زیست کی رگوں میں
زہرِ سیم و زر و مال آقا

امت کو پھر عروج عطا ہو
غم سے ہے بہت نڈھال آقا

(حفیظ تائب)

آخر میں سسٹر کمیلا بدر (Sister Camilla Badr) کی ایک انگریزی نعت بعنوان "I Wonder" کا منظوم ترجمہ بہ عنوان "میں سوچتی ہوں" از آفتاب کریمی مشمولہ سہ ماہی نعت رنگ' کراچی شمارہ نمبر ۴' ص ۱۶۹ کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

"شاعرہ کہتی ہے کہ اگر حضور ﷺ اچانک آپ کے یہاں تشریف لے آئیں تو یقیناً آپ اپنی تقدیر پر ناز کریں گے لیکن کیا اس وقت آپ اپنا لباس بدل کر اسلامی لباس زیب تن کر کے حضور ﷺ کا استقبال کریں گے اور گھر میں رکھے ہوئے رسالے چھپا کر ان کی جگہ قرآن عظیم رکھ دیں گے اور ٹی۔ وی پر چلتی ہوئی بالغ مووی کہاں لے جائیں گے اور ریڈیو بھی بند کر دیں گے کہ شاید سرکار ﷺ نے کچھ نہ سنا ہو۔ کیا آپ موسیقی کے یہ سامان ہٹا کر ان کی جگہ حدیث کی کتابیں لا کر رکھ دیں گے اور جب سرکار علیہ السلام کو گھر کے اندر لے آئیں گے تو کیا آپ کی مشغولیتیں وہی رہیں گی جو روز رہتی ہیں اور وہی انداز گفتگو بھی برقرار رکھیں گے۔"

نوٹ: یہاں تک کی نظم کی بندیں خوفِ طوالت نقل نہیں کی گئیں۔ اب بقیہ تین بند برائے ملاحظہ پیش ہیں:

اور پھر فجر کے وقت
کیا آپ طلوعِ سحر سے پہلے اپنے بستر کو چھوڑ سکیں گے
اور کیا آپ وہی نغمے اپنے آپ کو سنائیں گے جو ہر دن سنتے ہیں
اور کیا آپ وہی کتابیں پڑھتے رہیں گے جو پڑھتے ہیں

اور کیا آپ اپنے عظیم رسول کو بتائیں گے
کہ آپ کی روح اور ذہن کن خیالات کی آماجگاہ ہے
اور کیا آپ اپنے ہادی اور رہنما کو ان مقامات پر لے جائیں گے
جہاں جانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے
کیا پھر آپ اپنے ارادے بدل دیں گے
دو چار دنوں کے لئے

کیا آپ اطمینان کے ساتھ سرورِ کونینؐ کی ملاقات
اپنے جگری دوستوں سے کرائیں گے
کیا آپ سوچیں گے کہ کاش وہ آپ کے ہاں نہ آئیں
جب تک سرکار کا قیام رہے
کیا آپ اس آرزو کا اظہار کر سکیں گے
کہ کاش سرکار ہمیشہ آپ کے ہاں مقیم رہیں
کیا آپ اطمینان بھرا سانس لیں گے
جب شاہِ کونینؐ کے رخصت ہونے کی گھڑی آئے گی

ذرا سوچئے
اگر سرکار آجائیں
آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے۔

اس نظم میں مسلم معاشرہ کی بے عملی پر کس قدر لطیف طنز ہے خود دیکھ سکتے ہیں!

ظاہر ہوا جب نعت میں سماج اور سماجی موضوعات پر طنز کیا جا سکتا ہے اور شاعر پوری نظم میں یا ایک شعر کے دو مصرعوں میں طنز پیش کر سکتا ہے تو شعری صلاحیت کو بروئے کار لا کر وہ ہائیکو کی تین سطروں (تیر و نشتر کے ساتھ) میں طنز کا جلوہ کیوں نہیں دکھا سکتا اور اس طرح اسے سین ریو میں بدل سکتا ہے؟

نمونہ حاضر ہے، ملاحظہ کیجئے:

تجھ کو ان سے پیار؟
تو ہے دن بھر سونے والا
اور وہ شب بیدار
(عرفان جوہری)

نہ خود کو فریب دے
ان حالتوں پہ دعویٔ عشقِ رسولؐ کا
کب تجھ کو زیب دے
(نعیم عزیزی)

تیز تیری رفتار؟
یقیناً! دیکھ کر معراج محمدؐ
جاگ سنبھل بیدار
(عرفان جبوری)

مال و دولت پہ لو مرنے والے
کیا ہوا کرتے ہیں ایسے قارون صفت
الفت شاہ میں جینے والے
(نعیم عزیزی)

تف تیرے تخت پر
بوریا نشین ہے فرمانروائے دوجہاں
تو صرف تخت پر
(عرفان جبوری)

کیا مندرجہ بالا ہائیکو میں نعت رسول علیہ السلام کے حوالے سے مسلم معاشرہ پر طنز نہیں ہے؟ جس طرح ان ہائیکو میں طنز کر کے انہیں سین ریو میں تبدیل کیا گیا ہے اسی طرح اور بھی سماجی موضوعات پر سین ریو لکھا جا سکتا ہے۔

کتابیات

۱۔ قرآن کریم
۲۔ مسلم شریف، حدیث متفق علیہ
۳۔ تاریخ ادب عربی از احمد حسین زیات
۴۔ مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۵۔ اردو میں نعت گوئی از ڈاکٹر ریاض مجید

اردو نعت اور عقیدۂ ختم نبوت

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے دن سے ہی ابلیس نے سجدے سے انکار کر کے خیر کے مقابل شر کی موجودگی کا اعلان کیا تھا اسی طرح سے ہمارے پیارے نبی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالم فانی میں موجودگی کے عرصے میں ہی مسیلمہ جیسے شیطان نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اللہ اور اس کے فرشتے ایسے شیطانوں پر ازل سے لعنت بھیجتے آئے ہیں۔ کذاب چاہے مسیلمہ ہو جو یمامہ سے اٹھے یا مرزا ہو جو قادیان سے برآمد ہو' سب قابل ملامت ابدی ہیں۔

حضور پاک ﷺ کا یہ فرمانا کہ "انا خاتم النبیین لا نبی بعدی" اس سلسلے میں ہمارے لئے فرمان آخری کا درجہ رکھتا ہے اور جو کوئی بھی اس قول فیصل کی کسی طرح بھی توہین کا مرتکب ہو وہ ہمارے لئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہی ہمارا ایمان ہے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ عہد حاضر کے اس فتنۂ عظیم یعنی قادیانیت نے مسلمانوں کی صفوں میں افتراق و انتشار کی شدید کوششیں کیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو بھٹکانے میں کامیاب بھی ہوئے۔ مگر دوسری طرف نبی آخر الزماں کے سچے شیدائیوں نے اس فتنے کو کچلنے کے لئے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہاں تک کہ ہزاروں فرزندان اسلام نے اس سلسلے میں اپنے خون کے نذرانے بھی پیش کئے۔ برصغیر پاک و ہند میں تحریک ختم نبوت کے پروانوں نے اپنی قربانیوں کی لازوال تاریخ رقم کی ہے اور جب کوئی تحریک عوام الناس میں پھیل جاتی ہے تو معاشرے کا حساس ترین طبقہ یعنی اہل قلم حضرات اس سے کس طرح پہلو تہی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بھی نثر اور نظم میں تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ یوں عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں بے شمار اشعار تخلیق ہوئے۔ جن میں علامہ اقبال' اکبر الہ آبادی' مولانا ظفر علی خاں اور شورش کاشمیری سے لے کر مظفر وارثی اور امین نقوی تک بہت سے شعراء کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خالص رزمیہ لہجے میں کذاب قادیان اور اس کے پیغام کو رد کیا گیا۔ اس تحریک کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ تمام شعراء میں عمومی طور پر نعت گوئی میں آقائے دو جہاں کے دوسرے اوصاف کے تذکرے کے ساتھ ساتھ صفت خاتم النبیین' ختم المرسلین کا تذکرہ خصوصی اہمیت حاصل کر گیا اور یوں نعتیہ شاعری میں عقیدۂ ختم نبوت پر بڑے عظیم اشعار تخلیق پا گئے۔

پہلے میں آپ کی خدمت میں وہ چند اشعار پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں خاص طور پر شعوری کاوشوں سے تخلیق کیے گئے۔ اور ان میں مرزا اور قادیانیت پر خاص طور پر لعن طعن کی گئی ہے۔

عصر من پیغمبرے ہم آفرید   آنکہ در قرآں خود را ندید
تن پرست جاہ مست و کم نگاہ   اندرونش بے نصیب از لا الہ
(اقبال)

ابھرے ہیں عیب ان کے اور خوبیاں دبی ہیں   بے دین اگر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں
اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے   اور کہہ دیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں
(اکبر الہ آبادی)

جان سکتا ہے وہی مرزائیوں کی عافیت   جس کے ہے پیش نظر حشر ثمود انجام عاد
(مولانا ظفر علی خاں)

میرا یہ لکھنا کہ ربوہ کی خلافت ہے فراڈ   خواجہ کونین کے ارشاد کی تعمیل ہے
(شورش کاشمیری)

پس از مصطفےٰ ﷺ جو کہے میں نبی ہوں   وہ جھوٹا ہے جھوٹے کو رسوا کریں گے
(امین گیلانی)

مرتد ہے وہ جو ختم نبوتؐ کا ہے منکر   کافر ہے جسے اپنی نبوت کا گماں ہو
(شبلی پانی پتی)

وہ جھوٹا نبی ہے وہ جھوٹا مجدد وہ جھوٹا ہے مہدی وہ جھوٹا مسیحا
کلام خدا کا میں سچ کہہ رہا ہوں کہ ناآشنائے آداب کیئے
(خنجر درانی)

ہزار بار بھی ابلیس قادیاں سے اٹھے   دلوں سے نقش محمد ﷺ مٹا سکو گے نہ تم
(جانباز مرزا)

جاگ اٹھے ہیں پاسبان دین ختم المرسلین   اب مٹا کر چھین لیں گے جگ سے دین قادیاں
(ازہر درانی)

جعلی بنا کے مہر نبوت وہ لائے تھے   بازار دین میں کفر کا سکہ چلا چکے
(نعیم صدیقی)

قادیانی پائے آزادی میں تھے خار مغیل   نوک سوزن سے نکالو بھائیو اس خار کو

(طالوت)

ہر مسلماں کا یہی مسلک یہی ایمان ہے — منکر ختم نبوت منکر قرآن ہے

(جامی بی اے)

منکر خاتم رسلؐ بعثت نو کا مدعی — ہے ازلی عدو میرا ایسوں سے دوستی نہیں

(شوقی)

کذاب کی علامت سچائی سے بغاوت — اک جھوٹ اک کہانی مرزا غلام احمد

(شاہین اقبال اثر)

برطانوی نبی تیری پرواز خوب ہے — دیں میں نقب لگائی ہے ایماں کو لوٹ کر

(عارف صحرائی)

بڑے کذاب ہیں یہ قادیانی — بدل لیتے ہیں آیات قرآنی

(سلطان قدیر)

شیطاں کی غلامی میں ملی جس کو نبوت — رسوائے زمانہ وہ سیاہ کار ہے مرزا

(علی اصغر چشتی)

میں تجھ کو بتاتا ہوں مرزا کی اصل کیا ہے — کرگس کا اوقات اول شاہین کا گماں آخر

(سلیم ساقی)

مندرجہ بالا تو ان بے شمار اشعار میں سے چند تھے جن میں کھلے کھلے لفظوں میں براہ راست کذاب قادیان اور اس کے مسلک کو نشانہ بنایا گیا۔ اب آیئے دوسری قسم کے کچھ اشعار دیکھتے ہیں جن میں کذاب قادیان کا نام یا قادیانیت کا ذکر نہیں ہے مگر موضوع وہی ہے اور یہ تمام اشعار ختم نبوت کے بارے میں یقین بڑھانے کی کڑی ہیں۔

وہؐ ختم المرسلین ہیں باعث اتمام نعمت ہیں — نبوت ختم ہے انؐ پر سمجھنا عین ایماں ہے

(عنایت اللہ رشیدی)

کچھ کر شبہ نہ ختم نبوت میں بھول کر — وہؐ آخری نبی ہیں صداقت قبول کر

(سید انوار ظہوری)

جو فتنہ ملت بیضا کی بنیادوں سے ٹکرائے — میرے نزدیک اس کا سر کچلنا عین ایماں ہے

(فیروز فتح آبادی)

فدا ہے جان میری عظمت ختم نبوت پر — کچل دوں گا خلاف اس کے کہیں ہو فتنہ گر پیدا

(ناشر حجازی)

تا حشر دیکھ لینا ایسا کبھی نہ ہوگا | بعد نبی ہو کوئی سچا نبی نہ ہوگا

(وزیر علی شاد)

نبی خاتمؐ پر جو سو جان سے قربان ہوتے ہیں | خدا شاہد وہی تو صاحب ایمان ہوتے ہیں

(وقار صدیقی)

مسلم نہیں جو ختم نبوت کا ہے منکر | یہ شق اب آئین وطن کی ہے رگ جاں

(عاصی کرنالی)

ختم حضورؐ پاک ﷺ پر سلسلہ رسل ہوا | قابل التفات ہی اب کوئی مفتری نہیں

(شوقی)

ختم رسلؐ کے بعد پیمبر غلط غلط | نازل ہو اب کتاب کسی پر غلط غلط

(امین گیلانی)

عظمت ختم الرسل پائندہ و تابندہ باد | ہو گیا پھر لا نبی بعدی کا پرچم بلند

(حنیف رضا)

محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہی نبوت ختم ہے لوگو | نظر اس ختم پیغمبر پہ رکھنا عین عبادت ہے

(حبیب الرحمٰن کارچوی)

ہر اک نظام ہے ناکام فتنہ در آغوش | حضورؐ آپ کے لائے ہوئے پیام کے بعد

(ابوالبیان حماد)

سلسلہ ختم نبوت کا ہوا تیرے بعد | پھر نہ لایا کوئی پیغام خدا تیرے بعد

(سجاد رضوی)

اب تک جو اشعار پیش کئے گئے وہ زیادہ تر شعوری کاوشیں تھیں جو فتنۂ قادیانیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جوابی کارروائی کے طور پر کئے گئے اقدامات کا حصہ تھیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ عقیدہ ختم نبوت تو مسلمان شعراء کے لاشعور میں جاگزیں ہے اور نعت کے اشعار کہتے ہوئے یہ عقیدہ غیر ارادی اور غیر محسوس طور پر اشعار میں جابجا جھلکتا ہے۔ اب ایسے چند شعر دیکھئے کہ جن کے بارے میں کچھ وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ یہ اشعار وہ آئینے ہیں جن میں ہر طرف عقیدۂ ختم نبوت کے عکس جھلملاتے نظر آتے ہیں۔

تو ہی تکمیل ہے نبوت کی | تو ہی معراج آدمیت ہے

(وحیدہ نسیم)

تو نبوت کے قصیدے کا مقدس مقطع | دیں کی تکمیل کا پیغام سنانے والے

(نعیم صدیقی)

بعثت خواجہؐ ہوئی بعد رسولان کرام — صفیں ہو جائیں مکمل تو امام آتا ہے

(حافظ مظہر الدین)

فتح باب نبوت پہ بے حد درود — دور ختم رسالت پہ لاکھوں سلام

(مولانا احمد رضا خاں)

آخری تاج نبوت انؐ کو پہنایا گیا — تا قیامت دیں کے رہبر ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ

(مسلم غازی)

آپ ہی پر ختم ہے پیغمبری کا سلسلہ — جس کے بعد آنا نہیں وہ پیمبر آپؐ ہیں

(نیاز سواتی)

مچی اک دھوم عالم میں محمد مصطفیٰ آئے — ہوا اتمام دیں جن پر وہ ختم الانبیاءؐ آئے

(عبدالمجید سالک)

تری ہر بات کا قصہ چلے گا — قیامت تک یہی سکہ چلے گا

(روحی کنجاہی)

ختم رسل کا مرتبہ ازل سے تجھےؐ ملا — ہیں باادب تمام پیمبر ترے حضور

(حفیظ تائب)

سلام اس پر کہ بعد اس کے نہ آئے گا نبی کوئی — نہ اس سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا نبی کوئی

(حافظ لدھیانوی)

خدا کا دنیا کی سمت پیغام آخری اور دلنشیں بھی
یہ ایک آواز جو زمانوں کی ترجماں دہر آفریں بھی

(جعفر طاہر)

ترے وجود پہ فہرست انبیاء ہے تمام — تجھی پہ ختم ہے روح الامیں کی نامہ بری

(احسان دانش)

تجھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی — اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

سورج کو جس کے جسم کا سایہ نہیں ملے — یہ وصف حق کے آخری پیغامبر میں ہے

(برگ یوسفی)

کیا ہے خاتم پیغمبراں انہیں رب نے انہیں پہ ختم ہوا سلسلہ رسالت کا

(سکندر لکھنوی)

وہ کہ ایوان رسالت کی ہیں خشت آخری
خاتم ختم نبوت کے نگیں ختم الرسل

(یزدانی جالندھری)

کوئی ان کے بعد نبی ہوا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود ہی تو کہہ دیا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(حنیف اسعدی)

آخر میں حضور ﷺ کی صفت ختم المرسلین کے بارے میں غیر مسلم شاعروں کے چند اشعار درج کر رہا ہوں جو مرزائیت یا قادیانیت میں غرق افراد کے لئے ایسے آئینے کا کام دے سکتے ہیں جو ان کے مکروہ عقائد کو ان کے سامنے واضح کر سکیں۔ شاید اسے پڑھ کر کسی کو کوئی خیال آجائے۔ بہر حال اشعار حاضر ہیں۔

شان معراج سے بس یہ عقدہ کھلا مرکز عشق ہیں خاتم الانبیاء

(بھگوان داس بھگوان)

یہ وہ ذات مقدس ہے رسالت ختم ہے جن پر ہوا ہے اور نہ ہو گا اب کوئی ہمسر محمد ﷺ کا

(پیارے لعل رونق دہلوی)

مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلین ﷺ آیا سحاب رحم بن کر رحمۃ للعالمین ﷺ آیا

(جگن ناتھ آزاد)

رفاقت علی شاہد

"گلزارِ نعت" ـــــ ایک نایاب نعتیہ گلدستہ

انیسویں صدی عیسوی میں کثیر تعداد میں اردو گلدستے شائع ہوتے رہے۔ متحدہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں سے کوئی اردو گلدستہ نہ نکلتا رہا ہو۔ تواریخ صحافت اور دیگر ذرائع میں سیکڑوں گلدستوں کا ذکر موجود ہے۔ اس کے باوجود بعض ایسے گلدستوں کے شواہد مل جاتے ہیں جن کا تذکرہ تواریخ صحافت و ادب میں موجود نہیں۔ ان میں سے بعض کے بارے میں شواہد ان اشتہارات سے حاصل ہوتے ہیں جو قدیم اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ خود گلدستوں میں دیگر گلدستوں کے اشتہار بھی شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ گلدستے مکمل یا نامکمل صورت میں ہم دست ہو جاتے ہیں جس سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے اور تاریخ ادب و صحافت میں قیمتی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے۔

زیرِ نظر گلدستہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس کے بارے میں بڑی ناقص معلومات ملتی ہیں۔ خوش قسمتی سے اس گلدستے کے دو شمارے دستیاب ہوئے ہیں جن کی مدد سے اس گلدستے اور اس کے متعلقات کے بارے میں مزید اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں انھی معلومات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیرِ نظر گلدستے کا نام "گلزارِ نعت" ہے جو سرِ ورق پر سب سے اوپر جَلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے درج ذیل دو شمارے اس وقت پیشِ نظر ہیں :

(۱) جلد دوئم، نمبر بارہ، ۳۰ جون ۱۸۹۴ء

(۲) جلد دوئم، نمبر تیرہ، ۱۵ جولائی ۱۸۹۴ء

مذکورہ شماروں میں سے شمارۂ اول (جلد دوئم نمبر بارہ) کا سرورق موجود نہیں۔ شمارۂ دوم (جلد دوئم شمارہ تیرہ) کا سرورق موجود ہے۔ موجود سرورق میں گلدستے سے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان کے مطابق یہ گلدستہ حسن پور، ضلع مراد آباد سے شائع ہوتا تھا۔ دوست محمد خان عتیق اس گلدستے کے مہتمم اور ناشر تھے اور غالباً اس کے مدیر و مرتب بھی وہی تھے۔ کیونکہ گلدستے میں کہیں بھی مدیر و مرتب کا نام درج نہیں۔ اس لیے اندازہ ہے کہ مہتمم ہی اس کے مرتب ہوں گے۔

گلدستے کی سالانہ قیمت صرف ۱۲/ (غالباً بارہ آنے) تھی۔ نمونے کا پرچہ منگانے کے لیے ۱/ (غالباً

ایک آنے) کے ٹکٹ بھجوانا لازم تھا۔ خریداری کی قیمت پیشگی وصول کی جاتی تھی۔

گلدستہ طرحی ہے۔ سرورق پر درج ہے کہ جو صاحب 'مصرع طرح عطا فرماتے ہیں' وہ ایک کمیٹی کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔ کمیٹی کی منظوری کے بعد وہ مصرع طرح آئندہ شمارے کے لیے شائع کیا جاتا اور شعراء اس مصرعے پر غزلیں کہہ کر روانہ کرتے۔

آخر میں مہتمم کا نام یوں درج ہے: "دوست محمد خاں عتیق مہتمم گلزار نعت ولطف سخن"

کلب علی خاں فائق رام پوری نے اپنے مضمون میں "گلزار نعت" کا ذکر کیا ہے (۱)۔ انہوں نے اس کے ایک شمارے کی تفصیلات مہیا کی ہیں لیکن ناقص۔ یہ جلد اول کا پانچواں شمارہ ہے مگر فائق صاحب نے اس کی تاریخ اشاعت درج نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مضمون کے آغاز میں لکھا ہے کہ:

"جو رسائل بہ قید سنین درج ہیں' وہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں راقم کی نظر سے گزر چکے ہیں۔" (۲)

یہ "گلزار نعت" کے ساتھ یہ التزام موجود نہیں۔ اس لیے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ گلدستہ فائق صاحب کی نظر سے نہیں گزرا۔

"گلزار نعت" کے سرورق پر مہتمم کے نام کے ساتھ "گلزار نعت" اور "لطف سخن" کا اندراج ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوست محمد عتیق "گلزار نعت" کے علاوہ "لطف سخن" کی اشاعت کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

"لطف سخن" بھی گلدستہ ہے۔ کلب علی خان فائق نے اس کا ذکر کیا ہے (۳)۔ لیکن محض نام کی حد تک۔ انہوں نے اس کے ذکر میں تاریخ اشاعت' حتیٰ کہ شمارہ نمبر اور جلد نمبر کا بھی ذکر نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "لطف سخن" بھی ان کی نظر سے نہیں گزر سکا۔ اس کے بارے میں معلومات انہیں بلواسطہ حاصل ہوئیں۔

اس صورت حال میں یہ مشکل پیدا ہوگئی ہے کہ فائق صاحب نے جس لطف سخن (حسن پور' مراد آباد) ذکر کیا ہے' آیا وہ "گلزار نعت" کی اشاعت کے زمانے کا ہے یا بعد کے زمانے کا؟ فائق صاحب نے اپنے مضمون میں ۱۱۴ گلدستوں کا ذکر کیا ہے جن گلدستوں کے ساتھ سنین کا التزام ہے' وہ سب انیسویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ممکن ہے اس مضمون میں مذکور گلدستے انیسویں صدی کے ہوں۔ ایسی صورت میں "لطف سخن" کا تذکرہ انیسویں صدی کے گلدستے کے طور پر ہوا ہوگا۔

"لطف سخن" بھی گلدستہ تھا۔ اس سے علم ہوتا ہے کہ دوست محمد خاں عتیق "گلزار نعت" کے علاوہ گلدستہ "لطف سخن" کے بھی مہتمم تھے۔

"لطف سخن" کا اس وقت ایک شمارہ پیش نظر ہے۔ یہ یکم جون ۱۹۲۶ء کا شمارہ ہے۔ (۴) یہ

آٹھویں جلد کا گیارہواں شمارہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "لطف سخن" کا اجراء ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ اس کے برعکس "گلزار نعت" کے سرورق پر "لطف سخن" کا نام درج ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ "گلزار نعت" کے پیش نظر شمارے کی اشاعت کے وقت بھی "لطف سخن" شائع ہورہا تھا۔ اندازہ ہے کہ بعد میں کسی وقت "لطف سخن" کی اشاعت معطل ہوگئی ہوگی اور پھر ۱۹۱۹ء میں دوبارہ اس کا اجرا ہوا ہوگا۔

مولانا امداد صابری مرحوم نے بھی "تاریخ صحافت اردو" میں "لطف سخن" کا ذکر ۱۹۱۹ء میں جاری ہونے والے رسائل میں کیا ہے (۵)۔ امداد صابری صاحب کو غالباً ۱۸۹۴ء میں شائع ہونے والے "لطف سخن" کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہوسکا اور نہ اس کے بارے میں کوئی شواہد ملے۔ ان کی تاریخ صحافت اردو میں "گلزار نعت" کا بھی ذکر نہیں۔ گویا انہیں "گلزار نعت" کا بھی کوئی شمارہ دستیاب نہ ہوسکا اور نہ "گلزار نعت" اور انیسویں صدی کے "لطف سخن" کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکیں۔

مولانا امداد صابری نے "لطف سخن" اور اس کے مہتمم کے بارے میں درج ذیل معلومات دی ہیں:

"لطف سخن: حسن پور ضلع مراد آباد سے ۱۹۱۹ء کو یہ ماہنامہ گلدستہ ظہور پذیر ہوا۔ ۲۶ صفحوں پر نکلتا تھا۔ دوست محمد عیسیٰ مرتب اور ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیا (۶) فی پرچہ ۳ آنے قیمت تھی۔ مطبع العلوم مراد آباد میں چھپتا تھا۔" (۷)

امداد صابری نے "لطف سخن" کو ماہانہ گلدستہ تحریر کیا ہے جب کہ "لطف سخن" کے قواعد اور تاریخ طبع سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ماہانہ نہیں' پندرہ روزہ گلدستہ تھا۔ امداد صابری نے غالباً اس پر غور نہیں کیا۔ "لطف سخن" کے "قواعد و ضوابط" کے تحت پہلے ہی نمبر شمار کے تحت تحریر ہے کہ:

"ہر ماہ انگریزی کی پہلی اور سولھویں کو...... حاضر ہوتا ہے۔ (۸)"

اس کے علاوہ امداد صابری مرحوم نے مرتب و مدیر کا نام "دوست محمد عیسیٰ" تحریر کیا ہے جبکہ صحیح نام "دوست محمد فیضی" ہے۔ فیضی کو "عیسیٰ" تحریر کیا جانا کتابت کی غلطی بھی ہوسکتی ہے۔

"گلزار نعت" پندرہ روزہ گلدستہ تھا۔ پیش نظر دو شمارے مسلسل ہیں اور ان کی اشاعت کی تاریخیں ۳۰ جون اور ۱۵ جولائی ۱۸۹۴ء ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ "گلزار نعت" ایک مہینے میں دو بار شائع ہوتا تھا۔

"گلزار نعت" کے پیش نظر شماروں میں سے شمارہ دوم کے سرورق پر یہ درج ہے کہ اس گلدستے میں نعتیہ کلام شائع ہوتا ہے مگر ان دونوں شماروں کے مطالعے اور تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں صرف نعتیہ کلام شائع نہیں ہوتا تھا بلکہ اسی کے ساتھ عشقیہ کلام بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

شمارہ اول میں دو مصرع ہائے طرح کے تحت چھبیس اور پھر چھ یعنی کل بتیس شاعروں کا عشقیہ طرحی کلام درج کیا گیا ہے جبکہ "نعت شریف" کا عنوان دے کر دس اور پانچ کُل پندرہ شاعروں کا نعتیہ کلام درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح پیش نظر شمارہ دوم میں طرح اول کے تحت تین اور طرح دوم کے تحت ایک شاعر یعنی چار شاعروں کا نعتیہ کلام ہے جبکہ عشقیہ کلام صرف طرح دوم کے تحت ہی درج کیا گیا ہے۔ اس میں چھبیس شاعروں کا طرحی کلام ہے۔

مندرجہ بالا شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ گلدستے کے نام "گلزار نعت" سے اگرچہ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ اس میں نعتیہ کلام شائع ہوتا ہوگا لیکن اس میں عشقیہ کلام کی اشاعت نسبتاً زیادہ تھی۔ البتہ اس کا یہ التزام قابل ذکر ہے کہ عشقیہ اور نعتیہ کلام عنوان دے کر علاحدہ علاحدہ درج کیا گیا ہے۔ نعتیہ کلام کے لیے "نعت شریف" کا عنوان دیا گیا ہے جبکہ عشقیہ کلام کے لیے کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔ اس طرح کے کلام کا اندراج مصرع طرح درج کرنے کے بعد کیا گیا ہے۔

حواشی

(۱) اردو کے طرحی رسالے، ص ۶۰ (۲) ایضاً ص ۵۲ (۳) ایضاً ص ۶۰

(۴) "لطف سخن" مراد آباد، مخزونہ کتب خانہ جامعہ پنجاب، قائد اعظم کیمپس لاہور

فہرست نمبر ۴۳۰۵ء ۸۹۱م ل ۵

(۵) تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم ص ۶۸۸ (۶) اصل = روپیہ (۷) تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم ص ۶۸۸ (۸) "لطف سخن" مراد آباد، یکم جون ۱۹۲۶ء سرورق

کتابیات

امداد صابری (مرحوم) : تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم۔ دہلی، ۱۹۸۳ء

دوست محمد خاں عتیق : (۱) "گلزار نعت" (گلدستہ) حسن پور، مراد آباد
جلد دوم نمبر ۱۲، ۱۳ : ۳۰ جون، ۱۵ جولائی ۱۸۹۴ء
(۲) "لطف سخن" (گلدستہ) حسن پور، مراد آباد
جلد نمبر ۸، شمارہ ۱۱ : یکم جون ۱۹۲۶ء
(مخزونہ کتب خانہ جامعہ پنجاب : قائد اعظم کیمپس لاہور)
(دونوں گلدستوں میں مطبع کا نام درج نہیں)

کلب علی خاں فائق رام پوری : اردو کے طرحی رسالے (مضمون)
مشمولہ "اورینٹل کالج میگزین" نومبر ۱۹۵۷ء

پروفیسر محمد اقبال جاوید

شیخ سعدی کی نعتیہ تاب وتب

(چہ وصفت کند سعدیؔ ناتمام)

بعض شاعروں کی اپنی زندگیاں شہرت و قبول کے اجالوں سے محروم رہتی ہیں مگر ان کے بعض اشعار، مصرے زبانوں پر رواں ہو جاتے، دلوں میں سما جاتے اور چرخ ہفتمیں کی رفعتوں کو چھونے لگ جاتے ہیں۔ جیسے جیسے وہ مصرے بلندیوں پر اڑتے چلے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے خالق قعر گمنامی میں اترتے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ لوگ ان عظیم شاعروں کو ڈھونڈتے اور ان کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہ جاتے ہیں کہ کس کے جگر کے خون نے ان لفظوں کی یوں آبیاری کی ہے کہ وہ کیف و نشاط بن کر روح میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض شاعر تو فی الواقع معروف اور عظیم ہوتے ہیں اور ان کی شاعری کے بعض ٹکڑے بھی مقبول و مشہور مگر یہ شعری آویزے اس تیزی سے پھیلتے بڑھتے اور آگے نکلتے ہیں کہ بسا اوقات ان کے معروف خالق بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ اپنی شخصی وجاہت، شعری عظمت اور ناصحانہ تاب وتب کے اعتبار سے ایک قابل قدر مقام کے حامل ہیں۔ ان کے بعض عربی اور فارسی اشعار آج برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم، ہر لب کی دعا، ہر دل کی تمنا اور ہر مسجد کی زینت بنے ہوئے ہیں مگر بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ اشعار شیخ سعدیؒ کے ہیں۔

بلغ العلیٰ بجمالہٖ کشف الدجیٰ جمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ

نخستین ابوبکرؓ پیر مرید عمرؓ پنجہ بر پیچ دیو مرید
خرد مند عثمانؓ شب زندہ دار چہارم علیؓ شاہ دلدل سوار

خدایا بحق بنی فاطمہؓ کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامان آل رسولؐ

پہلے قطعے سے متاثر ہو کر کہی گئی تضمینوں کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک دفتر مرتب ہو سکتا ہے اور

تیسرا ائمہ کرام کی اکثریت کی دعا کا مقطع ہوا کرتا ہے۔ بلغ العلیٰ بکمالہ ____ کے ساتھ ساتھ "نسیما جانب بطحیٰ گزر کن" اور "یا صاحب الجمال ویا سید البشر ____ "وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں" ____ "سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی ____ "سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں" ____ "خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں" ____ وہ اشعار و قطعات ہیں جو ہمارے ہاں بار بار دہرائے جاتے ہیں اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ علی الترتیب مولانا جامیؒ حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ ظفر علی خانؒ حفیظ جالندھریؒ ماہر القادریؒ اور حشر کاشمیری کے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ کے بہت سے اشعار فضائل و شمائل رسول ﷺ پر اظہار خیال کرنے والوں کیلئے سند اور دلیل کا کام دیتے ہیں مثلاً

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چند ملت بشست

خلاف پیمبرؐ کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز بر پے مصطفیٰ ﷺ

اگر یکسرِ موئے برتر پرم فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

شیخ سعدیؒ کے بارے میں ہماری اکثریت یہی جانتی ہے کہ وہ گلستان اور بوستان کے مصنف ہیں۔ گلستان اور بوستاں کیا ہے؟ اس کے بارے میں نئی پود کم و بیش نابلد ہے کیونکہ یہ پود اسلاف کے علمی، دینی اور روحانی ورثے سے کٹ گئی ہے۔ یہ بات بھی اکثریت کے علم میں نہیں کہ شیخ سعدیؒ ایک ایسے غزل گو بھی تھے جن کے قلم کی جنبشوں پر حسن مچلتا اور ایمائیت ناز کرتی تھی۔ ان کی غزلیں قامت اور قیمت دونوں اعتبار سے وقیع اور قابل قدر ہیں اور مجازی پیرایہ شوخی کی حد تک رہتا ہے۔ شکایت تک نہیں پہنچتا۔ سعدی اس لئے بھی اہم ہیں کہ انہوں نے غزل کو قصائد کی تشبیب سے الگ کر کے ایک الگ صنف سخن کے طور پر پیش کیا۔ اس اعتبار سے انہیں ایک نوع سے اولیت حاصل ہے۔

فلسفیانہ رموز حکیمانہ نکات اور متصوفانہ بصائر کے اظہار کے لئے فارسی زبان اپنے دائرہ اثر اور حلقہ تفہیم وافہام کے اعتبار سے عربی کی نسبت کہیں موزوں و مناسب ہے۔ اس لحاظ سے اردو بھی فارسی کے مقابل نہیں آسکتی کہ وہ وسعت اظہار اور تاثر کے اعتبار سے خود فارسی کی محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے جب اپنے فکر کی رفعت اور خیال کے عمق کو عام کرنا چاہا تو انہیں اردو سے کہیں زیادہ فارسی پسند آئی۔ اسی زبان نے ان کے افکار عالیہ کو آفاقیت عطا کی اور ان کا فکر برصغیر کی حدود سے نکلا اور عالم اسلام کے رگ و پے میں بادِ سحر گاہی کا نم بن کر سما گیا۔

کہ بآفاق سخن می رود از شیرازم　　　　ہر کس بنالید در ایں عہد چو من بر در دوست

سیاسی انقلابات نے سعدیؔ کے شعر و ادب میں زندگی کی بے ثباتی کا احساس پیدا کیا۔ آلام روزگار نے طبعی ذوق میں گداز ابھارا، تصوف کی چاشنی نے اس گداز کو تیر نیم کش بنا دیا۔ مذہب سے والہانہ لگاؤ نے مجاز کو عرفان و حقیقت کا آہنگ عطا کیا اور وسعت مشاہدہ نے جگ بیتی کو آپ بیتی کا تاثر دیا۔ ذاتی طور پر شیخ سعدیؔ آنسوؤں میں مسکرانے کے عادی تھے وہ زندگی کی سنگینیوں کو صبر و شکر سے توشۂ آخرت بنانے کے قائل تھے۔ ان کا رنگ شعر آج بھی نکھرا نکھرا اور اُجلا اُجلا محسوس ہوتا ہے اور کبھی کا کوئی سا غبار بھی اسے دھندلا نہیں سکا۔ یہ شگفتگی اور تازگی نتیجہ ہے اس آتش غم کا جو ان کے گوشہ ہائے خاطر میں شرارہ بار تھی۔ آگ کے بھڑکے بغیر بات بنتی ہی نہیں 'آگ جلتی ہے' تب پتھر طور بنتے ہیں۔ سعدی ہی کے شعر ہیں۔

ہر کس بناشد ایں گفتار　　عود نا سوختہ ندارد بوی

گر برسد نالۂ سعدی بکوہ　　کوہ بنالد بزبانِ صدا

غزل لطیف ترین جذبات کا خوبصورت ترین اظہار ہے۔ سعدیؔ سے پہلے غزل یا تو قصائد کی تشبیب تک محدود تھی یا نصیحتوں اور ہدایتوں کا ایک رواں دواں اظہار۔ مگر سعدی نے غزل کو اس کے حقیقی خال و خط کے ساتھ پیش کیا۔ اسے اپنی ذاتی کیفیات سے اجالا اور نکھارا، مجاز کی دلفریبیوں سے رعنائی عطا کی۔ حکیمانہ امور کو تغزّل کی ایک ایسی نشتریت کے ساتھ رقم کیا جو ایک پختہ فکر غزل گو ہی کی خصوصیت ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جدّت ادا سے فرسودہ اور پیش پا افتادہ مضامین میں بھی تازگی کی ایک لہر دوڑا دی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نکتے ابھارنے پر شیخ کا قلم اور ذہن دونوں قادر تھے۔ اشعار کے ساتھ ساتھ، سعدی کو بھی اپنی زندگی میں شہرت، قبولیت اور عظمت مل چکی تھی۔ خود انہیں اس امر کا احساس تھا کہ ان کے قلم سے گلستان کے دیباچے میں یہ سطور نکل گئی تھیں جن کا ترجمہ یوں ہے:

> "سعدی کا ذکر جمیل عام لوگوں تک پہنچ گیا ہے اور کلام کی شہرت روئے زمین پر پھیل گئی ہے۔ صاحب ذوقِ کلام سے نیشکر کے مانند شیرینی حاصل کرتے ہیں اور اس کی انشاء کے نمونے کاغذ زر کے مانند لیے ہوتے ہیں۔"

سعدی کی نعتوں میں قلبی عقیدت کے ساتھ ساتھ تغزّل کی وہ شان بھی جلوہ گر ہے جو شعر کو پر پرواز عطا کرتی ہے اور اسے اعجاز بناتی ہے۔ انہوں نے نعت کو بطور صنف سخن نہیں اپنایا۔ کچھ نعتیہ اشعار گلستان اور بوستان کی ابتداء میں ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو نعتیہ قصائد ہیں۔ یہ سرمایہ بظاہر اس قدر کم ہے کہ اس کی بنیاد پر سعدی کو باقاعدہ نعت گو شاعر قرار نہیں دیا جا سکتا مگر وہ سرمایۂ نعت اپنی علمی، شعری، قلبی اور فکری حیثیت سے اس قابل ضرور ہے کہ دیگر خصوصیات کلام کے ساتھ اسے بھی سعدی کی شاعری کا ایک وقیع رُخ قرار دیا جا سکے اور پھر ان کے بعض اشعار کی قبولیت عامہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ ان کی یہ مدحت،

بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی پا چکی ہے۔ سعدی باتوں باتوں میں جو بات پیدا کر جاتے ہیں وہ ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہے۔

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں　　　فکر بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

تاثر اور کیف کے حامل یہی وہ چند آنسو ہیں جنہوں نے سعدی کو خاصان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا نعت گو بنا دیا ہے جس کی مدحت کا انداز شستہ و شگفتہ ہے۔ ان کی قلبی شیفتگی نے اس مختصر سے سرمایۂ نعت کو شرف و قبول کی اس عظمت سے بہرہ ور کیا ہے کہ اس کے مقابل ایک عمر کا قلمی ریاض بھی ہیچ ہے۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ　　　دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

علم، معلومات کے گل کتر کر گلستاں بنا سکتا ہے، عقل بھول بھلیاں کے ایوان استوار کر سکتی ہے۔ شاعر تحقیانہ خود نمائیوں کے انبار لگا سکتا ہے مگر کوئی اہل درد اپنے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کوئی ایک مصرع ہی کہہ دے تو وہ ان شعری اور عقلی "قطار منتظرہ" پر حاوی اور بھاری ہو گا۔ الیہ یہی ہے کہ

ایک اہل درد ہی ملتا نہیں　　　ورنہ درد دل کی تدبیریں بہت

ان کی ان نعتوں کو ایک نظر دیکھنے سے جہاں ان کا فنی حسن نگاہ کو متاثر کرتا ہے وہاں ان کی نعتوں کا معنوی جمال بھی دل میں اترتا ہے۔ ان کی نعتیں سیرت رسول ﷺ کا ایک سچا عکس ہیں یہ حضور ﷺ کی فضیلتوں کا ایک ایسا انضماتی تذکرہ ہے کہ مجمل ہوتے ہوئے بھی مواد کے اعتبار سے بلیغ و معتبر ہے۔

ممدوح عظیم و جلیل (ﷺ) کے حسن صورت سے حسن سیرت تک کے بہت سے پہلوؤں کی طرف ان کی نعتوں میں اشارے ملتے ہیں۔ انبیاء کرام میں انؐ کی افضلیت سے لیکر میدان حشر میں انؐ کی شفاعت تک 'انؐ کے ناسخ ادیان ہونے سے لیکر پیکر انوار ہونے تک' عبدیت کی عرش رسائی سے لیکر جبریل کی سدرۃ المنتہائی تک' ثنائے ربانی سے لیکر زمین بوسیٔ ملائک تک' وجہ وجود کائنات سے لیکر تکمیل دین الوہی تک' موجودات عالم کی کم نصیبی سے لیکر رحمت عالمؐ کی وسعت تک' اُمّیؐ لقب کی حکمت آفرینی سے لیکر ابوالحکم کی بوجہلی تک ____ غرض علم و نظر اور جذب و شوق کی ایک شعری کہکشاں ہے کہ اس کا ہر رخ ایک نیا ہی رنگ پیش کر رہا ہے۔ عقیدت' احتیاط و ہوش کی انگلی تھام کر چلتی ہے۔ نکات سیرت' تاریخی واقعیت کا سہارا لیکر نکھرتے اور مدحت' روحانی لرزشوں سے ہم آہنگ ہو کر ابھرتی اور دل کے ویرانوں میں رنگ و نور بن کر بکھرتی چلی جاتی ہے۔ یہ مدح سرائی فنی اعتبار سے تغزل کے ایجاز سے اعجاز کے سانچے میں ڈھلتی نظر آتی ہے۔

محمدؐ کز ثنائے فضل او بر خاک ہر خاطر　　　کہ بارد قطرۂ در حال دریائے نعم گردد

نعت کہنے سے قبل اپنی بے بضاعتی اور تحیر آفرینی کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

دگر مرکب عقل را پویہ نیست | عنانش بگیرد تحیر کہ ایست
دریں بحر جز مرد داعی نرفت | گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

کسانے کہ زیں راہ برگشتہ اند | برفتند بسیار و سرگشتہ اند

اب چند اشعار دیکھئے کہ کس انداز سے علم کی گہرائی دل کے خلوص کے ساتھ مل کر شعری افق پر جگمگا رہی ہے۔

کریم السجایا جمیل الشیم | نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل، پیشوائے سبیل | امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ، خواجۂ بعث و نشر | امام الہدیٰ صدر دیوان حشر
کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست | ہمہ نورہا پرتو نور اوست
چناں گرم در تیہ قربت براند | کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند
چہ نعت پسندیدہ گویم ترا | علیک السلام اے نبی الوریٰ
درود ملک برروان تو باد | بر اصحاب و بر پیروان توباد
چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے | زقدر رفیعت بدرگاہ حے
کہ باشند مشتے گدایان خیل | بمہمان دارالسلامت طفیل
خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد | زمیں بوس قدر تو جبریل کرد
بلند آسماں پیش قدرت خجل | تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
تو اصل وجود آمدی از نخست | دگر ہرچہ موجود شد فرع تست
ندانم کدامیں سخن گویمت | کہ والا تری ز آنچہ من گویمت
ترا عزّ لولاک تمکین بس است | ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است
چہ وصفت کند سعدیؔ نا تمام | علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

درج بالا اسلام میں بعض امور محل نظر ہیں۔ غالباً ایسی ہی باتوں کے پیش نظر شبلی نے شعر العجم میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن جوزی کی شاگردی کے باوجود سعدی کے قلم سے بعض ایسی احادیث کا ذکر ہوا ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک موضوعات میں سے ہیں۔

شیخ سعدی کا وہ معروف قطعۂ نعت جس کا شروع میں ذکر کیا گیا ہے دراصل گلستان کے دیباچے سے ماخوذ ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ | کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کمال عظمت کے باعث مکان ولامکاں کی رفعتوں تک پہنچے اور یہ انہیؐ کا جمال تھا جس کی تابشوں سے کفر کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ انہیں کے جملہ خصائل وشمائل احسن واجمل ہیں۔ انؐ پر اور ان کی آل پر درود وسلام ہو۔ اس قطعے سے پہلے یہ شعر درج ہے۔

شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریمٌ قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ

اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے کہ آپؐ کی شفیع المذنبینی 'ہم عاصیوں' کا آخری آسرا ہے۔ آپؐ ہی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ہی کا اسوہ' انسانیت کی دنیاوی کامرانی اور آخروی سرخروئی کی ضمانت ہے۔ آپؐ ہی غیب کی خبریں دینے والے ہیں۔ آپ کا لطف وکرم شکستہ دلوں کی متاعِ عزیز ہے۔ آپؐ الطاف حق کے قاسم اور کمال رحمت باری کی انتہا ہیں۔ آپؐ اپنی شخصیت کے اعتبار سے حسن وجمال کی جملہ پاکیزگیوں اور خوبیوں کا دل آویز مظہر ہیں اور درج بالا قطع کے آخر میں سعدی لکھتے ہیں۔

چہ غم دیوار اُمت را کہ دارد چوں تو پشتیباں چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوحؑ کشتیباں

یعنی اب دیوار اُمت کو کوئی سا غم بھی نہیں ہے کہ آپؐ ایسے نگہبان موجود ہیں اور نہ دریا کی کسی طوفانی موج کا کوئی خوف ہے کہ آپؐ ایسے کشتی کو سنبھالنے والے "نوحؑ" موجود ہیں۔

اب سعدی کی ایک مشہور نعت دیکھئے کہ یہ نعت کم وبیش سبھی نعتیہ مجموعوں میں موجود ہے۔

عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمد ﷺ جبریل امیں خادم دربان محمد ﷺ

آں ذات خداوند کہ مخفی است بعالم پیدا و عیان است چشمان محمد ﷺ

توریت کہ بر موسیٰؑ و انجیل بر عیسیٰؑ شد محو بیک نقطہ فرمان محمد ﷺ

از بہر شفاعت چہ اولوالعزم چہ مرسل در حشر زنند دست بدامان محمد ﷺ

یک جاں چہ کند سعدی مسکین کہ دو صد جان سازیم فدائے سگ دربان محمد ﷺ

یہ نعت غنائیت اور ایمائیت کے اعتبار سے انتہائی قابل قدر ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ وہ مقام جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں وہ عرش سے بھی کہیں زیادہ رفیع وعظیم ہے گویا وہ مقام "از عرش نازک تر" ہے اور۔

پیمبرؐ کا جہاں پر آستاں ہے زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

شیخ سعدیؔ کے خیال میں جبرئیل علیہ السلام بارگاہ محمد ﷺ کے دربان وخادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو نظر نہیں آتے مگر حضور ﷺ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کیجانب سے فرستادہ 'اسی کی رحمت سے برگزیدہ اور اسی کی ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی کی محبت کو اپنی محبت قرار دیتے ہیں۔ حضور ﷺ سراج منیر ہیں اور اس کے

روشن ہوتے ہی مرسلین سابق کے سبھی صحائف منسوخ اور سبھی چراغ بجھ گئے۔ اور روز حشر اولوالعزم پیغمبر بھی دامان محمد ﷺ ہی کو تھامے ہوئے ہوں گے اور لوائے حمد ہی کے خنک سائے میں سبھی کو سکون نصیب ہوگا۔ سعدی کا کہنا ہے کہ میری تو ایک جان ہے اس کی کیا حیثیت ہے 'محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دو صد جانیں بھی ہوں تو انہیں سگ دربان محمد ﷺ پر فدا کر دیا جائے۔

سعدی کی ایک طویل حمد بھی محفوظ ہے اس میں چند اشعار نعتیہ نوعیت کے بھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

فرخندہ طالعے کہ کند یاد او خیر — برگشتہ دولتے کہ فرامش کند ترا
چندیں ہزار سکۂ پیغمبری زدند — اول بنام آدمؑ و آخر بمصطفاؐ
الہامش از جلیل و پیامش ز جبرئیل — رائش نہ از طبیعت و لطفش نہ از ہوا
در نعت او زبان فصاحت کجا رسد — خود پیش آفتاب چہ رونق دہد سہا
دانی کہ در بیان اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ — معنی چہ گفتہ اند بزرگان پارسا
یعنی وجود خواجہ سرا زخاک برکند — خورشید دیا ماہ را نبود بعد ازیں ضیا
اے برتریں مقام ملائک بر آسماں — با منصب تو زیر تریں پایۂ علا
شعرآ درم بحضرت عالیت زینہار — با وحی آسماں چہ زند سحر مفترا
یارب بدست آنکہ قمر زد دو نیم شا — تسبیح گفت در کف میمون او حصا
کافتادگان شہوت نفسیم دستگیر — ارفق لمن تجاوزا اغفر لمن عصا

اب کچھ ایسے اشعار دیکھئے جو ان کی نعتیہ غزلوں سے ماخوذ ہیں۔

ماہ فرو ماند از جمال محمد ﷺ — سرو نبا شد با عتدال محمد ﷺ
قدر فلک را کمال و منزلتے نیست — در نظر قدر باکمال محمد ﷺ
وعدۂ دیدار ہر کسی بقیامت — لیلۂ اسریٰ شب وصال محمد ﷺ
آدمؑ و نوحؑ و خلیلؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ — آمدہ مجموع در ظلال محمد ﷺ
عرصۂ گیتی مجال ہمت او نیست — روز قیامت نگر مجال محمد ﷺ
شمس و قمر بر زمین حشر نتابد — نور نتابد مگر جمال محمد ﷺ
ہمچو زمین خواہد آسمان کہ بیفتد — تا بدہد بوسہ بر نعال محمد ﷺ
شاید اگر آفتاب و ماہ نتابد — پیش دو ابروی چوں ہلال محمد ﷺ
چشم مرا تا خواب دید جمالش — خواب نمی گرد از خیال محمد ﷺ
سعدی اگر عاشقی کنی در جوانی — عشق محمد ﷺ بس است و آل محمد ﷺ

اس نعت میں حضور ﷺ کے جمال و کمال کا ذکر تاریخی حقائق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ دیکھنے والوں نے جب اس روئے انور کے بعد چاند کو دیکھا تو وہ پھیکا پھیکا لگا۔ اس قامت زیبا کو سرو سے تشبیہ دیں تو خود سرو کا قد اونچا ہو جاتا ہے اور مقام مصطفیٰ ﷺ پر سعدی شیرازی یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ ایک کو دیدار حق کے لئے قیامت کے دن کا انتظار کرنا ہے مگر حضور ﷺ کو یہ معراج زندگی ہی میں نصیب ہو گئی اور قیامت کو چاند، سورج ستارے غرض روشنی کا ہر ذریعہ ماند پڑ جائے گا مگر جمال مصطفیٰ ﷺ انوار بکھیرتا رہے گا۔ اور اس تابش انوار سے دلوں کی وادیاں بھی روشن ہوں گی اور میدان حشر بھی تاباں۔ لوائے حمد بھی آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں ہوگا جملہ انبیائے کرام اسی کے سائے میں مقیم ہوں گے۔ اس نعت میں زیارت رسول ﷺ کی سعادت کا بھی ذکر ہے کہ یہ نصیب ہو جائے تو وہ خیال اور وہ جمال قلب و نظر کا یوں احاطہ کر لیتا ہے کہ نیند بھاگ جاتی اور آنکھیں نرگس کے مانند گدائی کے کاسے بن جاتی ہیں۔ آخری شعر زردبان مجاز سے بام حقیقت تک کی کیفیات کا مظہر ہے کہ اس کائنات کا ہر حسن زوال پذیر ہے۔ مقصود اس حسن رہگذر میں کھو جانا نہیں بلکہ حسن آفرین کی عظمتوں کا اندازہ مطلوب ہے۔ اور اس وقت تک حسن آفرین تک نہیں پہنچا جا سکتا جب تک اس وجود ذی جودؐ کے قدموں تک رسائی نہ ہو جس سے خود حسن آفرین کو محبت ہے' اسی کی محبت اللہ کی محبت کی دلیل ہے اور اسی محبت کو دوام و استقرار حاصل ہے۔

سبوئے جاں میں چھلکتی ہے کیمیا کی طرح   کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰؐ کی طرح

سعدی شیرازیؒ کی ایک اور نعتیہ غزل چھوٹی بحر میں بڑی بڑی حقیقتوں کو واضح کر رہی ہے کہ حضور ﷺ کی ذات قدس اہل بینش کے لئے چراغ راہ اور مشعل ہدایت ہے۔ آپ ﷺ آئینہ کائنات کا معنی دریاب ہیں کہ آپ ﷺ پر رسالت' معرفت اور ہدایت کی جملہ رفعتیں ناز کرتی ہیں۔

اے چشم و چراغ اہل بینش   مقصود وجود آفرینش

صاحب دل "لاینام قلبی"   مہمان "ابیت عند ربی"

در وصف تو "لانبی بعدی"   خود وصف تو و زبان سعدی!

اے عرش مجید بارگاہت   وی کعبہ و قبلہ در پناہت

اے بر سر خلق سایہ تو   وی چرخ کمینہ پایۂ تو

حق یہ ہے کہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقیروں کو محتشم اور محترم بنا دیتی ہے کہ تاج و تخت ان کا طواف کرتے ہیں۔ ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوں کی ویرانی' شادابی میں بدل جاتی ہے' اسی دروازے سے علم کو وہ بینائی عطا ہوتی ہے جسے حکمت کہتے ہیں۔ سعدی کی یہ نعت انہی بصیرتوں کی آئینہ دار ہے۔

امید رحمت آرے خصوص آنرا کہ در خاطر — ثنائے سید مرسل نبیؐ محترم گردد
محمدؐ کز ثنائے فضل آد بر خاک ہر خاطر — کہ بارد قطرۂ درحال دریائے نعم گردد
چو دولت بایدم تحمید ذات مصطفیؐ گویم — کہ در دریوزہ صوفی گرد اصحاب کرم گردد
اگر تو حکمت آموزی بدیوان محمد ﷺ رد — کہ بوجہل آں بود کہ خود بدانش بوالحکم گردد
زفقر جاودانی رست و صاحب مال دنیا شد — پر آں درویش صاحبدل کزیں در محتشم گردد

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، سعدی شیرازی کی نعت گوئی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

"سعدی کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیت بیان کی سادگی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا خلوص ہے اس لیے ان کے اشعار پُر معانی، پُر سوز اور اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سبک الفاظ اور خوش آہنگ ترکیبوں سے شاعر کلام کو ترنم ریز بنا کر وجد وحال کی کیفیت مہیا کر دیتا ہے، جو سنتا ہے 'لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سعدی کے نعتیہ اشعار دلوں میں گھر کر جاتے ہیں اور حُبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل بے چین ہو جاتا ہے"

نعت تو بہر کیف شاعر کے نطق کی معراج ہے مگر سعدی کی عام شاعری کا اعتراف بھی، ہر عظیم قلم کرتا رہا ہے۔ دربار اتابکیہ کے معروف شاعر مجد ہمگر، سعدی کو یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

از سعدی مشہور سخن شعر روان جوی — کو کعبہ فضل است و دلیش چشمۂ زم زم

ہمام تبریزی ان کی شعری عظمت کا اعتراف یوں کرتا ہے۔

ہمام را سخن دلفریب و شیریں است — ولی چہ سود کہ بے چارہ نیست شیرازی

امیر خسرو کا قلم ان کی محراب عظمت میں یوں سجدہ ریز ہے۔

خسرو سرمست اندر ساغر تحی بر منت — شیرہ از خمخانہ مستی کہ در شیراز بود

اس عظیم شاعر اور قابل قدر نعت گو کا مقام پیدائش شیراز، سن پیدائش ۱۱۸۴ء اور سن وفات ۱۲۹۲ء ہے۔ امام شرف الدین بن مصلح الدین عبداللہ ہے، تکمیل علم اور حصول انوار تصوف کی خاطر آپ نے بہت سے سفر کیے۔ ۱۴ بار پا پیادہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا آپ صحیح معنوں میں گرم و سرد زمانہ چشیدہ تھے۔ آپ کے روحانی پیشواؤں میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے اسمائے گرامی آپ کی علمی وجاہت اور دینی وقعت کے سلسلے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے عظیم سلطنتوں کے طلوع و غروب کے عبرت ناک منظر دیکھے۔ خود قید وبند اور فقر و فاقہ کی صعوبتوں سے گزرے مگر صبر و شکر کو اپنایا اور دست سوال نہ پھیلایا۔ یہ آپ کی عظمت ہے کہ آپ فاقوں کے ساتھ سوئے اور آہوں کے ساتھ اٹھے مگر کسب زر کے لیے ثنا خوانی سے اجتناب کیا یہاں تک کہ اپنے قصیدوں کو بھی نصیحتوں کا مرقع اور عبرتوں کی داستان بنا دیا۔ اور آپ کے اضطراب مسلسل کو سکون و قرار کی دولت، دیار خد

اور در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی کہ یہی وہ مقام ہیں جہاں پیاپے ٹھوکریں کھانے والی سرگرداں عقل کو منزل کا حسین احساس نصیب ہوتا ہے۔ اور اس رحیم و غفور ذات کے حضور میں بھی سعدی دل کی پوری تابانیوں، سعادتوں اور بصیرتوں کے ساتھ رطب اللسان ہے جس کا حبیبؐ رحمتوں کا مظہر اور بخششوں کا وثیقہ ہے۔

کریما بہ عطائے بر حال ما | کہ ہستم اسیر کمند ہوا

برگ در ختان سبز در نظر ہوشیار | ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

مجلس تمام گشت و بآخر رسید عمر | ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

بات "چہ وصف کند سعدیٔ ناتمام" سے شروع ہوئی تھی اور "ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم" تک پہنچی ہے گویا اول و آخر عجز بیان ہی حسن بیان بنا ہوا ہے۔ سعدی شیرازی تو ایک عمر کی بات کرتے ہیں حق یہ ہے کہ خضر کی سی عمریں بھی مل جائیں، تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندروں کا پانی سیاہی ہو جائے۔ پھر بھی خالق کائنات کے اوصاف کا بیان تشنہ ہی رہے گا اور اسی طرح محبوب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف پر بھی کوئی سا قلم اور کوئی سی زبان قادر نہیں ہے۔ یہاں بھی قلم قلم اور حرف حرف، بے مائیگی کا احساس دامن گیر رہتا ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی اس جلوۂ معنی کا احاطہ نہیں کر سکتا، یہی وہ دو مقام ہیں جہاں ہر فکر رسا، آبلہ پا نظر آتی ہے۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر ۔ کرے قفس میں فراہم خس، آشیاں کے لیے

ماخذ

۱۔ کلیات سعدی۔

۲۔ ادب جدید ایران۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔

۳۔ شعراء عجم جلد ۲، ۵۔

۴۔ نقوش رسولؐ نمبر جلد ۱۰۔

۵۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق۔

۶۔ سیارہ ڈائجسٹ اولیائے کرام نمبر جلد ۲۔

۷۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ سید قاسم محمود۔

۸۔ مخزن نعت۔ مرتب پروفیسر محمد اقبال جاوید۔

۹۔ نعتیہ کلام مرتبہ منیشی محمد حسین صادق۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ

نعت میں امیر مینائی کا مجموعۂ کلام "محامد خاتم النبیین ص" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پانچ قصیدے ایک سو چوالیس نعتیہ غزلیں، تین نعتیں ایک ترجیع بند اور ایک مناجات ہے۔ لیکن قصیدے سب کے سب نعت میں نہیں ہیں۔ بلکہ تین نعت ہیں ایک حضرت علیؓ کی منقبت میں اور ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ہے۔ شروع میں ایک منظوم دیباچہ ہے جس میں اس دیوان کا سبب تالیف اس طرح بیان کیا ہے:

یہ آیا مرے دل میں اک دن خیال   کہ کب تک یہ اشغال خسراں مآل
چہل سال عمر عزیزت گذشت   مزاج تو از حال طفلی نہ گشت
کہی عاشقانہ جو اچھی غزل   نہیں ہے کوئی اس میں حسنِ عمل
وہ کر فکر جس میں کہ عقبیٰ ہو پاک   ترا اختر خت ہو تابناک
مناسب ہے فخرِ مضامینِ نعت   کہ تزئین ایماں ہے تعیین نعت

یہ دیوان امیر مینائی نے والئی رام پور نواب کلبِ علی خاں کے نام معنون کیا تھا۔ جس کا ذکر دیباچہ کے علاوہ نعتیہ قصیدے کے آخر میں بھی ہے اور اس طرح ہے:

سلامت رکھ مرے کلب علی خان بہادر کو   محمد ﷺ نام جو ہم نام ہے تیرے محمد ﷺ کا

---

(۱) رسالہ المصطفٰے حیدرآباد (سندھ) جولائی۔ اگست ۱۹۶۱ء

(۲) لیکن بڑھاپے کے متعلق نعتیہ غزلوں میں کہتے ہیں:

نہیں سمجھتے یہ جائے گا پہلے یثرب میں   امیر پیر کو طفلے جوان دیتے ہیں
چاہئے امام پیری میں نمونی اے امیر   بات کا کیا لطف جب دنداں دہن سے گر پڑے

البتہ جوانِ طبعی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

البتہ مقابل ہیں مرے مرگ و لیکن   پر فرق ہے اتنا میں جواں طبع ہوں وہ پیر

(۳) امیر دوبارہ بھی حج کرچکے تھے

شوق دل نے کی دوبارہ رہبری   آگے بھی آئے تھے اب پھر چلے

نعتیہ کلام جیسا کہ دیباچے کے اشعار میں ہے 'امیر مینائی نے چالیس (۱) کی عمر کے بعد لکھنا شروع کیا اور تینتالیس سال کی عمر میں ۱۲۸۷ھ میں مکمل کر لیا تھا۔ اس وقت تک وہ حج بھی کر چکے تھے (۲) لکھتے ہیں:

مومن و زائر و حاجی ہوں دیئے تین شرف | مکی و ہاشمی و مطلبی نے مجھ کو

امیر کا پہلا قصیدہ شہیدی کے مشہور قصیدے کی تقلید میں ہے جو اس طرح شروع ہوا تھا۔

رقم پیدا کیا' کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا | سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمدؐ کا

شہیدی نے یہ قصیدہ ۱۲۵۵ء میں لکھا تھا اور زیارت مدینہ کے وقت ان کے حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت انھیں حاصل ہوئی تھی اسی کی وجہ سے محسن کاکوروی نے بھی ایک قصیدہ اس طرح لکھا تھا۔

مٹایا لوح دل سے نقش ناموس اب و جد کا | دبستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا (۳)

بہر حال شہیدی کی تقلید میں امیر مینائی کا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

تفکرؔ امتیاز جان و جاناں میں کیا حد کا | عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا

نکہت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا ثابت | خزانہ ہے محیط اس چشمہ روح مجرد کا

کیا شبہ سمجھ میں آیے حبل الورید آیا | رگ گردن مقام خاص ہے محبوب سرمد کا

اس قصیدے کی تمہید حمد کے مضامین پر مشتمل ہے جس میں کعبۂ دل کی تجلی بار خداوندی میں آہ وزاری' قلب کی صفائی' غرور اور دولت دنیا سے بیزاری وغیرہ مضامین بھی شامل ہیں۔ پھر ایک غزل شروع کی ہے۔

خدا جانے کب آنا ہو تو چمن میں اس سہی قد کا | جا رکھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمد آمد کا

اس غزل میں لکھنؤ کی مروجہ رسوم شاعری کے مطابق رعایتیں اور مختلف صنعتیں موجود ہیں۔ مثلاً

خیال آبرو رکھتے ہیں ناحق عاشق ابرو | الف ہر چند ہے اس لفظ میں لیکن ہے بے مد کا

سیاہی سے یقیں ہے پنجۂ مژگان شپرّ ہو | جو شانہ مہر کا پنجہ ہو اس زلف مجعّد کا

امیر کی قوت اختراع نے ابرو اور آبرو کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے "الف بے مد کا" لکھا ہے اور "زلف مجعّد" کے لئے سورج کا پنجۂ مژگان شپر" بن جائے' ایک مشکل لیکن نادر استعارہ استعمال کیا ہے جو لکھنوی دبستان کی خصوصیت ہے۔ اس کے بعد رعایت معنوی شروع ہوتی ہے:

پھیکنتی چھوڑ دے اب خوشنویسی کا ہے شوق اس کو | دوات و خامہ لاؤ طاق پر رکھ دو بھری گد کا

یہ غزل پندرہ اشعار کی ہے اور اس کا انداز بس یہی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ کسی مجازی محبوب کے خدوخال کی تعریف سے کیا فائدہ؟

مگر توصیف رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل | وظیفہ تھا جو ان چیزوں میں ہوتا وصف احمد کا

گویا اس طرح نعت کی طرف گریز کیا ہے اور دوسرے مطلع میں پھر تمہید بے لکھتے ہیں:

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا — سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

اور جس تعلیل سے کام لیا گیا ہے اس تمہید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے شمائل و برکات کا ذکر ہے لیکن اندازِ بیان میں اعتدال نہیں رہا۔ مثلاً

زہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے — رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا

خوشامد کے لفظ میں لغوی معنی کی توجیہ ہو سکتی ہے لیکن احتیاط کے خلاف ضرور ہے اس تمہید کے آخر میں شہیدیؔ کی ایجاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

کی اس نے نہیں کی مدح میں توصیف حضرت میں — شہیدیؔ کو کہ موجد ہے اس آئین مجدّد کا

اس کے بعد اصل نعت میں اشعار شروع ہوتے ہیں۔

ظہور آخر ہے اول انبیا سے نور احمد ﷺ کا — بجا ہے گر لقب ہو اول و آخر محمد ﷺ کا

اس میں معجزات کا ذکر ہے اور یہ کہ مختلف پیغمبروں کی مصیبتیں حضور ﷺ کی وجہ سے دور ہوئیں پھر ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا کئے ہیں۔ مثلاً حضور کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون کو ایک قصیدے میں مختلف اسالیب میں قلم بند کیا:

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی — خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلّ خدا حضرت — جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدّد کا

تمھارا جب ڈھونڈ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا — کہ ہے رختِ سیاہ کعبہ سایہ آپؐ کے قد کا

کیا یہ پانی پانی گیسوئے مشکیں کی نجات نے — سما کر خاک میں پوشیدہ سایہ ہو گیا قد کا

کہاں ہوتا ہے جنت سے وہی اتر اعبا ہو کر — اٹھا رکھا تھا جو اللہ نے سایہ محمد ﷺ کا

لفظ محمد ﷺ سے یہ مضامین پیدا کئے ہیں:

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمد ﷺ کا — اثر میم مشدّد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا

بلاؤں سے اماں خلقت نے نام پاک سے پائی — ہے اب رہنا نہ رہنا ایک ذوالقرنین کی سد کا

ہوئے ہیں جمع امکان و قدم ذات مقدس میں — محمد ﷺ میں یہی مطلب تو ہے میم مشدّد کا

اس کے علاوہ حسن تعلیل بہت ہے جو امیر مینائی کے بلند تخیل اور عقیدت مندی کی آئینہ دار ہے۔

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم — گرا تھا تاج نورانی سے آویزہ زمرد کا

سلطنت کی جگہ درکار تو محلوں کی تھی ان کو — یہی باعث ہوا بنیاد نہ طاق زبرجد کا

قمر کو کس طرح لڑتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے — انھیں دو نقطہ زیریں کا طالب لفظ تھا ید کا

کیسی کیسی رعایت لفظی و معنی بھی ہیں۔ مثلاً

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بیداری　　کہ مخمل خواب سے واقف نہیں ہے اس کی مسند کا

شکم پر سنگ اسود اور فاقے سے شکم خالی　　ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلّد ہے محمد ﷺ کا

دکھائی قوتِ بازو کمان قرب یوں کھینچی　　کہ عالم دونوں گوشوں میں ہوا حرفِ مشدّد کا

ان خصوصیات کے علاوہ کوئی چیز ان قصیدوں میں نظر نہیں آتی یہی خصوصیات امیرؔ کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہے۔ ایک شعر میں اپنی دیوانگی ظاہر کر کے بڑی عقیدت ظاہر کی ہے۔

خدایا تو ہی منصف ہے احد سمجھا جو احمد کو　　کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا

اور عقیدت مندی پر قصیدے کو ختم کیا ہے چند اشعار یہ ہیں:

کبھی یوں شوق کامل سے درو دیوار کے بوسے　　لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی خاک مرقد کا

عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر　　نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسہ بے حد کا

نسیم لطف کا جھونکا الٰہی کوئی چل جائے　　شگفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

دوسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تگ و تاز　　وقت پر آگئے تم عمر تمہاری ہو دراز

اسی طرح تمہید میں ایک خضر یا پیر سے گفتگو شروع کی جنہوں نے مدینہ جانے کا عزم معلوم کر کے ہمت افزائی کی ہے اور وہاں پہنچنے کے لئے تائید خدا شامل حال ہے۔ پھر روضہ اطہر کی تعریف کی ہے۔

جانب قبلہ ہو جس طرح رخ قبلہ نما　　کعبۃ اللہ کا ہے اس قد کی طرف روئے نیاز

وصف روضۂ اقدس کے بعد معراج شریف کا ذکر کیا ہے اور بزم کی تعریف کی ہے۔

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور　　عود بے مجمرہ و نغمہ بے پردۂ ساز

ہم بغل شانہ سر زلف رسا سے لیکن　　نہ کوئی زلف مسلسل نہ کہیں دست دراز

وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت　　ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز

اس کے بعد پھر اصل مدح کی طرف رجوع ہے اور امیرؔ مینائی کی وہی خصوصیات پھر نظر آتی ہیں یعنی حسن تعلیل کی مثالیں بہت ہیں اور اکثر اوقات حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہ ہونے پر مضامین ہیں پھر بعض معجزات کا ذکر ہے اور جس طرح کہ پہلے قصیدے میں ہے کہ عام پیغمبروں کی مشکلات حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے کٹ گئیں اسی طرح اس قصیدے میں بھی کہا گیا ہے۔

نام حضرت کا لیا، مشکل یعقوب کٹی　　ہجر فرزند تھا ہر چند بہت صبر گداز

اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی زیارت کے شوق کو ظاہر کیا ہے اور یہ کہا ہے۔

کیا عجب ہے یہ قصیدہ جو پہنچ جائے وہاں　　شوق میں آ کے کرے مثل کبوتر پرواز

امیر کا تیسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول — دکھلا رہے ہیں باغ جناں کی بہار پھول
کتنے ہیں سرخ و سبز تو کتنے سپید و زرد — ہر رنگ میں ہیں صنعتِ پروردگار پھول

پھول کی رعایت لفظی سے امیر نے اچھے اچھے مضامین پیدا کئے ہیں۔

کثرت ہے اس قدر کہ سخی باغباں ہوا — دیتا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول
ہر گھر میں ہر مکاں میں صحرا میں کوہ میں — لے جاتی ہے اڑا کے نسیم بہار پھول

پھر آگے چل کر کہتے ہیں۔

جتنے بھی ہیں درخت، جمائے ہوئے ہیں صف — باندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول
پوچھی جو میں نے وجہ تو کہنے لگی نسیم — اس کا ہے انتظار، ہیں جس پر نثار پھول
وہ لالہ رو کہ جس سے زمانے کی ہے بہار — جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول

نہایت اچھا گریز ہے اور حقیقت ہے کہ امیر کے قصیدوں کے گریز بہت دل کش اور لطیف ہیں۔ اس قصیدے میں گو کہ ظاہری شمائل بیان کئے گئے ہیں لیکن ایسی لطافت ہے کہ آج بھی ان میں دل فریبی موجود ہے۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک — سنبل فدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول
اللہ کی دین یہ ہے کہ باتیں ہیں معجزہ — ہوتے ہیں ایک غنچے سے پیدا ہزار پھول
وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جس پہ کیجیے — سو ہزار غنچے بہتر ہزار پھول

اس قصیدے کا خاتمہ بہت اچھا ہے کیونکہ اس دعائیہ میں برجستگی کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ پتہ بھی نہیں چلنے پاتا۔

ادنیٰ یہ معجزہ تھا کہ اک چوب خشک میں — پتے لگے ہزار پھل آئے ہزار پھول
اللہ رے رعب کچھ نہ ابوجہل کی چلی — کافر کے ہاتھ پاؤں گئے مشک دار پھول
ہے دشمنوں کے حق میں چمن زار خار زار — کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں مانند خار پھول
رنگ بہار ان کو جلائے برنگ نار — تاثیر میں ہوں اختر و نبالہ دار پھول
غنچہ کی طرح آپ کے دشمن گرفتہ دل — خندہ ہوں دوست جیسے کہ روز بہار پھول

غرض اس قصیدے کی تمہید، گریز اور دعائیہ سب کچھ اچھا ہے اور اس میں امیر مینائی کے کمالات شاعری پوری طرح نمایاں ہیں۔

منقبت والا قصیدہ "تعلّی" سے شروع ہوتا ہے لیکن براعۃ الاستہلال سے ممدوح کا پتا فوراً چل جاتا ہے۔

کیونکر نہ کروں سلک معانی کو میں تسخیر — خامہ ہے مرا دست ید اللہ کی شمشیر
آئے جو تعلّی پہ مری ہمت عالی — دشوار نہیں قلعہ افلاک کی تسخیر
جو معنی روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید — سودا نہیں مجھ کو جو کروں مہر کو تسخیر

اور اس قصیدے میں بھی گریز بہت اچھا ہے ۔

سو طرح کا بخشا ہے مجھے علم خدا نے — قرآن مرا دل ہے تو ہے سینہ مرا تفسیر
روکیں جو خلائق نہ رکے میری طبیعت — پڑتی ہے بھلا پائے تگ میں کوئی زنجیر
میدان سخن جیت لئے میں نے ہزاروں — بازو ہے قوی جھولتی ہے عرش پہ شمشیر
یہ عزّ و شرف اس کی غلامی سے ہے حاصل — جو صاحب منبر ہے ولا اس کی ہے اکسیر

لیکن امیر مینائی اپنے ممدوح سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ تصوف کا سلسلہ ان تک پہنچتا ہے' چنانچہ کچھ اشعار اس طرح کہہ گئے ہیں' جو ہماری رسمیہ شاعری میں تو جائز ہیں لیکن احتیاط سے بعید ہیں مثلاً ۔

مزدور ابراہیم ہیں وہ صاحب خانہ — حق ہے کہ ہوا کعبہ اسی کے لئے تعمیر
ایک لمعۂ رخسارۂ پُرنور تھا وہ بھی — موسیٰؑ کو جو آئی تھی نظر طور پہ تنویر
کیونکر نہ ہو جبریل امیںؑ تابع فرماں — استاد کی خدمت پہ شاگرد ہے توقیر
جاں بخش خلائق تھا اگر نطق مسیحا — جاں بخش مسیحا ہیں وہ حضرت دم تقریر

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایسے اشعار ہیں جیسے سوداؔ اور ذوقؔ نے دنیوی ممدوحوں کے متعلق کہے ہیں مثلاً ۔

ہو لطف جو حضرت کا نہ انسان کا معالج — اخلاط میں تفریق' عناصر میں ہو تغیر
پانی کی طرح آگ پگھل کر ابھی بہ جائے — گرمی یہ بڑھے آب میں ہو آگ کی تاثیر
حشمے نہ اگر رنگ اثر حکم معلّی — باطل ہو نباتات و جمادات کی تاثیر
گل ہوں کبھی تحریک ہو اسے نہ شگفتہ — دے رنگ جواہر کو نہ خورشید کی تنویر

آخر میں دعائیہ کا صرف ایک شعر ہے اور سادہ انداز میں ہے ۔

ہو روز قیامت نظر چشم عنایت — کوثر کا ملے جام' جناں میں مجھے جاگیر

پانچواں قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ہے جو مومنؔ کی زمین میں ہے۔ مومنؔ کا نعتیہ قصیدہ یہ اس طرح شروع ہوا تھا۔

چمن میں نغمہ بلبل ہے یوں طرب مانوس — کہ جیسے صبح شب ہجر نالہ ہائے خروس

امیر مینائی لکھتے ہیں ۔

نشاط و ہو سے ہو کس طرح نہ دل مایوس
کہ چار دن کی یہ مہماں ہے مثل شمع عروس

کسی کے سر پہ جو پھرتا ہے چتر بیاہ کے روز
میں جانتا ہوں یہ ہے رقص مستی طاؤس

قیام کی کسے امید ہے رہے نہ رہے
یہ عمر راہ ہوا میں ہے شمع بے فانوس

زوال نعمت ایواں کی دے رہی ہے خبر
عبث عبث نہیں ملتی ملکس کف افسوس

اس تمہید میں زمانے کی بے وفائیوں کا ذکر ہے کہ اس کے تمام کام الٹے ہیں اور اس نے تمام اچھے لوگوں کو تباہ کیا ہے۔

ہمیشہ خاص خدا پائمال ظلم رہے
عیاں ہے قصہ اصحاب کہف و دقیانوس

کھنچا سر زکریاؑ پہ آرۂ بیداد
الم سے برگ شجر تک ہوئے کف افسوس

وہ بے گناہ چلی تیغ ظلم یحییٰؑ پر
کہ زیست سے ہوئے الیاسؑ و خضرؑ تک مایوس

خلیلؑ کو کفر نے جو آگ میں پھینکا
اسی الم سے ہے کعبہ کا ماتمی ملبوس

علی الخصوص شہیدوں کا بادشاہ حسینؑ
کہ تخت عرش ہے جس کے لئے مقام جلوس

چراغ کعبۂ دیں، شہسوار دوش رسولؐ
امام ہیجۂ خاصان ایزد قدوس

یہاں بھی بہت اچھا گریز ہے جو امیر مینائی کی امتیازی شان ہے اس کے بعد چند اشعار حضرت امام حسین علیہ السلام کے اوصاف کے متعلق ہیں۔ پھر کربلا کا واقعہ مختصر طور پر بیان کیا ہے اور آخر میں کہا ہے۔

غرض کہ خاک اڑائی زمیں نے ماتم میں
فلک ہوا ہمہ تن داغ صورت طاؤس

جو اہل دیں ہیں کوئی ان کی قدر گھٹتی ہے
ورق الٹنے سے ہوتا نہیں ہے خط معکوس

امیرؔ خالق عالم سے اب یہ مانگ دعا
کہ بہر شاہ نجف شاہ کربلا شہ طوس

رواج دین محمد علیہ السلام ہو' اہل دیں رہیں شاد
رہائی پائیں جو زندان غم میں ہیں محبوس

یہاں یہ قصیدہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اصل خوبی اس کی تمہید اور گریز میں ہے۔

امیرؔ مینائی نے صرف پانچ مذہبی قصیدے لکھے ہیں۔ جن میں نعتیہ قصیدے صرف تین ہیں۔ ان سب قصیدوں کی تمہید کوئی نئی چیز نہیں ہے کہیں رواج کے مطابق شکایت زمانہ ہے کہیں تعلّی ہے' کہیں شباب اور بہار کا ذکر ہے اور کہیں صرف مدح ہے لیکن ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے یعنی اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان ہے تو لازمی طور پر شکایت زمانہ چاہئے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شمائل اور کمالات کا جہاں ذکر ہے' تو شاعر نے تعلّی سے قصیدہ شروع کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بہاریہ تمہید ہے اور اتنی لطیف ہے کہ اس کی نظر شاذ ہے' اصل مدح میں امیرؔ مینائی نے ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کی جائے

اس کی ظاہری ادائیں زیادہ دل فریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوس نظر بن جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کارفرما سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ عقیدت بھی چراغ راہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ ممدوح جس کی وجہ سے ہنگامہ ہست و بود قائم ہوا ہو اور جو سب کا ہو اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا پتہ نہیں کہہ سکتا، لیکن امیر مینائی ایک باکمال شاعر بھی تھے وہ غزل کے استاد سہی لیکن قصیدے میں بھی وہ اردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ ان کی علمی استعداد، شکوہ الفاظ، پر شاندار تمہیدیں اور دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے۔ اور گو کہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی نعت بہت سے شاعروں پر بھاری ہے۔ امیر نے سچ کہا ہے۔

کم ہیں میرے شعر پر ہیں نعت میں اکثر امیر ۔۔۔ یہ سبب ہے جو مجھے کہتے ہیں سب گویا بہت

امیر مینائی نے قصیدے کم لکھے ہیں لیکن ان کی نعتیہ غزلیں ایک سو چوالیس ہیں جن میں کم از کم ستر ہ سو اشعار ہیں دیگر اصناف سخن ان کے علاوہ ہیں:

(۱) غزلوں میں قصیدوں کی طرح حسن تعلیل بہت ہے: مثلاً

- جوانان چمن باہر ہوئے جاتے ہیں جامے سے ۔۔۔ اڑایا بوئے گل نے رنگ شاید تیری آمد کا
- پکارتے ہیں تمہیں کو یا رسول اللہ ﷺ ۔۔۔ جو مسجدوں میں مؤذن اذان دیتے ہیں
- دل سے نکلے گی نہ حضرت کی محبت ہرگز ۔۔۔ حور باہر نہ کبھی باغ ارم سے ہوگی
- فرشتے کرتے ہیں دامان زلف حور سے صاف ۔۔۔ جو گرد پڑتی ہے اس روضہ پر نگاہوں کی
- ہے ترے پیرہن پاک کی حسرت اس کو ۔۔۔ ورنہ کیوں نکہت گل جامے سے باہر ہوتی

(۲) ظاہری شمائل بھی زیر بحث ہیں۔ مثلاً

- دکھاتا ہے تماشا لخت دل کیا یاد عارض میں ۔۔۔ مژہ سے گرتے گرتے پھول بن جاتا ہے جن کا
  تری تیغ ادا پر اس ادا سے جان دیتا ہے ۔۔۔ قضا منہ دیکھنے لگتی ہے مشتاق شہادت کا
- کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو ۔۔۔ میں ہوں ادھر سے قربان تو ہو ادھر سے صدقے
- سونگھو کوئی ان کے لباس بدن کی بو ۔۔۔ خوش آئے کیا دماغ کو اس کے چمن کی بو

(۳) عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے حضور ﷺ کی بے انتہا شفقت اور ذرہ نوازی کے مضامین بہت ملتے ہیں اور یہ خصوصیت دوسرے شعرا کے مقابلے میں امیر کے یہاں زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً

- یثرب سے ملک آئیں کے لینے ہمیں تا ہند ۔۔۔ یثرب کو جو ہم ہند کے کشور سے چلیں گے
- ہوتی ہے جو ہمراہی یثرب تو ادب سے ۔۔۔ چلتے نہیں رستے میں سلیمان مرے آگے
- جانتے ہیں کہ بہت تشنۂ دیدار ہوں میں ۔۔۔ بے یقیں پہلے کریں جام عنایت مجھ کو
- خلد میں ہم کو سزائے گناہ کیا ہوگی ۔۔۔ وہ ناخدا ہے تو کشتی تباہ کیا ہوگی

• ہوں روانہ ہند سے جس دن میں یثرب کو امیرؔ — جو مجاور شہ کے روضے کا ہو اس کو خواب ہو

• مال آپ پر تصدق جاں آپ پر سے صدقے — آنکھوں سے سر ہے قرباں آنکھیں ہیں سر سے صدقے

(۴) اسی لئے بیتابی اور بے قراری کے مضامین بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔

• مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں — تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

• راہ خشکی ہو اگر راہزنوں سے مسدود — گریۂ شوق دکھا تو رہ دریا مجھ کو

• راہ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق — پانو تھک جائیں تو اپنا سر چلے

• شاید آجائیں وہاں ختم رسالت کے قدم — جلد اے مرگ دکھا گوشۂ تربت مجھ کو

• کاروان رہ یثرب میں ہوں آواز درا — سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

امیرؔ مینائی کی حسب ذیل نعتیہ غزل سے ان کی تمام خصوصیات کا بیک وقت اندازہ ہو سکتا ہے۔

• قطرے کے منہ سے نام جو ان کا نکل گیا — بادل سے گر کے روئے ہوا پر سنبھل گیا

لکھا جو وصف گیسوئے پیچاں مصطفیٰ ﷺ — کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا نکل گیا

حضرت نے جن کے حق میں کہا جو وہی ہوا — کیا اختیار تھا کہ مقدر بدل گیا

چمکا جمال پاک کا جلوہ جو مثل برق — خرمن گناہ امت عاصی کا جل گیا

کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپ کا — آیا پہاڑ بھی مرے آگے تو ٹل گیا

بے آب چاہ حکم نبی سے ہوا پُر آب — ایسا درخت خشک نے پایا تو پھل گیا

قائل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیرؔ — مضمون نعت میں بھی نہ لطف غزل گیا

امیرؔ کی حسب ذیل نعتیہ غزلیں عامہ طور پر مقبول ہیں۔

۱۔ خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم — مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ فلک ہے برسر بیداد یا رسول اللہ — چاہئے مجھے فریاد یا رسول اللہ

۳۔ یاد شہ میں جو کوئی رات گذر جائے گی — بہت اچھی مری اوقات گذر جائے گی

۴۔ اعجاز مصطفیٰ ﷺ تھے ہر بار کیسے کیسے — اس پر تھے منکروں کو انکار کیسے کیسے

۵۔ وہ بزم خاص جو دربار عام ہو جائے — امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے

شفقت رضوی

مولانا حسرت موہانی اور ان کی نعت گوئی

مولانا حسرت موہانی ایک سچے اور پکّے مسلمان تھے۔ ان کی تربیت ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی۔ کم عمری سے ہی ان کو صوم و صلوٰۃ کا پابند کیا گیا تھا اور وہ سلسلۂ رزاقیہ میں مولانا عبدالوہاب سے رسمی طور پر نہیں خلوص نیت اور خد درجہ عقیدت کی بناء پر بیعت کر چکے تھے۔ وہ تمام بزرگان دین کا یکساں احترام کرتے یہاں تک کہ غیر مذاہب کے بزرگوں کے لئے بھی ان کا یہ رویّہ رہا۔ "وہ نہ صرف مسلمان بلکہ صوفی مسلمان تھے اور صوفیوں میں بھی وہ صوفی تھے جن سے بزرگوں کا کوئی مزار کوئی عرس اور کوئی قوالی کی مجلس چھوٹتی نہ تھی۔ خصوصاً فرنگی محل اور ردولی کی مجلس۔ سید فضل الحسن کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالیں تو ان کی شان حضرت ابوذرؓ کی سی نظر آتی ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ابو ذرؓ سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی۔ سچ یہ ہے کہ اس عہدِ پُر فریب میں حسرت سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی" (۱)

وہ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بھی قائل تھے۔ "کلیات حسرت کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے راہ سلوک و تصوف کو طے کر لیا تھا۔ تصور شیخ اور محبت شیخ سے تصور رسولؐ اور محبت رسولؐ تک پہنچے۔ فنافی الشیخ سے فنافی الرسول اور درجۂ کمال یعنی فنافی اللہ بھی حاصل کر لیا۔" (۲)

اگرچہ انہوں نے فنافی الشیخ سے حاصل فیوض و برکات کا تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے ان کی تحریروں میں اکثر مقامات پر اشارے ملتے ہیں چنانچہ لکھا ہے "راقم حروف کو بزرگان دین کی عقیدت کے ساتھ جو فطری انس ہے اس کی بدولت زندان فرنگ میں جیسی کچھ قلبی قوت اور روحانی آزادی اور اطمینان میسر ہوا اور ضمناً جو باطنی فیوض حاصل ہوئے ان الفاظ کے ذریعے ان کی حقیقت صحیح طور پر نہ بیان ہو سکتی ہے نہ ان کے ذکر کا یہ محل ہے۔" (۳)

عشق خداوند تعالی اور عشق رسول اکرم ﷺ کی برکت تھی کہ مالی بے سرو سامانی کے باوجود ان کو گیارہ بار حج کرنے اور بارہ بار روضۂ اقدس پر حاضری دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے مرد مومن ہونے اور عاشق رسول ﷺ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ آنحضرت نے ایک سے

زائد بار عالم رویا میں انھیں زیارت کرنے کا موقع دیا۔ مولانا حسرت موہانی پوری زندگی نہایت پابندی سے ڈائری لکھا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری دور کی چند ڈائریاں مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے پاس ہیں جن کے اندراجات کو وہ اپنی زندگی میں شائع نہیں کرنا چاہتے لیکن انھوں نے اپنے "مقدمہ کلیات حسرت" میں چند صفحات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حسرت موہانی کو خاتم النبیینؐ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا اور وہ آپ کی توجہ خاص کے مرکز بھی رہے۔ مولانا نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو تحریر فرمایا "میرا تجربہ ہے کہ ہر ماہ کی گیارھویں اور تیرھویں تاریخیں واقعات اور حوادث زندگی کے لئے نہایت درجہ اہم ہوتی ہیں۔ چنانچہ آج بارھویں اور تیرھویں تاریخ کی درمیانی شب میں پہلی بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت ایک تہہ بند میں لپٹے ہوئے تھے اور جسم مبارک پر ایک کوٹ نما قمیض تھی۔ شکل مبارک کا ایک ایک حصہ فقیر کی نظروں میں اس وقت تک موجود ہے۔ ایک قلعہ نما عمارت میں پہلی حاضری کا اتفاق ہوا اور وہیں شناسائی کی دولت نصیب ہوئی۔ قلعہ کے باہر میدان میں ایک بڑی نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ایک رکعت ختم ہو گئی تھی میں رسول اللہ ﷺ سے دور تھا مگر میں نے دوڑ کر حضور ﷺ ہی کے قریب جماعت میں شرکت کی اور پہلی رکعت کے نہ ملنے کی پروانہ کی بعد نماز کرسیوں پر حاضرین کی جماعت بیٹھی رہی۔ حضور نے اپنے سامنے ایک قاب سے دو نارنگی کی پھانکیں مجھ کو خاص طور پر مرحمت فرمائیں۔ سب لوگوں نے اس لطف پر مجھ کو مبارک باد دی۔ میرے خیال میں یہ پھانکیں اس کی علامت ہیں کہ حضور کو فقیر کے ذریعہ درویشی کی اشاعت منظور ہے۔ (۴)

دوسرے دن میں نے ۱۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو اسی خواب کے سلسلہ میں اپنے تاثرات ڈائری میں قلم بند کئے "عمارات کے خواب کا آج دن بھر دل پر اثر رہا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاید آزادئ ہند و مسلمین ہند کا کام مجھ سے لینا ہے۔ اب مجھ کو یہ بھی یاد آتا ہے کہ پہلے حج کے سفر کے موقع پر جبل احد پر میں نے چلّہ اس غرض سے باندھا تھا کہ انگریزوں کی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو جائے۔ رات کے خواب کی نسبت یہ دو باتیں اور یاد آئیں۔

۱۔ یہ کہ نماز جماعت اور اجلاس عام بعد سے پہلے قلعہ میں حضور کی نظر مجھ پر پڑ چکی تھی اور حضور نے خوب پہچان کر توجہ کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

۲۔ اجلاس عام میں جب پہلے آش ایک رکابی میں جملہ حاضرین میں تقسیم کی گئی اور ہر شخص کو چند دانہ ہائے انار نصیب ہوئے مجھ کو بھی ملے۔ نارنگی کی پھانکیں صرف مجھ کو ملیں۔" (۵)

میرے خیال میں یہ عطایا علامت ہے خواہش پوری ہونے کی۔ مجھے یہ نوید کہ حسب منشاء ملک کو آزادی مل جائے گی نارنگی کی دو پھانکوں کا اشارہ ملک کی تقسیم کی طرف ہو سکتا ہے۔

دوسری بار عالم رویا میں حضور ﷺ کی زیارت کے حوالہ سے انھوں نے ۳ اپریل ۱۹۴۲ء کے

روزنامچہ میں لکھا ہے کہ "رات مجھے ۲-۳ اپریل کی درمیانی رات میں ۲ بجے شب کے دوران رسول اللہ ﷺ کی زیارت دوبارہ نصیب ہوئی۔ ایک مربع کمرے میں آپ استراحت فرما رہے تھے۔ صورت قاضی محمد حامد حسرت فیض آبادی سے مشابہ تھی۔ فرط شوق میں جب دست بوسی کے قریب ہوا تو حضور نے لیٹے لیٹے دست مبارک میری طرف بڑھا دیا۔ اور میری اس بے باکی کو گستاخی پر محمول نہ فرمایا۔ اس پر مجھ کچھ نصیحتیں کیں جو مجھ کو یاد نہ رہیں۔"(۶)

انہیں تیسری بار پہلی اور دوسری مئی ۱۹۴۸ء کی درمیانی رات کو حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کا اندراج ان کی ڈائری میں اس طرح ہے۔

"آج رات کے نصف آخر حصہ میں بلا تکلف رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ روضۂ مبارک میں جو گنبد خضرا کے تحت میں محصور و محدود ہے حضور لحد مبارک کے قریب کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ تہبند جاوی وضع کا ہے اور بند کوٹ پھول دار کپڑے کا زیب تن ہے۔ جس کے درمیان ایک پٹی بھی ہے اس کی وضع وہی ہے جیسی کہ حجاج استعمال کرتے ہیں۔ میرے دل میں بے اختیار خواہش ہوئی کہ حضور میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اسی وقت مجھ کو مرید کر لیں۔ میں نے بغور دیکھا تو حلیۂ مبارک کو قریب قریب ایسا ہی پایا جیسا کہ کتب حدیث مثل "شمائل ترمذی" میں منقول ہے۔ ایک موقع ایسا آیا کہ میں اس قدر قریب ہو گیا کہ جسد مبارک کی خوشبو خوب محسوس ہوئی۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ آنکھ کھلنے پر مجھ کو یاد نہیں رہا۔ دوبارہ آنکھ لگنے پر ایک بار پھر وہی منظر پیش نظر ہوا مگر اس کی تفصیل بھی باوجود کوشش کے مجھے یاد نہ آئی۔"(۸)

مولانا واحد مسلم رہنما تھے جو سیاسی معاملات میں بھی قرآن سے ہدایت حاصل کرتے اور جب ان کے خیال کی تائید کلام اللہ سے ہو جاتی تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے موقف سے ہٹا نہ سکتی تھی۔ اس معاملہ میں بھی انہیں خصوصیت حاصل ہے کہ قیام پاکستان کی بشارت انہیں قبل از وقت ہو گئی تھی اور اس کا ذکر انہوں نے صرف مولانا جمال میاں فرنگی محلی سے کیا تھا۔ مولانا فرنگی محلی رقم طراز ہیں کہ "جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اس اجلاس میں شرکت کے لئے راقم بھی ہوائی جہاز سے ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں انہوں نے فرمایا "سنئے صاحب! پاکستان تو مل جائے گا۔ اب آئندہ کی فکر کرنا چاہئے۔" میں نے عرض کیا کہ آپ کو یہ کیسے یقین ہے کہ پاکستان مل جائے گا۔ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور حافظ کے دیوان سے تفاول کیا تو شعر بھی نہایت مناسب نکلا اور حافظ کی اس غزل پر میں نے تضمین بھی کر دی ہے اور اسی وقت ڈائری سے درج ذیل اشعار سنائے ۔

جب کہے خواب میں خود آ کے وہ شاہ خوباں ۔۔۔ جبکہ حافظ بھی مصدق ہو بہ فال دیواں

تجھ کو حسرت یہ مبارک سندِ مہر و نشاں ۔ پردہ بردار کہ تا سجدہ کند جملہ جہاں
طاق ابروئے تو محراب جہاں خواہد بود" (۹)

مولانا نے تضمین ۱۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو کی تھی۔

اس تمہید سے مقصد مولانا کے روحانی درجات کو پیش کرنا ہے جو عشقِ رسولؐ کی وجہ سے قابل حصول ہوئے۔ مولانا نے اپنی زندگی حضور کے فرمودات اور ان کے اسوۂ حسنہ میں ڈھالنے کی ممکن کوشش کی۔ جس طرح زندگی میں وہ عشق رسول کے جذبے سے سرشار رہے اس کا اندازہ ان کی شاعری سے ہوتا ہے۔ مولانا کا شمار اردو کے غزل گو شعراء میں ہوتا ہے۔ روایت کے اعتبار سے اردو غزل کیفیات حسن اور واردات عشق کے لئے مخصوص رہی ہے۔ ان موضوعات کا تعلق مجاز سے رہا۔ شعرائے قدیم نے حسن اور عشق کو ماورائے فطرت بیان کیا اور جب غزل کے انحطاط کا دور آیا تو حسرت موہانی اور اصغر گونڈوی نے اس کے معیار اور اعتبار کو بحال کیا۔ حسرت بڑی حد تک مجاز کے شاعر رہے ان کا محبوب گوشت پوست کا انسان ہے اور ان کا عشق عام انسانی جذبہ ہے۔ ابتدائی ادوار میں غزل سے مخصوص ان مضامین کے علاوہ انہوں نے ان بزرگوں کو موضوعِ شاعری بنایا جن سے ان کو خاص عقیدت تھی آخری دور میں ان کے کلام میں بکثرت نعتیہ اشعار ملتے ہیں جن سے ان کے ذہنی رجحان میں تبدیلی کی عکاسی ہوتی ہے۔

حسرت نے نعت گوئی بھی کی ہے اور عام غزلوں میں بھی اپنے جذبۂ بے اختیار سے مجبور ہو کر نعتیہ شعر شامل کر دیئے ہیں۔ گویا مجاز کی شاعری کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن کے گوشے میں حضور ﷺ سے عقیدت کی شمع روشن رہتی تھی جو ان کو نعتیہ شعر لکھنے پر مجبور کرتی تھی مثلاً ان کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے:

قرب میں ہے نہ بُعد یار میں تھا ۔ جو مزہ اس کے انتظار میں تھا

اُنیس اشعار کی اس غزل میں ایک شعر یہ بھی ہے:

سرمۂ طور میں کہاں وہ اثر ۔ دشتِ یثرب کے جو غبار میں ہے

ایک غزل کا مطلع ہے:

لطف تو نے جو کیا بھی تو تجب کام کیا ۔ دل دیوانہ کو سرگشتۂ اوہام کیا

مجاز کے چھ اشعار کے درمیان نعت کا یہ شعر ہے:

بچ گئی آج اسیری سے فقیری اپنی ۔ کہ شہ حق نے مجھے داخل خدام کیا

غزل: مطلع

جفا کو وفا سمجھیں کب تک بھلا ہم ۔ اب ایسے بھی ان کے نہیں مبتلا ہم

اس غزل میں شامل نعتیہ اشعار ہیں۔

غریبوں سے کتنی ہے رحمت یہ ان کی کہ ہیں بے نواؤں کے حاجت روا ہم
تری راہ میں مر مٹیں بھی تو کیا ہے فنا ہو کے پائیں گے عیش بقا ہم

حسرت نے کبھی بر سر اقتدار افراد یا دولت و ثروت کے مالک لوگوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس لئے نہیں کہ وہ سر پر غرور رکھتے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ "بارگہ خاص" کے گدا تھے۔

شاہوں کے تکبر سے بھی دب کر نہ رہا میں کس بارگہ خاص کا آخر ہوں گدا میں

جب سر تسلیم و رضا وقف ہو جائے مرضیٔ خدا اور عشق رسولؐ میں تو بے نیازی کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال، شان و شوکت ان کی نظر میں حقیر ٹھہرتی ہے۔ زندگی اور شاعری میں ان کا یہی رویہ رہا۔

اسی طرح عام عشقیہ غزلوں کے درمیان جو نعت کے اشعار ملتے ہیں ان کی مثالیں یہ ہیں

حشر میں تاب جہنم سے مفر اور کہاں اہل عصیاں کو ترے سایۂ رحمت کے سوا
کھنچ گئی نور علیٰ نور کی تصویر جمیل بعد کعبہ کے جو آنکھوں نے مدینہ دیکھا
اس حسن بے عدیل کی ہو کیا صفت بیاں پیدا ہیں جس کے نور سے انوار کبریا
فنا بھی بقا مسلک عاشقی میں اگر رونما ہو دیار نبیؐ میں
حسرت غلام شافع روز شمار ہے کب اس کو فکر پرسش روز جزا کی ہے
کیونکر نہ کہے دنیا مقبول خدا اس کو مطبوع رعایا ہو فرمان اگر شہ کا
نہ مرنے کی باتیں نہ جینے کی باتیں کرو ہم صفیرو مدینے کے باتیں
جلد سے جلد پہنچنا ہے مدینے مجھ کو کیوں نہ تڑپوں کہ بلایا ہے نبیؐ نے مجھ کو

سیاسی امور میں جہاں الجھن اور بے بسی کا احساس ہوتا وہاں بھی حسرت خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کی توجہ اور اعانت کے خواستگار ہوتے۔ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نے جب جزیرہ نمائے عرب میں انتشار پیدا کیا اور انگریز خواہاں ہوئے کہ اپنے کسی تابع دار کو مقدس مقامات کی حکمرانی پر مسلط کریں تو حسرت کا دل ان منصوبوں کی وجہ سے عالم اسلام کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گیا کیونکہ اس وقت کوئی لیڈر ایسا نہیں تھا جو عالمگیر پیمانے پر مسلمانوں کو متحد رکھ کر یورپی اقوام کی سازشوں سے بچا سکتا۔ ایسے میں حسرت نے پکارا تو رسول خدا علیہ السلام کو کہ وہی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتے تھے اور کہا

قبضۂ یثرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے اب تو انصاف اس ستم کا دست پیغمبرؐ میں ہے

حسرت کے جذبۂ عشق رسول علیہ السلام نے ان کے دل پر حضور کی تصویر نقش کر دی ہے۔ گویا ان کا دل "آئینہ رسول نما" ہو گیا ہے اس خوبصورت ترکیب لفظی کے ساتھ انہوں نے کہا ہے۔

حسرت کرو نہ دل میں زیارت رسولؐ کی — آئینہ رسولؐ نما ہے تمہارے پاس

ایک اور غزل میں یہ نعتیہ شعر بھی ملتا ہے۔

کھینچ گئی نور علی نور کی تصویر جمیل — بعد کعبہ کے جو آنکھوں نے مدینہ دیکھا

حسرت کے خیال میں اگر کوئی دیار نبیؐ میں حضورؐ کے عشق کو دل میں لئے موت کی آغوش میں چلا جائے تو اس کے لئے فنا نہیں بقا مقدر ہو گی۔

فنا سے بقا مسلک عاشقی میں — اگر رو نما ہو دیار نبیؐ میں

ان کی دلی خواہش تھی کہ ایسے دن بھی آئیں کہ وہ مدینہ جائیں اور پھر وہاں سے لوٹنا نصیب نہ ہو۔

سفر جب نہ ہو پھر مدینہ سے حسرت — وہ کب آئیں گے دن تری زندگی میں

یہی نہیں کہ حسرت نے چیدہ چیدہ اشعار میں عشقِ رسولؐ کا اظہار کیا ہو بلکہ انہوں نے متعدد نعتیں بھی لکھی ہیں۔ ان کے مقبول عام نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان میں خلوص کی کمی ہے بلکہ یہ کہ ان میں صداقت شعاری ہے وہ بناوٹ اور سجاوٹ نہیں ہے جو عوام میں مقبولیت کے لئے ضروری خیال کی جاتی ہیں۔ وہ ایک سادہ مزاج اور سادگی پسند انسان تھے ان کا عمومی طرز شاعری ہر نوع کے تصنع سے آزاد ہے تو نعت میں وہ بھلا اس کا التزام کیوں نہ کرتے۔

حسرت نے پہلی نعت قید فرنگ اولی (۲۳ جون ۱۹۱۸ء تا ۱۹ جون ۱۹۰۹ء) کے دوران لکھی۔ پہلے مسلمان سیاسی رہنما کا جیل جانا ذہنی اذیت کا باعث تو تھا ہی اس پر مستزاد چکی کی مشقت تھی۔ حسرت جو حوصلہ اور ہمت سے معمور تھے انہوں نے حق گوئی کی پاداش میں یہ سب کچھ برداشت کر لیا۔ قید کی تنہائی میں مشغلے عبادت اور شعر گوئی تھے۔ ایسے میں جو عشقِ رسول کی تڑپ جاگی اور دربار مدینے میں حاضری دینے کے لئے بیدار ہوئی تو بے ساختہ انہوں نے یہ نعت کہی جو ان کے پہلے مجموعۂ کلام "گلدستۂ حسرت" میں شامل ہے۔

قابو میں نہیں ہے دل شیدائے مدینہ — کب دیکھئے بر آئے تمنائے مدینہ

خوشبوئے رسالتؐ سے ہے ازبسکہ معطر — ہر ذرۂ آبادی و صحرائے مدینہ

ہے بے خودی عشق حقیقی کا شناسا — ہر دل کہ ہے مخمور تو لائے مدینہ

آتی ہے جو ہر شے سے یہاں انس کی خوشبو — دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ

ہے شام اگر گیسوئے احمدؐ کی سیاہی — تو نور خدا صبح دلآرائے مدینہ

اے وہ کہ سرور ابدی کا ہے طلب گار — پی ساغر دل سے مئے مینائے مدینہ

از غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک — فرمائیں مدد سیدؐ والائے مدینہ

مقطع سے واضح ہے کہ سیاسی معاملات میں بھی حسرت حضور علیہ السلام کی مدد کے خواستگار رہتے تھے۔

جون ۱۹۱۷ء میں وہ فیض آباد جیل میں تھے جہاں انہوں نے نعت کے حسب ذیل لاجواب اشعار کہے۔ پہلے شعر کا مضمون اکثر شعراء نے بیان کیا ہے اور حضور ﷺ کی شفاعت کے ذریعے روز محشر کا مرحلہ بآسانی طے کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے البتہ دوسرا شعر اسلامی تاریخ کے پس منظر میں اس نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے لینے کو اسلامی تاریخ میں کئی درخشاں باب ہیں جن کی ستائش میں لکھی گئی کتب سے کتب خانے بھرے پڑے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں اگر کوئی دور لائق ستائش رہا ہے تو وہ عہد درخشان رسول ﷺ ہی تھا کہ اس زمانہ میں ساری دنیا نور ایمان سے منور تھی۔ تیسرا شعر ان کی مضمون آفرینی کے کمال کا مظہر ہے ملاحظہ ہو:

روزِ محشر سایۂ گستر ہے جو دامان رسولؐ — تابِ دوزخ سے ہیں بے پروا غلامان رسولؐ

نور سے ایمان خالص کے منور تھا جہاں — اب کہاں سے آئے وہ عہد درخشان رسولؐ

صوم دائم سے بڑھی عزت قیام لیل کی — شب کو مہمان خدا ہیں دن کو مہمان رسولؐ

حسرت کا اعتقاد ہے کہ دنیا کی ہر مشکل اور صعوبت کو اگر کسی طرح آسان کیا جا سکتا ہے تو وہ درود شریف ہے اسی نظریئے کو پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

مونس بے کساں درود شریف — راحت عاشقاں درود شریف

طالبان وصال کو ہر دم — چاہئے بر زباں درود شریف

میری جانب سے ان کے پاس ملک — لے چلے ارمغاں درود شریف

اسم اعظم ہے قیدیوں کے لئے — قید میں بے گماں درود شریف

وہ بھی یارب ہو دن کہیں کہ پڑھیں — ہو کہ ہم کامراں درود شریف

یہ بھی ایک فیض عشق ہے ورنہ — ہم کہاں اور کہاں درود شریف

شوق نام حضور کا حسرت — بن گیا ترجماں درود شریف

چوتھے شعر کی مزید وضاحت کے لئے یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ اشعار نومبر ۱۹۲۲ء کو اس وقت لکھے گئے تھے جب وہ سابرمتی جیل میں مقید تھے۔ پانچویں شعر میں کامران ہونے کا اشارہ ملک کی آزادی کے حصول کی طرف ہے۔ حسرت زندگی کے ہر شعبے کی الجھن کا حل ذات رسول ﷺ کی عنایت ہی کو سمجھتے تھے۔

حسرت کی بعض نعتیں اس وقت کی یادگار ہیں جب وہ عازم حج و زیارت ہوئے' وہاں قیام پذیر ہوئے یا وہاں سے لوٹ کر آتے ہوئے ان میں عجیب وارفتگی ملے گی جو تمتع سے پاک ان کی سیرت و کردار کی ترجمان ہے۔ کہتے ہیں:

شوق پہنچا حد جنوں کے قریب — یہ ہوا داری دیار حبیبؐ

لے چلا پھر کشاں کشاں مجھ کو　　دل اسی ارضِ محترم کے قریب
ان کی اس بندہ پروری کے نثار　　ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نصیب
خلد ہے کوئے یار ورنہ کہاں　　یہ سکوں بخشیاں‘ یہ کیف‘ یہ طیب
لو مدینے کو پھر چلے حسرت　　دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب

یہ بات جزو ایمان ہے کہ حضوری کا شرف انہیں کو حاصل ہوتا ہے جن کو رسول خدا یاد فرماتے ہیں۔ ادھر سے اشارہ نہ ہو تو لاکھ جتن کر کے بھی کوئی اس آستان عالیہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مندرجہ بالا نعت کے چوتھے شعر میں یہی بات کہی گئی ہے ایک اور نعت کے مقطع میں اس کا اعادہ بھی ہوا ہے۔ یہاں نعت کے تمام اشعار درج کئے جاتے ہیں:

سلامٌ علیک اے جوار مدینہ　　جوار سراپا بہار مدینہ
زہے راحت یقظہ ونوم انجا　　خوشا لطف لیل و نہار مدینہ
سوید اے دل ہے دل حسن حق کا　　نہیں یہ شب نور بار مدینہ
مشام تمنا میں خوشبوئے جنت　　پھرے لے کے ہم یادگار مدینہ
مدینہ چلو کیوں نہ ہر سال حسرت　　بلائیں جو خود تاجدار مدینہ

ان کی ایک نعت نہایت شاندار ہے جس میں حضور کی سیرت اور اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں شاعر کی قوت متخیلہ اور قوت اظہار اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ موجود ہیں۔

مظہر شان کبریا صلّ علےٰ محمد ﷺ　　آئینہ خدا نما صلّ علےٰ محمد ﷺ
موجب ناز عارفاں‘ باعث فخر صادقاں　　سرور و خیر انبیاء صلّ علےٰ محمد ﷺ
مرکز عشقِ دل کشا‘ مصدر حسن جانفزا　　صورت و سیرت خدا صلّ علےٰ محمد ﷺ
مونسِ دل شکستگاں‘ پشت پناہ خستگاں　　شافع عرصہ جزا صلّ علےٰ محمد ﷺ
حسرت اگر رکھے ہے تو بخشش حق کی آرزو　　ورد زباں رہے سدا صلّ علےٰ محمد ﷺ

حسرت کی دیگر نعتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں کہ اس صنف شاعری میں ان کے درجۂ کمال کو متعین کیا جا سکے جسے تاحال دانستہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی　　عجب بہار ہے صلّ علےٰ مدینے کی
بہ امتیاز و بہ تخصیص خواب گاہ رسولؐ　　قلوب اہل ولا میں ہے جا مدینے کی
صعوبتوں میں بھی اک راحت سفر کی ہے شان　　جو یاد رہتی ہے صبح و مسا مدینے کی
علاج علّت عصیاں کی فکر کیا ہو اسے　　جسے نصیب ہو خاک شفا مدینے کی

سکونِ خاطرِ حسرتؔ بنی وہ راہ میں (۱۰) خبر جو لائی تھی بادِ صبا مدینے کی

مدنی صبح کا عجب ہے ظہور
قابلِ دید ہے یہ بارشِ نور

نظر آتا ہے پیش روئے حضور
اہلِ بینش کو نورِ جلوۂ طور

آپ کا غم ہے عاشقوں کے لئے
فی المثل اک شرابِ ناب سرور

وائے برحالِ عاشقِ محروم
پاس ہو کر بھی ہو جو یار سے دور

مستنیران حبِّ آلِ رسولؐ
پاک ہیں باوجود فسق و فجور

ذات ان کی ہے مصدر البرکات
اس سے انکار دین کا ہے فتور

طعنِ اغیار پر ہے ناز مجھے
کہ میں حسرتؔ ہوں معتقدِ تیور

تری یاد بے اختیار آ رہی ہے
تمنا کی فصلِ بہار آ رہی ہے

حرم سے ہوا خوشگوار آ رہی ہے
دوائے دلِ بے قرار آ رہی ہے

ترے کہنہ ملبوس کی دھجی دھجی
پئے راحتِ جاں بکار آ رہی ہے

کہوں حال کیا اس کی جاں پروری کا
جو کعبے سے خوشبوئے یار آ رہی ہے

عجب انداز ہے فضلِ خدا کا
مدینے کی ہوائے جاں فزا کا

نگاہِ لطف اور ہم سے یہ کار
کرم دیکھو حبیبِ کبریاؐ کا

پڑھے اس روئے روشن سے تمنا
سبق بدر الدجیٰ، شمس الضحیٰ کا

شہنشاہوں سے بھی ہے بڑھ کے رتبہ
ترے کوچے کے اک ادنیٰ گدا کا

بفرطِ بارشِ انوار حسرتؔ
نہیں کچھ فرق یاں صبح و مسا کا

بہ ملک تمنا بصد طرفہ کاری
ترا شوق کرتا رہے شہریاری

ترے در پہ عشّاق اے شاہِ خوباں
غلامانہ کرتے رہیں جاں نثاری

رضا تیری ثابت ہے اپنی خوشی سے
مقدّم بہ آئینِ خدمت گزاری

تری نذر کو لائے ہیں نقدِ جاں ہم
بہ صد عذر خواہی بصد شرم ساری

شرف رکھتی ہے بادشاہی پہ بے شک
مدینے کی حسرتؔ غریب الدّیاری

حب حق کے ہے برابر حاصل دنیا و دیں
حبِّ آلِ مصطفےٰؐ و حبِّ خیر المرسلینؐ

من و سلویٰ سے بھی ہے بہتر اگر ملتی رہے
یا رسول اللہؐ ترے در سے ہمیں نانِ جویں

حاضر دربار ہے حسرتؔ بہ امید قبول
یا شفیع المذنبینؐ یا رحمتہ اللعلمینؐ

نظر، حسن کی ہے بینائی
آپ کی شان جلوہ فرمائی

پھر قریب آ گیا دیارِ حبیبؐ
پھر بڑھی دل کی ناشکیبائی

پھر وہی سر، وہی ہے شوقِ سجود
پھر وہی در، وہی جبیں سائی

زاہدوں میں بہ جرم حبِّ رسولؐ
دور پہنچی ہے میری رسوائی

بے نیاز دو کون ہے حسرتؔ
ان کے اکرام کا تمنائی

پھر یاد جو آئی ہے مدینے کی بلانے
کیا یاد کیا ہے مجھے شاہ دوسراؐ نے

ایسا ہے تو پھر فکر ہے کیوں زادِ سفر کی
کیا غیب کے کھل جائیں گے مجھ پر نہ خزانے

تھا شب کو جو میں حاضرِ دربارِ نبوت
چھوڑا ہے اثر دل پہ عجب اس کی فضا نے

جب دور سے وہ گنبد خضرا نظر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

ہر چار طرف بارشِ انوار کا عالم
موجود پئے دیدۂ بینا نظر آیا

مسجد میں جو تھا متصل روضۂ اطہر
اک قطعہ وہ جنتؐ کا نمونہ نظر آیا

البتہ سکوں بخشی و خوشبوئی کی رو سے
ہر حصۂ دنیا سے نرالا نظر آیا

حق بینی کو اس روضۂ اطہر کا منارا،
ہم مرتبۂ عرش معلّٰی نظر آیا

ہم ہجر کے ماروں کو اسی قرب میں یکسر
چارۂ فرقت کا مداوا نظر آیا

القصہؐ جو محروم سکوں تھا دل حسرتؔ
آخر وہ یہیں آ کے شکیبا نظر آیا

حسرت موہانی کے نعتیہ کلام کے مطالعہ کے ساتھ یہ بات ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ ان کی زندگی تصنعؐ سے مبرا بناوٹ سے پاک اور ظاہرداری کے بالکل برخلاف تھی۔ وہ سادگی پسند تھے۔ ایک سیدھے سادے عام انسان کی طرح زندگی گزاری۔ دنیاداری اور زرگری سے ہمیشہ دور رہے۔ ان کی سادہ مزاجی ان کی تمام شاعری پر حاوی ہے۔ مجازی عشقیہ شاعری میں بھی انہوں نے زیبائش اور لایعنی مضمون آفرینی سے کام نہیں لیا ایک عام انسان کے تجرباتؔ احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتے رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے سچےؐ پیروکار بھی تھے اور مشرقی تہذیب کے پروردہ بھی۔ انہوں نے "تہذیب رسم عاشقی" کی ہمیشہ پاسداری کی۔ سطحی اور عامیانہ خیالات سے ان کی شاعری یکسر خالی ہے۔ جب عام شاعری کا

یہ حال ہے تو رسول پاک ﷺ کی ثناء خوانی میں وہ کیونکر ان اصولوں اور اقدار سے روگردانی کر سکتے تھے۔ ان کے اشعار عام انسان کے جذبات سے مملو ہیں۔ ان میں سچائی ہے' خلوص ہے' بناوٹ نام کو نہیں۔ حسن کاری کی خاطر انہوں نے جذبہ اور تہذیب کی پامالی کو قبول نہیں کیا۔ اسلام اور تہذیب کی خاطر بھی اپنے مزاج' سیرت اور کردار کو ملحوظ خاطر رکھ کر حضور کی شان میں اشعار کہے۔ ان کی شاعرانہ فنکاری کی چاہے داد نہ دی جائے اس کے خلوص اور ان کی نیت سے انکار کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔

حوالے

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی : مضمون "حسرت کی سیاسی زندگی" مشمولہ رسالہ نگار لکھنو' حسرت نمبر' جنوری' فروری ۱۹۵۲ء' ص ۱۱۲)

(۲) مولانا جمال میاں فرنگی محلی : مقدمہ کلیات حسرت : مطبوعہ کراچی' طبع چہارم ۱۹۶۸ء' ص ۴۸

(۳) مولانا حسرت موہانی "مشاہدات زنداں" قسط نمبر ۱ از رسالہ اردوئے معلیٰ' علی گڑھ نومبر ۱۹۱۰ء

(۴) مولانا جمال میاں فرنگی محلی "مقدمہ کلیات حسرت" ص ۴۸

(۵) مولانا جمال میاں فرنگی محلی "مقدمہ کلیات حسرت" ص ۴۹' مولانا جمال میاں نے خواب دیکھنے کی جو اول ہجری تاریخ ۲۵ صفر ۶۱ لکھا احتمالی ہے۔

(۶) حوالہ مقدمہ کلیات حسرت ص ۴۹

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً ص ۴۸

(۱۰) رابغ کے بارے میں کلیات حسرت میں فٹ نوٹ میں لکھا گیا ہے "مکہ مکرمہ سے جدہ جدہ سے مدینہ شریف جاتے ہوئے راستے میں ایک منزل"

ڈاکٹر سید سجاد حسین (بھارت)

علیم صبانویدی کا فن نعت گوئی

علیم صبانویدی صوبہ ٹمل ناڈو کا ایک شہرۂ آفاق شاعر' بلند پایہ محقّق اور بے باک نقاد ہے۔ اس کی شاعری ملک کی سرحدوں کو پار کر کے برّ صغیر پاکستان میں اپنی شہرت کا سکّہ قائم کر چکی ہے۔ وہ جدید لب و لہجہ کا شاعر ہے اس کی شاعری میں عصری تقاضوں کی ترجمانی اور ذاتی تجربات و احساسات کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ وہ شعر و ادب میں اپنی ایک علاحدہ شناخت قائم رکھنے اور اپنے کلام کو تابانی عطا کرنے کے لئے کسی کے نور کا محتاج نہیں بلکہ اپنے ہی ذہن و دل کی ضوفشانی سے شعر و ادب کی کائنات خود روشن کر لیتا ہے۔ وہ شعر و ادب کے میدان میں تقلید پرستی کا قائل نہیں' خوشہ چینی اس کے مزاج و فطرت کے منافی ہے۔ وہ انفرادیت کا حامل جدیدیت کا علم بردار' نئی جہتوں کا متلاشی اور نت نئے تجربات کو شعر و ادب میں روا رکھنے والا ایک عظیم فنکار ہے' جس کے شعری تجربات بقول رضا نقوی واہی زیادہ وزنی' وسیع اور مجتہدانہ ہوتے ہیں(۱)۔

فکر و خیال کے نئے زاویوں کا تعین ہو یا فنّی قدروں کی شناخت کا مسئلہ' وہ دیدہ دلیری سے ان دشوار گزار راہوں کو اپنی شدّت طلب سے نہ صرف ہموار بنا دیتا ہے بلکہ اپنے ارادوں سے حاصل ہونے والی روشنی سے تاریک منزلوں کو اجاگر بھی کر دیتا ہے۔

راہ کتنی ہی کٹھن ہو مگر اے پائۓ طلب   روشنی عزم کی کر دیتی ہے منزل روشن

صوبہ ٹمل ناڈو میں اردو شاعری کی روایت اور تاریخ کافی پرانی ہے۔ حضرت قربیؔ ویلوری حضرت ذوقیؔ اور حضرت لطیف آرکاٹی اس صوبہ کے متقدمین شعرا کی فہرست میں اہم مقام کے حامل ہیں۔ اور اپنی ایک علاحدہ شناخت بھی رکھتے ہیں۔ ان شعرا نے اردو شاعری کی روایت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ سرزمینِ ٹمل ناڈو میں اس کی بنیادوں کو مستحکم بھی بنایا۔ ان شعرا کا کلام بیشتر غزل' قصیدہ' مثنوی' رباعی اور تاریخ گوئی پر مشتمل ہے۔ نعتیہ کلام کے جو چیدہ چیدہ نمونے ان شعرا کے دیوان میں مل جاتے ہیں ان کو پڑھنے سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ نعت گوئی کو انہوں نے فنّی اظہار کے لیے نہیں بلکہ حضور ﷺ کی شان

---

(۱) رضا نقوی واہی ص ۱۰۷: شعاع شرق

اقدس میں عقیدت مندی کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھا۔ اس سے قطع نظر والاجاہی خاندان کے حکمرانوں اور نوابان آرکاٹ کے عہد میں یہاں شعر و ادب کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ شجرِ سخن کی آبیاری کے لیے اکثر و بیشتر شعرا نے غزل گوئی کو رواج دیا اور بعض شعرا نے مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ اور تاریخ گوئی کو اپنے مذاق کا نشانہ بنایا۔ والاجاہی خاندان کے چشم و چراغ اور تاجدارِ سلطنت نواب غلام غوث خان کے عہد میں لسان الملت نواب شاطر مدراسی، مولانا تجمل حسین خان ایمان گوپاموی (۱) اور پرتو مدراسی کے یہاں نعتیہ شاعری کے نمونے ہمیں مل جاتے ہیں جو نہایت عقیدت و عزیمت اور روایتی اندازِ سخن کی غمازی کرتے ہیں۔ ان شعرا نے نعتیہ کلام کی صورت میں باضابطہ طور پر اپنا کوئی مجموعۂ کلام شائع نہیں کیا۔ البتہ غزل گو شعرا کی ایک طویل فہرست مل جاتی ہے جنہوں نے نعت گوئی میں تبرکاً و عقیدتاً طبع آزمائی کی ہے۔ ایسے ہی جلیل القدر شعراء میں امیر الشعراء نواب محمد منور خان گوہر مدراسی، سید محمد صبغۃ اللہ حسینی القادری نور مدراسی، الحاج مرزا غلام عباس علی عباسی مدراسی (۲)، افسر الشعراء افسر الدین محمود مدراسی، علامہ محوی صدیقی، سید ابو البرکات انور مدراسی، پروفیسر حیدر علی خان حیدر مدراسی (۳)، پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی، آثم کرنولی، حیرت القادری، مفتی عبدالعزیز عادل مدراسی اور پروفیسر محبوب پاشا محبوب (۴) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ عادل مدراسی نے "ریاضِ عقیدت" کے نام سے اپنا شعری مجموعہ شائع کیا۔ اس مجموعہ میں بھی نعتیہ کلام کے علاوہ مناقب المعصومین، سلام، اخلاقی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ اس لیے عادل مدراسی کے مجموعہ "ریاضِ عقیدت" کو خالص نعتیہ کلام کا مجموعہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

خالص نعتیہ کلام کو (جو روایتی طرز و اسلوب سے عبارت ہے) ترتیب دے کر شائع کرنے والے شعرا کی فہرست انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ شریف مدراسی نے اپنے نعتیہ کلام کو کتابچوں کی صورت میں شائع کیا۔ دانش فرازی ایک طویل نعتیہ نظم "محسنِ اعظم" لکھ کر نعت گو شعراء کے زمرے سے وابستہ ہو گئے۔ (۵) عبداللہ شرقی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ نعت گوئی کے میدان میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ "رحمۃ للعالمین" فرید مدراسی کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ سہیل راشد کا مجموعہ "منزل نما" نعتیہ شاعری کی منزل کے تعین میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعقوب اسلم نے "رسالِ عربی" کو شائع کر کے نعت گو شاعر ہونے کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ راہی فدائی کا "مصداق" نعت اور جدید نظموں پر مشتمل مجموعہ

---

(۱) "قصائدِ ایمان" ایمان گوپاموی کی نعتوں، سلاموں اور منقبتوں پر مشتمل مجموعہ ہے۔

(۲) "فانوسِ خیال" حضرت عباس مدراسی کی غزلیات اور نعتوں کا مجموعہ ہے۔

(۳) "ماحصل" مرتبہ پروفیسر حیدر علی خان حیدر کی غزلیات اور نعتوں کا مجموعہ ہے۔

(۴) "متاعِ محبوب" پروفیسر محبوب پاشا محبوب کا شعری مجموعہ ہے جس میں نعتیں بھی شامل ہیں۔

(۵) شرقی مدراسی کے نعتیہ مجموعہ [illegible] پاکستان ہی سے شائع ہوئے۔

زیر طباعت ہے۔ علیم صبا نویدی کی نگرانی میں یہ مجموعہ مراحل طباعت طے کر رہا ہے۔

صبا نویدی جو شعر وادب کو جدید پیرایۂ بیان اور نت نئے تجربات سے ہم کنار کرنے کا قائل ہے 'اختر الایمان کی طرح وہ بھی شاعری میں کامیابی کے لیے مذہبی تقدس کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں اختر الایمان کا کہنا ہے کہ

"شاعری میرے نزدیک کیا ہے؟ اگر میں اسے ایک لفظ میں واضح کرنا چاہوں تو مذہب کا لفظ استعمال کروں گا۔ کوئی بھی کام جسے انسان ایمانداری سے کرنا چاہے اس میں جب تک تقدس نہ ہو جو صرف مذہب سے وابستہ ہے اس کام کے اچھا ہونے میں ہمیشہ شبہ کی گنجائش رہے گی۔" (۱)

چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبا نویدی نے اختر الایمان کے اس بیان سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو آفاقیت کی حدوں تک پہنچانے کے لیے نعت گوئی کو اپنی فکر و آہنگ کا محور بنایا اور چند ہی برسوں کے اندر یکے بعد دیگرے کئی نعتیہ شاعری کے مجموعے شائع کر دیئے۔

"ترسیلے" نظموں اور نعتیہ ہائیکوں کا مجموعہ مطبوعہ 1986ء "شعاع شرق" خالص نعتیہ ہائیکو نظموں کا مجموعہ مطبوعہ 1987ء۔ "مراۃ النور" نعتیہ کلام کا مجموعہ مطبوعہ 1988ء۔ "نور السمٰوات" اردو زبان و ادب میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ مطبوعہ 1990ء۔ "ن" نعتیہ کلام کا مجموعہ مطبوعہ 1990ء

علیم صبا نویدی کے مذکورہ بالا مجموعوں کو دیکھنے کے بعد قاری اس کے احساسات اور جذبات کی صالحیت 'خیر' حسن اور صداقت پر ایمان ہی نہیں بلکہ اسے ایک منفرد نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم بھی کرتا ہے۔ کیونکہ حمد و نعت جیسی قدیم اصناف کو اس نے اظہار و شعور کے نئے انداز و سلیقے دیئے اور اس میں وسعت و کشادگی پیدا کی۔ نیز اس نے حمد و نعت کی اصناف کو نئی شعری ہیئتوں کا لبادہ پہنا کر نعتیہ شاعری میں دوبارہ زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ عبدالمتین نے آزاد نظم میں اور کرم حیدری نے کثیر البحر پابند نظم میں نعتیں کہی ہیں۔ نئی نسل کے شاعروں میں اس نوعیت کے تجربے تحسین فراقی 'راسخ عرفانی اور رشید قیصرانی بھی کر رہے ہیں۔ انور سدید 'مظفر وارثی 'حفیظ صدیقی 'کوثر ناہید اور پروین شاکر وغیرہم نے بھی آزاد نظموں کی ہیئت میں حمدیں اور نعتیں کہی ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعت گوئی انتہائی مشکل اور معظم فن اور عبادت ہے۔ جتنی عظیم و مکرّم وہ شخصیت ہے جس کے طفیل یہ وجود میں آئی اس کی تصدیق اور اس کا اعتراف عرفی جیسے شاعر نے بھی کیا جو اپنے پندار شاعری کے سامنے اور اپنے دعوی کی تائید میں رہ رہ کر لوح و قلم کی شہادت پیش کرتا ہے لیکن نعت کی وادی میں قدم قدم پر اپنے کو باخبر رہنے کی تاکید کرتا ہے اور نعت کے فن کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تعبیر کرتا ہے۔

---

(۱) "یادیں" پیش لفظ از : اختر الایمان

عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا　　آہستہ کہ رہ بردم تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن　　نعتِ شہٗ کونین و مدیح کے و جم را

یہ کچھ شاعروں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کی مذہبی اور تہذیبی منزلت کا معیار یہ ہے کہ اس کی زندگی اور اس کا کردار کس حد تک عشقِ رسولؐ سے مشرف و مستفیض ہے۔ عشقِ نبیؐ کا تصور دراصل ہمارے ذہنوں میں میلاد ناموں اور میلاد خوانوں کا دیا ہوا تھا۔ حالؔی اور اقبالؔ نے اس کو وہاں سے نکال کر مذہب و ملت کے اعلیٰ اقدار و روایات کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حوصلہ دیا۔ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی اتباع اور اس پر عمل کرنے کی توفیق کلیتہً اللہ کی دین ہے لیکن ان اوامر اور نواہی کو بتانا اور دل نشین کر دینا ان برگزیدہ شعرا کے حصے میں آیا جن کے حروف شیریں کی طرف اقبالؔ نے اپنے بے مثل پیرائیہ بیان میں اشارہ کیا۔

محمدؐ بھی ترا جبریلؑ بھی قرآن بھی تیرا　　مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

لہٰذا نعت گوئی وہ عظیم شاعری ہے جو بقول ڈاکٹر سید حامد حسین گہری ارادت اور عقیدت کے تاثرات سے تحریک پاتی ہے۔ اس میدان میں شاعر نہ تو اپنی فکر کو بے لگام چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی موضوع سخن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی لیے اچھی نعتیہ شاعری غزل کی روایتی شاعری سے کہیں مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے غزل گو شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے جب کہ اچھے نعت گو شعرا کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں(۱)۔

علیم صباؔ کا شمار بھی ان معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے پے در پے مجموعے شائع کر کے ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے اپنا مقام شعر و ادب کی دنیا میں تسلیم کروالیا ہے۔ اپنی سنجیدگیٔ فکر، پاکیزگیٔ خیال، تنوع پسند طبیعت اور تازہ کار اسلوب سے نعت جیسی انتہائی مشکل اور معظم صنف میں بھی اس طوطیٔ سخن نے اپنی آواز کی شناخت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔

"ترسیلے" علیم صباؔ کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم جاپانی صنف شاعری "ہائیکو" کے رنگ میں 1986ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکو نظمیں شامل ہیں۔ (۱) پابند ہائیکو (۲) نثری ہائیکو۔ اردو میں صنفِ ہائیکو کو پہلی بار صباؔ نویدی نے نعت گوئی کے مقدس اظہار سے مالا مال کیا۔ "شعاعِ شرق"۔ "ترسیلے" ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں تقریباً سارے کے سارے پابند ہائیکو شامل ہیں۔ صبا نویدیؔ نے ہائیکو کے ایمائی اظہار سے فائدہ اٹھا کر سرورِ کونین کی مدح سرائی میں اپنی عقیدت مندی و اخلاص کا اظہار ایک نئے انداز و اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔ ہائیکو کی صورت میں پیش کردہ نعتوں میں ایک جامع اشاریت اور بلیغ رمزیت کا احساس ہوتا ہے جو ہائیکو کی محاکاتی فضا کو مزید تقویت بخشتا

---

(۱) "سراج الانور" ص ۸۲　:　ڈاکٹر سید حامد حسین

ہے۔ "ترسیلے" اور "شعاع شرق" میں شامل نعتوں میں شاعر اپنی جودتِ طبع سے اظہار کے نئے پیکر تراشتا اور ان کو اپنی مجتہدانہ کوششوں سے ایک نیا رنگ و روپ عطا کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر علیم صبا کے یہاں حمد و نعت کے مضامین جدت کی عبا اوڑھے ہوئے پورے تصدق کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

☆ آسمانوں کے بھید کا جوہر
سات عالم کے نور کا ماخذ
رونقِ کائنات کا مصدر

☆ ایک سورج وجود میں آیا
آدمیت کی روشنی لے کر
نیک لمحہ وجود میں آیا

☆ ذہن و دل کے سرور کا مرکز
نقش ہائے شعور سے آگے
محورِ لاشعور کا مرکز

☆ آئینہ دار جوہرِ ہستی
اوج تابانیٔ مہ و انجم
روز و شب کے جمال کی مستی

☆ آپؐ کے ذکر میں قلم کا سر
جھک گیا بصد عقیدت
اور الفاظ ہو گئے ہیں کم

آپؐ ہی آپ اول و آخر
آپ کا فیض روزِ محشر تک
آپ کا نور ساتوں عالم پر (ترسیلے)

☆ وہ ایک منبعِ علم و فن کا جلوس
ہے ارض و سما کی نگاہوں کا نور
سراپا تجلی سراپا خلوص

☆ وہ خیر البشرؐ ہے وہ خیر الامم
جمالِ شعور زمیں آسماں
وہ ہے جب دھڑکتے دلوں کا حرم

☆ وہ ہے ہر کہر کی چمک کا فلک
سمندر کے جلووں کا رمز آشنا
اجاگر ہے جس سے صدف کی مہک (شعاع شرق)

"سراپا نور" صبا نویدی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جو 1988ء میں شائع ہوا۔ اس میں شامل نعتوں میں شاعر کی عقیدتِ رسول ﷺ نے بھرپور تخلیقی اظہار پایا ہے۔ مدحتِ پیغمبرؐ اور عشقِ رسول ﷺ میں سرشاری کو علیم دنیا و آخرت کے لیے وسیلۂ نجات اور ذاتِ کبریائی سے قربت کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔

یہ مدحتِ رسولؐ یہ ذکرِ شہِ اممؐ — بس اے صبا نویدیؔ یہی زادِ راہ ہے

آزاد غزل، نثری نظم، ہائیکو، سانیٹ اور دوسرے طرح طرح کے تجربے کرنے والا یہ شاعر جب نعت گوئی کی طرف رجوع ہوتا ہے تو سراپا عجز و انکساری بن کر اپنے فن و جوہر کی جلا پاشی ہی نہیں بلکہ اپنے نصیب کو بھی روشن کر لیتا ہے۔

لیا ان آپؐ سے رشتہ ہے چاند کا — روشن نصیب ہو گیا اپنی نگاہ کا

آپؐ کا نقشِ قدم چوم لیا ہے جب سے مجھ سے آگے نہ کبھی کوئی زمانہ نکلا
میں سراپا آئینہ ہوں آئینہ میرا فن اور میرا جوہر ہیں نبیؐ

1990ء میں علیم صبا نے اردو زبان و ادب میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ "نورالسمٰوات" کے زیرِ عنوان شائع کر کے سانیٹ کی ہیئت میں نعت کے موضوع کو نئے اسالیب میں ڈھالنے کا سہرا بھی اپنے ہی سر باندھا ہے۔ اپنے عہد کے پیرایۂ اظہار کو نعتیہ مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں جو سرعت رفتار صبا نویدی نے دکھائی ہے اس کے پیشِ نظر علی جواد زیدی کہتے ہیں:

"علیم صبا نویدی ہمارے بے انتہا فعال اور توانا جنوب میں نئی شناختوں کے پرچم لہرا رہے ہیں اور ہماری غیر مقیّد حدود کو ان وسعتوں سے آشنا کر رہے ہیں جو تامل ناڈو کی پیدا کردہ ہیں۔"(۱)

اور ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری اس کی خلّاقانہ صلاحیتوں اور نئی تخلیقی فعالیت سے متاثر ہو کر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"علیم صبا نویدی کی ندرت تخیل اور تخلیقی سفر میں رکاوٹ اور تھکاوٹ کا شائبہ نہیں۔ جنوب کے اس مجذوب شاعر کو میں کھلی دھوپ کا مسافر کہتا ہوں جو کسی سایۂ شجر کا مرہونِ منّت نہیں ہے سفر اور مدام سفر کا قائل ہے۔"(۲)

"نورالسمٰوات" کی نعتیہ سانیٹوں میں علیم صبا نویدی نے اپنے تخلیقی جوہر اور فنکارانہ صلاحیتوں کو بڑی خوبی سے نبھایا۔ اس کی خلّاقانہ ذہنیت اور فن کارانہ تخیل کے باوجود اس کا عقیدت مند دل سراپا نیاز بن کر خاصۂ خاصانِ رسل کی مدحت سرائی میں اپنی دیکران وار فتگی کے سبب گہری محویت اختیار کر لیتا ہے۔ ان نعتیہ سانیٹوں میں اس کی تخلیقی شخصیت کا متوازن، منظم اور توانا پہلو واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ میرے اس بیان کی تصدیق کے لیے نعتیہ سانیٹ سے ماخوذ چیدہ چیدہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

صاحبِ کون و مکاں سیدِ لولاک ہیں وہ
ان سے ذہنوں میں تجلّی کا سماں پھیلا ہے
یہ زمیں پھیلی افق پھیلا جہاں پھیلا
دونوں عالم کے لیے صاحبِ ادراک ہیں وہ

---

(۱) علی جواد زیدی کے تاثرات ماخوذ از "ترسیل"

(۲) ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری ص: ۱۰۹ "شعاعِ شرق"

مرے فکر و فن کا ہے روشن ضمیر
مرے حوصلوں کی ہے اونچی اڑان
ہے پاکیزہ سب سے مری آن بان
میں دربار احمدؐ کا ہوں اک فقیر
فقیری پہ اپنی مجھے ناز ہے
نرالا مرا شاہی انداز ہے

جذبۂ عشق محمد ﷺ کا سفر ہے نوری
راہ بر محسنِ اعظم کے معطر جلوے
مہرباں ذات مقدس کے منور جلوے
منزلیں جلوہ فشاں راہ گذر ہے نوری
مدحت شاہ زمنؐ کا ہے نظارا ہر سو
پھول ہی پھول ہیں، جلوؤں سے لدی ہے خوشبو

شہنشاہ دیںؐ کا یہ فیضان ہے
یہ سانسوں کی دھڑکن لہو کا سفر
یہ ہونٹوں کی جنبش بیاں کے گہر
محمد ﷺ کا ہر شئے پہ احسان ہے
محمد ﷺ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم
نہ اظہار ہوتا نہ نقشِ قلم

ذرّے ذرّے کو ملا حسنِ جمال دلبر
آبِ کوثر میں نہائے ہوئے آئے منظر
زندگی کرنے لگی ان کے ہی روضہ کا طواف
باوضو ذات ہوئی نیک ہوئے ہیں اوصاف

نعت گوئی کے دوران عشق احمدؐ میں سرشاری کے لیے جو دار فتگی، عقل و فہم اور علم و آگہی

---

(۲) ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری ص: ۱۰۹ "شعاع شرق"

مطلوب ہے صبا نویدی کی مذکورہ سانیٹ اس کی بولتی تصویر ہیں جن میں اخلاص و عاجزی کی صفات انتہائی عروج پر ہیں۔ اس نے ایک نعت گو شاعر ہونے کی حیثیت سے خاصۂ خاصان رسل کی مدح سرائی جس خلوص و محویت اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ کی ہے اس سے میرے ایک دیرینہ خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ علیم صبآ کا نعتیہ کلام ہمارے لیے عہدِ حاضر کا ایک ایسا مقدس سرچشمہ ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اندر رسول عربیؐ سے والہانہ عقیدت مندی اور وارفتگی کا جذبہ بیدار ہو سکتا ہے اور اسی جذبہ سے سرشار ہو کر ملت اسلامیہ کا ہر فرد علیم کی طرح دین و دنیا میں ایک خوش نصیب امتی بن سکتا ہے ۔

سچ سچ صبا نویدی وہ خوش بخت ہیں بہت　　　خوابوں میں جن کی روشنی دل ہے آپؐ کی

حافظ حبیب الرحمٰن سیال بخشی

سندھی مولود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا ذکر

کتب تواریخ شاہد ہیں کہ سندھ دھرتی نے بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ہی عرب دنیا سے اپنا ناطہ جوڑا ہوا تھا۔ اعلان نبوت سے پہلے ہی چشمانِ رحمت میں پسندیدہ مقام حاصل کر چکی تھی۔ یہ اعزاز مقامی لوگوں کے لئے باعث افتخار ہے۔ یہ قدیم تعلق مقامی لوگوں نے پرانا نہیں ہونے دیا بلکہ اس تعلق کو زندگی کے اطوار میں اس طرح ڈھالا ہے کہ یہ حیات کا ایک اٹوٹ جزبن کر رہ گیا ہے۔

نعت اور مولود کا منبع مدحت ایک ہی ہے لیکن مولود کو یہ منفرد حیثیت بھی حاصل ہے کہ اسے سندھی شعراء نے زندگی کے اہم مواقع پر خاص مقام دے رکھا ہے۔ عقیقہ، شادی اور فوتیدگی کے مواقع پر ایسے مولود کہے جاتے ہیں جن میں موقعہ کی مناسبت سے آپ ﷺ کا ذکر ہوتا ہے۔ سندھی لغت میں "مولود" کے معنی "جنازے کے آگے سُر کے ساتھ پڑھا جانے والا آپ ﷺ کی تعریف میں کلام" ہیں(۱)
سندھ میں اوائل سے یہ دستور ہے کہ میّت کو سپردِ لحد کرنے کے لئے لے جاتے وقت ایسے مولود کہے جاتے ہیں جن میں آپ ﷺ کی رحلت کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی طرح شادی کے وقت خواتین عموماً ایسے مولود یا گیت گاتی ہیں جن میں آپ ﷺ کی شادی مبارک کا ذکر ہوتا ہے۔ یا یوں کہہ لیا جائے کہ مقامی لوگ اپنی شادی پر آپ ﷺ کی شادی مبارک یاد کر کے اپنی خوشی کو دوبالا کرتے ہیں۔ فوتیدگی کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے غم کو یاد کر کے اپنے غم کو کم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو اپنے غم میں شریک کرتے ہیں۔ یہ ایمان کی پختگی کا ایک شاندار پہلو ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شادی مبارک کے موضوع پر بے شمار شعراء نے ھدیۂ تبرک پیش کیا ہے۔ اس موضوع پر خاص بات یہ ہے کہ سندھی شعراء نے "مولود" میں آپ کی شادی کو عرب نہیں بلکہ "سندھ کی شادی" کے پس منظر میں دکھایا ہے چنانچہ اس میں وہی رسم و رواج اور طور طریقے بیان کئے ہیں جو سندھ میں شادی کے موقع پر مروّج ہیں اور جو یہاں کی لوک روایات ہیں۔

اس موضوع پر کئی شعراء نے ھدیۂ تبرک کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ہم یہاں پر مختصراً ان کے کلام کا ذکر کر رہے ہیں۔ مخدوم عبدالرؤف بھٹی "مولود کے اولین شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے

۷۲ مولود شریف موجود ہیں۔ ان کے کلام میں خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی ولادت باسعادت سے لیکر رحلت مبارک تک کے موضوع تواتر کے ساتھ بیان کئے ہیں گویا کہ ان کے "مولود" آپ کی حیات طیبہ کے واقعات کے یکے بعد دیگرے دستاویز ہیں۔

ہم یہاں پر سندھی کلام اردو رسم الخط میں پیش کر رہے ہیں تاکہ اردو داں طبقہ بھی اس سے لطف اندوز ہو سکے۔

مخدوم عبدالرؤف بھٹی

اچ تھو سرور جنھن لاءِ سُر ہی سیج وچھایو
سو تہ ملکن لکھ ھزار جانجی کرے آیو
حضرت جی سیج تے موتین مینھن وٹھا
پیڈون گھوڑوں گھوٹ متھاں

یعنی آتے ہیں سرور، جن کے لئے خوشبودار سیج بچھاؤ۔ جو اپنے ساتھ ہزاروں لاکھوں فرشتے براتی لیکر آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی سیج پر اتنے ہیرے موتی نچھاور کئے گئے ہیں کہ گویا موتیوں کی بارش ہوئی ہے۔ یہ موتی آپ پر صدقہ ہو رہے ہیں۔

آیو گھوڑو گھوٹ لئے، جنھں تے ساز سُٹھا
پر نے رات رسول جے، حُورن موڑ بدھا
میر مدینے جو مُوں گھر آیو
بھلی کرے آیو، سُر ہی سیج وچھایو
جیڈیون! میر مدینے جو جام (۲)

یعنی دولھے کے لئے جو گھوڑا آیا ہے وہ اچھے ساز و سامان سے سجا ہے۔ شب عروسی نبی کریمؐ کو حوروں نے سہرا باندھا۔ (اُمّ المومنینؓ فرماتی ہیں) مدینے کا سردار میرے گھر آیا ہے۔ خوب آیا ہے۔ اس کے لئے خوشبودار سیج بچھالو۔ ہم جولیو! دیکھو مدینے کا سردار آیا ہے۔

رمضان واڈھو

گایو گایو سہرا گایو گھوٹ گھوڑے تے چڑھی آیو
جھڑی گوڑ اُبھن میں رجھو ساز ن حُل مچایو

یعنی گاؤ گاؤ گیت گاؤ۔ دیکھو! دولھا گھوڑے پر چڑھ کر آیا ہے۔ آپ ﷺ کی شادی پر جیسا شور آسمانوں میں ہے ایسا ہی شہنائیاں اور ساز بھی کر رہے ہیں۔

خوش رتھیو محمد میر' سبھ سنج تھیا
پڑھی نکاح خوش تھیو' ابو طالب امیر
خوش تھی پچھی ماسی عاتکہؓ پیئاؤں کھنڈوں کھیر (۳)

یعنی خوش ہوئے محمد میر ﷺ سب کام آساں ہوئے۔ ابو طالب سردار بھی نکاح پر خوش ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خالہ بی بی عاتکہؓ بھی خوش ہیں۔ سب خوشی سے میٹھا دودھ پی رہے ہیں۔

عبداللہ اداسی

پرنے رات رسول جے' چمن کھلیا چودھار۔ الا
بدھا موڑ محبت کھے' صدیق اکبر یار۔ الا
موڑن سریوں سون جوں' گل گلابی گلزار۔ الا
مانک موتی جن میں' لعلن لکھ ھزار۔ الا

یعنی آنحضرت ﷺ کی شادی والی رات ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں۔ محبت کرنے والے رسول کو اپنے دوست صدیق اکبرؓ نے سہرا باندھا۔ اس سہرے پر سونے کی لیس اور لال گلابی پھول گوٹے بیٹھے ہیں جن پر لاکھوں ہزاروں موتی اور ہیرے جڑے ہیں۔ (۴)

لدھو

گھوروں گھوٹ متھاں گلزار' عطر عنبر چھنکار
' مینڈی آنداؤں میر لئے' رین چنگی تنھں رات میں
سیج دھاریاؤں سو سردار

یعنی دولھے پر پھول' عطر اور عنبر نچھاور کئے جا رہے ہیں۔ اس رات سردار کے لئے مینڈی خوب سجا کر لائے ہیں پھر ایسے عالی مرتبہ سردار کو سیج پر بٹھایا ہے۔

کپڑا آنداؤں قیمتی' اسباب مڑئی اثباتی
جن تے مشک کتھوری مُھکار
حوروں ھزاریں آئیوں' اگیاں احمد جام جے
گایاؤں گاچ ہزار (۵)

یعنی آپ کے لئے قیمتی لباس لائے ہیں اور جو بھی سامان ہے بہترین ہے۔ تمام اسباب سے مشک اور کستوری کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔ احمد مرسل ﷺ کے حضور ہزاروں حوروں نے حاضر ہو کر گیت

سنائے ہیں۔

موسیٰ

مٹھے محمد موڑ بدھا' جنیٔ حضرت لاگ لدھا

گھوٹ گھمی گھر آیو

سید کیو سینگار' محمد تھیو مہندار

جنھن کھے دھنی پان پرھایو

تارن جوت دئی' بج نہ سگھے تاب سہی

آچی قمر کندھ نمایو (٦)

یعنی میٹھے محمد ﷺ نے سر باندھا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے انعام پائے ہیں۔ دولھا گشت کر کے سسرال کے ہاں آیا ہے۔ سید سرور ﷺ نے سنگھار کیا ہوا ہے اور سردار بنے ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو رب پاک نے خود ملبوس فرمایا ہے۔ آپ کے دولھا بننے پر ستاروں نے بھی آپ کا حسن دیکھ کر اپنی روشنی گنوادی ہے۔ سورج بھی آپ کے حسن کی تاب برداشت نہیں کر سکا۔ چاند نے حاضر ہو کر سر خم کیا ہے۔

لعل محمد

آئی رات سہاگ جی' کیئیں تھیا سینگار

ملکن مشک ورھایو' حورن بدھا ہار

آیو محمد عربیؐ' موڑ بدھی مہندار

لالن لاٹون لدھیوں' تھیڑی سیج تیار

یعنی آج سہاگ رات ہے۔ دولھا اور دلھن کو بے شمار سنگھار کئے گئے ہیں۔ فرشتے براتیوں میں خوشبو بانٹ رہے ہیں۔ حوران جنت نے آپ ﷺ کو ہار پہنائے ہیں۔ محمد عربی ﷺ سر باندھ کر آئے ہیں۔ آپ کو دولھن کے ساتھ ٹکریں لگائی گئی ہیں اور آپ کے لئے عمدہ سیج بھی تیار کی گئی ہے۔ (ٹکریں لگانا = شادی کی ایک لوک رسم)

گھوٹ گھوڑے چڑھیو ڈر بدھی دستار

ڈسی خدیجہ خوش تھی' دوستانو دیدار

رمزی عربیانوں آیوں' جوڑ وڈی جھلسار

گاج گایا لڑوں رسول تاں' طرح وڈی تنوار (۷)

یعنی دوجہاں کے سردار محمد عربی ﷺ دولھابن کر دستار مبارک پر سہرے لگاکر گھوڑے پر چڑھ کر آئے ہیں۔ ایسے محبوب کو دیکھ کر اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ خوش ہو رہی ہیں۔ عرب کی عورتیں بڑی بڑی ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر رسول کریم ﷺ کی شادی کے گیت بلند اور خوبصورت آواز میں سنا رہی ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح سندھی شعراء نے آپ ﷺ کی شادی کے منظر کو پیش کیا ہے۔ جا بطور پر یہ ایک مقامی کی شادی معلوم ہو رہی ہے ایسی لوک روایات پیش کی گئی ہیں جو صرف سندھ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ شاعر لعل محمد کے مولود میں ایک لوک رسم "لاؤں" کا ذکر ہے۔

لاَلَن لاوُں لدِھیوں' تھیڑی سیج تیار

اس رسم میں دُولھا اور دُلھن کو آمنے سامنے بٹھا کر عزیز و اقارب دونوں کے سروں کو آپس میں ملاتے ہیں۔ ٹکریں لگاتے ہیں۔ یہ خالص سندھی لوک رسم ہے لیکن شاعر نے محبت میں آپ کو اپنا مقامی تصور کر کے یہ رسم ادا کرتے دکھایا ہے۔ اسی طرح اور بھی کافی باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

اردو میں آپ ﷺ کی شادی مبارک کو "نعت" کا موضوع بنایا گیا ہے لیکن "مولود" والی خصوصیت یعنی لوک روایات کا استعمال نہیں ہے چنانچہ اس کو ہم مولود کی منفرد حیثیت کہہ سکتے ہیں۔

حواشی

(۱) بلوچ نبی بخش خان ڈاکٹر "سندھی جامع لغات" سندھی ادبی بورڈ جامشورو ۱۹۹۰ء جلد ۵ ص ۵۳۱
(۲) بلوچ نبی بخش خان ڈاکٹر "مولود" (مرتب) سندھی ادبی بورڈ جامشورو ۱۹۶۰ء ص ۴۰
(۳) ایضا ص ۲۰۸ ۲۰۷
(۴) ایضا ص ۳۰۲
(۵) ایضا ص ۳۸۱
(۶) ایضا ص ۳۹۱
(۷) ایضا ص ۳۷۷

غوث بخش صابر

نعت نبی ﷺ بلوچی اور براہوئی میں

بلوچی براہوئی زبانیں پاکستان کی اہم ترین زبانوں میں سے ہیں جو صوبہ بلوچستان کے وسیع و عریض علاقوں کے علاوہ اندرون پاکستان سندھ اور ڈیرہ جات میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ براہوئی زبان کا پھیلاؤ اگر پاکستان میں ہے تو بلوچی زبان پاکستان سے باہر ایران اور افغانستان' خلیجی ریاستوں میں بھی عوام کی ایک بہت بڑی تعداد کا ذریعۂ اظہار لبلاغ ہے۔

تاریخی اعتبار سے بلوچی براہوئی دونوں زبانوں کی قدامت مسلّم ہے۔ دور حاضر میں لسانیات کے محققین ان زبانوں کے وجود کو پانچ ہزار سال قبل تک وسعت دے کر قدیم تہذیبوں سے ان کا رشتہ استوار کرتے ہیں۔ تاہم یہ موقع ایسا نہیں کہ ان زبانوں کی تاریخی قدامت پر گفتگو کے لئے موزوں ہو۔ یہاں ان زبانوں کی ادبی اور شعری استعداد پر نظر ڈالنا مقصود ہے۔ خصوصاً شعری سرمائے میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی نعت ہمارا موضوع ہے۔

بلوچی براہوئی جن کی قومی تجسیم جدا نہیں صرف زبان کے اعتبار سے الگ الگ زبانوں کے مالک ہیں بالکل اس طرح جیسے پاکستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن وحدت کے اعتبار سے پاکستانی ایک قوم ہیں۔ چونکہ دونوں قومیوں میں فکری' تہذیبی اور ثقافتی یگانگت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے ان کا فکری اور اسالیبی ذوق و انداز بھی ایک جیسا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان زبانوں کے بولنے والے اسلام پر پختہ یقین کے مالک ہیں اور اسی سرچشمۂ نور سے فیضان پاتے آئے ہیں اس لئے حضور اکرم ﷺ کی مدحت و نعت میں ایک جیسے جذبات کا اظہار ان زبانوں کا خاصہ ہے۔

اس سے پہلے کہ بلوچی اور براہوئی زبانوں میں نبی ﷺ کی نعت کا مذکور ہو یہ ضروری ہے کہ ان زبانوں کی شعری روایات کا حوالہ دیا جائے جو اردو' فارسی کی شعری روایات کے برعکس ہے۔ اردو فارسی زبانوں میں نعت دوسری اصناف سخن کی طرح ایک علیحدہ صنف ہے جبکہ بلوچی براہوئی میں بالخصوص قدیم شاعری میں نعت کے اشعار نظم کے حصے بنے ہوئے ملتے ہیں۔ جن اصحاب نے قصیدے کو بنظر غائر دیکھا ہے

اور اس کے فنی موضوعات کا ادراک رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قصیدہ چار عناصر سے مل کر بنتا ہے یعنی مدح، تشبیب، گریز اور مخلص۔ بلوچی اور براھوئی شعر یعنی نظم کی ہیئت بھی اس سے ملتی جلتی ہے گو کہ ان زبانوں میں خودداری و پندار قصیدہ گوئی کے متحمل نہیں رہے تاہم قدیم اور کلاسیکی دور کی بلوچی براھوئی شاعری ان مذکورہ درجات میں تقسیم ملتی ہے شاعر اپنی نظم کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے کرتا ہے اس کے فوراً بعد نبی ﷺ کی نعت کے اشعار لاتا ہے، یہاں سے وہ خلفائے راشدینؓ کی منقبت کی طرف گریز کرتا ہے ان مراحل کی تکمیل کے بعد اپنا مقصد بیان کرتا ہے۔ موضوعات خواہ جنگی ہوں، رنگی ہوں واقعاتی ہوں یا خاص علمی اس روایت کا احترام ہر حال میں کیا جاتا ہے۔

بلوچی قدیم شاعری پر تحقیق جاری ہے اس کی چند ایک تاریخی منظومات میں اس روایت کا التزام نہیں ملتا ورنہ بلوچی شاعری میں متوسطین کا دور تو اس کی صحیح تصویر ہے۔ بلوچی میں درمیانی دور کے شعراء چونکہ عربی فارسی مدارس سے فارغ التحصیل تھے اس لئے ان کی زبان اپنے دور کے رنگ میں رنگی ہوئی ملتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں عربی فارسی کے الفاظ بے تکلفانہ لاتے ہیں۔ ان شعراء میں مُلّا فاضل رند مُلّا قاسم، مُلّا ابراہیم، مُلّا بوہیر، مُلّا عبداللہ، مُلّا بہادر کے نام قابل ذکر ہیں جن کی نعتوں کے اشعار بالترتیب پیش خدمت ہیں مُلّا فاضل اپنے دیوان کی پہلی نظم میں اس طرح ابتداء کرتے ہیں۔

ترجمہ :

میں کہ سبحان احمدی اسریٰ سے ابتدا کرتا ہوں
اپنی زبان سے اس ذات پاک کے لئے موتی رولتا ہوں

نبیؐ جو انبیاء کا سردار ہے اس پر درود
سو بار درود اور سلام بھیجتا ہوں

مُلّا ابراہیم کا موضوع جنگی اور واقعاتی شاعری رہا ہے انہوں نے طویل اسلامی جنگ نامے نظم کئے ہیں لیکن ہر نظم میں انہوں نے بھی اللہ جلّ شانہٗ کی حمد، سرور کائناتؐ کی نعت سے آغاز کیا ہے۔ ان نعتوں میں شامل ان کی رحمت للعالمینؐ کے لئے دلی محبت واضح نظر آتی ہے۔

ترجمہ :

میں ہر سحر خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں
وہ خدا جو پالنے والا ہے پیدا کئے ہوؤں کا
تو کریم ہے ذوالجلال ہے کبریا ہے
مجھ سے میری یہ دعا قبول فرما

ہر رنج و بلا سے مجھے محفوظ رکھ
حق یاسینؑ، طاہا جو نبی کریمؐ کے القاب ہیں
میں محمد مصطفیٰؐ کی نعت کا ورد کرتا ہوں
اور بے حساب درود پیش کرتا ہوں

ملا بہرام کی نعت میں بھی یہی جذبہ آسانی کار فرما ہے۔ وہ جنگ نامہ حضرت ادہمؓ بیان کرتے ہوئے اس طرح ابتداء کرتے ہیں۔

ترجمہ :

قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
پاک بِسْمِ اللّٰہ تو کہہ ہے رحمٰن الرحیم
یا الٰہی تو ہر درد کی شفا بخشتا ہے
میں ازل کے بادشاہ سے ایمان کی سلامتی کا طالب ہوں
اس کے بعد نعت سید ابرارؐ کرتا ہوں
مدح و اوصاف خلفائے راشدینؓ بیان کرتا ہوں

بلوچی میں نعت کا یہ انداز بہت سے شاعروں نے اپنایا ہے۔ لیکن درمیانی دور میں چند ایسے شعراء گزرے ہیں جن کا انداز متوسطین ہمعصر شعراء سے مختلف ہے۔ ان میں اٹھارویں صدی کا ملک الشعراء جام درک جس طرح منفرد شاعری کا بانی ہے اسی طرح نعت بھی اس نے رمز و ایجاز کی زبان میں کہی ہے۔ جام درک از راہ ادب سرور کونینؐ کا اسم گرامی درمیان میں نہیں لاتا صرف اپنے بیان کے ذریعے اظہار عقیدت کرتا ہے۔

ترجمہ :

ستائش کا سزاوار ہے چاند جیسی جبیں والا
سرحد کا نازک ترین محبوب
جو پھولوں سے بڑھ کر نازک ہے
نہ صرف نازک ہے بلکہ باوقار بھی ہے
ہم بے وفا ہیں بالیقین کب اس کی ستائش کے قابل
مہربانی کی ہم پر نظر فرما
محبوب جو ناز اور فر سلطانی کا مالک ہے
وہ بلاشبہ بادشاہ ہے

تمام بشر کا آغاز اسی سے ہے

بلوچی شعراء میں مست توکلی یک خدارسیدہ صوفی شاعر خیال کیے جاتے ہیں ہر چند کہ جذب و مستی طاری رہی ہے مگر توحید و رسالت سے عاری نہیں مست توکلی کی نعت میں جامی اور قدسی کا سوز و ساز پایا جاتا ہے۔

ترجمہ :

اے کریم اور سخی بنانے والے 'ستار العیوب

اپنی بخششوں سے ہم پر رحمت فرما

تیرے محبوبؐ کے وصل میں سچے راز پنہاں تھے

وہ محمد ﷺ کہ صداقت میں شیر صفت تھے

جس کے سر پر نوری طلائی تاج ہے جو سخاوت میں یکتا ہے

ہمیں تیرے پر نور دیدار کی طلب ہے

قیامت کے دن ہمیں اپنے دیدار سے نواز

بلوچی کلاسیکی دور کے آخری شاعر ابراہیم جوانسال بگٹی ہیں جن کا پورا کلام اسلامی تعلیمات کا بیان ہے جو منکرات سے روکتا ہے اور عبادات کی تلقین کرتا ہے۔ باوجودیکہ جوانسال مروجہ تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہوا لیکن اس کا وجدان حقیقی اسلامی معاشرے اور صحت مند عمل کو نہایت آسانی سے ذہن نشین کراتا ہے۔ جوانسال کی نعت نبی اکرم ﷺ سے دلی محبت کی مظہر ہے۔

ترجمہ : محمد ﷺ آپ پر سایہ سر تاج ہے

محمد ﷺ قدرت کا معجزہ ہے

محمد ﷺ دکھ اور درد کی دوا ہے

محمد ﷺ ! ہم بہت بڑے گناہگار ہیں

محمد ﷺ ! ہمیں آپ کا امید اور سہارا چاہیے

محمد ﷺ ! حشر کی گھڑی میں مدد فرمائیے

محمد ﷺ ! اس روز سورج کی شدت سے بچائیے

محمد ﷺ ! اس روز خدا خود قاضی ہوگا

محمد ﷺ ! اس روز حقیقی انصاف ہوگا

محمد ﷺ ! ہماری نگاہیں آپ کی متلاشی ہوں گی

محمد ﷺ ! آپ آکرامت کی دستگیری فرمائیں

محمد ﷺ آپ ہی امت کے رہنما بن جائیں

محمد ﷺ آپ ہماری آنکھوں کا نور ہیں

محمد ﷺ آپ مظہر نور ہدایت ہیں

جو آپ ﷺ کو نہ مانے وہ ایمان سے تہی ہے

میری جان آپ ﷺ پر فدا ہو

آپ ﷺ کا حامی وناصر خود خدا ہے

آپ ﷺ خدا کے محبوب نور انور ہیں

عرش پر دو ہی نام ہیں خدا کا آپ ﷺ کا

کوئی عظمت میں آپ ﷺ کے برابر نہیں

آپ ﷺ دلوں کے سرور اور خنک ابر اور پھوار ہیں

براہوئی بلوچستان کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے۔ السنہ شرقیہ کے ماہرین کے مطابق "خدمت ء" کے نام سے اس زبان میں پہلی تالیف تیرھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اس علاقے میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے براہوئی زبان میں تخلیقی سرگرمیاں صرف لوک ادب تک محدود ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی آئیں تاہم انگریزوں کی عملداری میں جیسے کے ان کی روایت رہی کہ جس علاقے میں وہ قابض ہوئے وہاں مشنری سرگرمیوں کو فروغ دیا کرتے بلوچستان میں بھی ایسی سرگرمیوں کی روک تھام کی مساعی نے براہوئی کے شعری ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا اور مذہب سے برگشتہ کرنے والوں کے مقابلے میں بلوچستان کے علماء اور صوفیاء آگے آئے اور اپنی شعری تصانیف وتالیف کے ذریعے انگریزی حربوں کا توڑ کیا۔ ان علماء صوفیاء اور شعراء کی فہرست میں بہت سی نادر ہستیوں کے نام آتے ہیں جن میں علامہ محمد فاضل درخانی، مولانا عبدالحی، حاجی تتو جان، مولانا عبدالمجید، حضرت علامہ محمد عمر دینپوری، حاجی گل محمد اور مشہور صوفی شاعر تاج محمد تاجل نے براہوئی شعری ادب کی آبیاری کی۔ ان بزرگوں نے اسلام کی حقانیت کے اظہار کے لئے عام فہم زبان میں شعر وسخن کے ذریعے دینی امور کی تشریح اور پند وموعظت پر بہت بڑا سرمایہ زبان کو دیا۔ یہ تمام کتب مرور ایام سے اب نایاب ہیں لیکن موجودہ دور کے محققین نے عوام کی زبانی سن کر یا مختلف ذریعوں سے تلاش وجستجو کر کے ان کے حوالے دیے ہیں۔

براہوئی زبان نے البتہ شعری تخلیقات میں بلوچی شاعری کی قدیم روایت سے ہٹ کر عربی اور فارسی کی تقلید میں حمد، نعت، مناقب اور غزل کے علیحدہ علیحدہ عنوانات قائم کیے ہیں۔ قدیم شعری اثاثہ

چونکہ پیش نظر نہیں اس لئے دستیاب حوالوں کی حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ براہوئی میں نعت کا انداز بھی تقریباً وہی ہے جو فارسی میں شعراء کے سامنے پہلے سے موجود تھا۔ اس میں 'یہ عنوان سے صرف نظر کریں بھی تو غزل کے اشعار میں ایسے مضامین اور مطالب ملتے ہیں جو سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی محبت اور اور آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ محمد عمر دین پوری کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ :

میں محبوب کی حسن بے مثال کا عاشق ہوں
آپ ﷺ کے در کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے
میں تو ایک نظر دیکھ کر ہی ہوش گنوا بیٹھا
اس کی کیا حالت ہو گی جو ہموار نظارہ دید کرے

حاجی عبدالمجید چوتوی کی نعت صرف مدحت تک محدود نہیں بلکہ وہ تعلیمات اسلامی کا اعادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو سطحی نظریات سے بچاتے ہوئے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور علم کو عمل سے مشروط قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ :

(اے مسلمان) خدا نے تجھے علم عطا فرمایا ہے عمل صالح کر
تاکہ خداوند تعالیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تم سے خوش ہوں
یہ علم نبی ﷺ کی وراثت ہے جو تم تک پہنچا ہے
اس سے فیض پا کر سنگ پارس کی مانند ہو جا

یہ تو چیدہ چیدہ اشعار تھے۔ براہوئی زبان کے بہت سے شعراء کے ہاں نعت کے اشعار اسی انداز میں ملتے ہیں جو موجودہ دور کی روایت کے مطابق ہیں۔ حاجی گل محمد کی کتاب "تحفۃ الفقراء" میں حمد باری تعالیٰ کے بعد نعت رسولؐ ۲۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند اشعار کے حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ترجمہ :

خداوند! مجھے دانائی عطا فرما تاکہ میں تیرے رسولؐ کی ثنا کروں
مجھے اس بات کی تمنا ہے کہ میں محمد ﷺ پر قربان ہو جاؤں
خدا تعالیٰ نے آپؐ کو پیدا کیا آپؐ کی شان اس طرح بیان فرمائی
کہ یہ ساری خدائی محمد ﷺ کی خاطر پیدا کی ہے
مجھ میں یہ قدرت کہاں کہ محمد ﷺ کی ستائش کروں

جو سر تاج مرسلین ہے اور جس کی شان بہت بلند ہے

علامہ ہو جان اپنے وقت کے جید علمائے دین میں سے ہیں آپ کی دینی خدمات کا دائرہ احاطۂ بیان میں نہیں آتا۔ آپ کی نعت کے یہ اشعار بلوچستان کے عوام نے اب تک حفظ رجال کیے ہیں۔

ترجمہ :

محمد ﷺ نبی کی تشریف آوری ہے ہمیں رہنمائی ملنے کو ہے

امر و نہی کے سلسلے میں ہمیں نبی ﷺ کی پیروی کرنی چاہیے

جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے وہ دین کی طرف آئے

محمد ﷺ ہمارے دل و جان ہیں ہمیں نبیؐ کی پیروی کرنی چاہیے

براہوئی شاعری میں تاج محمد تاجل کا مقام اس زبان کے دوسرے شعراء سے بہت بلند ہے۔

تاجل کے تذکرہ نگاروں نے براہوئی شاعری میں اسے سندھ کے عبداللطیف بھٹائی" سرائیکی کے بچل سرمست"، پنجابی کے حضرت بلھے شاہؒ اور پشتو میں رحمان بابا" کے پائے کا شاعر لکھا ہے۔ اگر اس میں مبالغہ بھی کیا گیا ہو تب بھی یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تاج محمد تاجل اپنے علاقہ میں ان عظیم صوفی شعراء کی طرح مقبول ہیں جن کا کلام زبان زد عوام ہے۔ تاجل کا میدان طبع چونکہ تصوف کی طرف ہے اور تصوف عبارت ہے توحید و رسالت سے کہ اس کے بغیر تصوف میں معرفت کا رنگ نہیں آ سکتا بلدیں تاجل کی شاعری میں سوز و گداز، رموز و اسرار اور صداقت کی صدا واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ تاجل کی نعت میں رحمت للعالمین ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر جمیل :

ترجمہ :

ہمیں اپنے مولا سے سدا عشق ہے، صدا شکر تیرا مولا

محمد الرسول اللہؐ آپ کا محبوب گل خوش رنگ

حضرت حسنؓ گلاب کا پھول حضرت حسینؓ ہمارا جد امجد

خاتون جنتؓ باوقار علیؓ کو لقب سر تاج

ابو بکرؓ صدیق تصدیق اور حضرت عمرؓ مثل لعل درخشاں

حضرت عثمانؓ سخاوت میں لاہوت علیؓ نسب میں اعلیٰ

سحر کہ غوث اعظمؒ کی یاد، حیا، روزی اور اولاد

اول و آخر آبادی ہماری طلب ہے

فقیر تاجل کا وطیرہ صبر و شکر ہے باطن میں محمد ﷺ

جو ہمارا مربی شافی اور روز و شب ورد

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (بھارت)

سریش بھٹ کی ایک مراٹھی نعت کا تجزیہ

"ورفعنالک ذکرک" کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے' اللہ کے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چہار دانگ عالم میں ہر زمانے اور ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یوروپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقہ اور اسٹریلیا کی بعض غیر متمدن اقوام کی غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول کا ذکر نہایت والہانہ و عقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں اذانوں میں "محمد رسول اللہ" کی گونج ہے تو کہیں اوراد و اذکار میں نام رسولؐ ورد زبان ہے۔ کہیں محافل وجد و سماع میں ذکر رسولؐ پر سر دھنے جا رہے ہیں تو کہیں میلاد کے جلسوں میں مدحت حبیبؐ ہو رہی ہے۔ تسبیحات میں درود و صلوٰۃ کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوٰۃ و سلام پڑھے جا رہے ہیں۔ غرضکہ ذکر حبیبؐ محلوں میں بھی ہے کاشانوں میں بھی۔ خانقاہوں میں اللہ ھو کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر ہے تو مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کی صدا' دشت و صحراؤں میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشت زاروں میں بھی اس کی پکار۔ یاد رسول پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی۔ سمندروں کے سینوں پر بھی انسان ذکر رسول میں رطب اللسان ہے تو بسیط فضاؤں میں ہواؤں کے دوش پر بھی رسول کی یاد دلوں کا انبساط اور روح کی نشاط۔ اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ فضاؤں سے پرے خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی یاد رسولؐ میں صلوٰۃ و سلام کا آوازہ بلند رہتا ہے۔

برصغیر میں اردو' ہندی کے بعد آرین زبانوں میں مراٹھی ترقی یافتہ زبان سمجھی جاتی ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ شروع ہی سے یہ زبان و ادب بالراست عرب کلچر و زبان سے متاثر ہوئے ہیں۔ چنانچہ بھارت کی صوبائی زبانوں میں مراٹھی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی فارسی کے دخیل الفاظ اس کے اپنے ذخیرہ الفاظ سے زیادہ ہیں۔ وہ اصناف ادب جو خالصتاً مسلم ادبی کلچر کے مرہون احسان رہے ہیں' مراٹھی زبان نے ان میں سے بعض کو جوں کا توں قبول کر لیا ہے یہی وجہ ہے کہ حمد و نعت اور سلام و مرائی جیسی خالص مذہبی اصناف سخن بھی مراٹھی میں ملتی ہیں۔ بھارت کے دیگر صوبوں کے بالمقابل مہاراشٹر میں ہندو مسلم

قوموں کا باہمی ربط اور آپسی بھائی چارہ سماجی سطح پر کچھ زیادہ ہی رہا ہے اور اس کے تاریخی شواہد آٹھویں صدی عیسوی سے ملتے ہیں۔ یہاں کے راشٹر کوٹہ خاندان کے بادشاہ (ولبھ رائے گوند سوم ۷۹۳ء۔ ۸۱۴ء اور اموگھ ورشا ۸۱۴ء۔ ۸۷۷ء) مسلمانوں کے شرعی احکام کی بجا آوری کے لئے مسلمان قاضی (جنہیں مقامی زبان میں ''ہنرمن'' کہا جاتا تھا) اپنے درباروں میں رکھتے تھے اور بادشاہ ان کے فیصلوں پر تکیہ کرتا تھا۔ یہاں ان تاریخی حقائق کو پیش کرنے کا محل نہیں ہے۔ میری کتاب ''اردو۔ مراٹھی کے تہذیبی رشتے'' میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بہر کیف اس روابط باہمی کے دور رس اور خوش گوار اثرات اردو۔ مراٹھی ہر دو ادب و زبان پر بھی مرتب ہوئے چنانچہ مراٹھی ادب میں نعت کا جو سرمایہ ہے اس کے ابتدائی نقوش مراٹھی کے سنت شاعر ایکناتھ مہاراج (پ ۱۵۳۳ء) کے یہاں ملتے ہیں۔ انہوں نے نعت رسولؐ لکھ کر اپنی عقیدت کو آپ کی ذات سے وابستہ کرلیا ہے۔ اس نعت کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ کسی ہندو شاعر کی لکھی ہوئی پہلی نعت ہے۔ جس میں شاعر نے رام۔ کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر منفصل سلسلہ کو تلاش کر کے ان کا نقطہ اتصال محمدؐ کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔ ایکناتھ کے بعد ہندو سنتوں کا طویل سلسلہ ہے جو عصر حاضر کے تکڑوجی مہاراج تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے کے کئی شعراء ہیں جنہوں نے مراٹھی میں نعتیں لکھی ہیں یا اپنے مراٹھی اشعار میں حضورؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن غیر صوفی سنتوں میں سریش بھٹ دور جدید کے ایسے مراٹھی شاعر ہیں جنہوں نے برائے شعر گفتن نہیں بلکہ عقیدتاً نعت رسولؐ لکھی ہے۔ نور احمد میرٹھی کی مرتبہ کتاب ''بہر زماں بہر زباں'' میں یہ نعت اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ سریش بھٹ مراٹھی کے مشہور ادیب' شاعر' کالم نویس اور ایک اچھے مقرر ہیں۔ اردو غزل کی روح کو انہوں نے مراٹھی غزلوں میں اتارا ہے بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مراٹھی میں صحیح طور پر غزل کو متعارف کرانے والے یہ مراٹھی کے پہلے شاعر ہیں۔ ''یلغار'' ان کی مراٹھی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ مراٹھی غزل کے شاعر ہیں لیکن نظمیں بھی کہہ لیتے ہیں۔ ان کی کالم نویسی میں بلا کی روانی اور طنز کے چبھتے نشتر ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ برہمن نژاد ہیں لیکن اقلیتوں' دلتوں اور اچھوتوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ذیل میں ان کی مراٹھی نعت کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

نعت شریف (مراٹھی)

اجاڑ' ویران واڑ وٹی کھڑ اڑ نارا جھرا محمدؐ
جگات لیا دین دکھتا نچا اکھیر چا آسرا محمدؐ

اتاچ ڈوڑے پوسونی جھالے' اتاچ می لا گلو ہسایا
اتاچ ہا بھیٹلا جیواچا' سکھا ملاہا سرا محمدؐ

کھر بچ تو' چندر امرتا چا' کھر بچ تو' سوریہ جیونا چا
دشا دشانا پرکاش نارا' دے تو جھا چرا محمدؐ

تجھیا گھراچی طرح چ نیاری' سمان شرمنت داھکاری
تجھیا گھری دے اتا ملاہی' لہان سا کوپرا محمدؐ

جے تجھے ناؤ گھیتے می تجھیا دیئے چاسگندھ آلا
اجون ہی انترات ماجھیا' پھلے تجھا موگرا محمدؐ

بھلے برے پاہیلے کتی می کتی کھرے ان کتیک کھوٹے
بھلیات ماجھا بھلا محمدؐ' کھریات ماجھا کھرا محمدؐ

(سریش بھٹ)

شعری حسن سے عاری لیکن نفس مضمون سے قریب میں نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے تاکہ مرانٹھی زبان کا لب ولہجہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

اجاڑ ویران ریگ زاروں میں "چشمہ بہتا" ہوا محمدؐ
جہاں کے سارے ہی بے سہاروں کا آخری اسرا محمدؐ

ابھی ابھی اشک میں نے پونچھے' ابھی ابھی ہنسنے میں لگا ہوں
مجھے ملا جو یہ خندہ برلب عزیز از جاں مرا محمدؐ

تو چاند امرت کا ہے یقیناً' تو آفتاب حیات بھی ہے
جہاں کو ہر سو کرے ہے روشن' رخ منور ترا محمدؐ

ترے مکاں کی ہے ریت نیاری' ہیں سب برابر غنی بھکاری
ترے ہی گھر کا ذرا سا گوشہ مجھے بھی کر دے عطا محمدؐ

زباں پہ تیرا جو نام آیا نفس نفس ہو گیا معطر
ابھی بھی تیرے کرم کا دل میں کھلا ہے اک موگرا محمدؐ

بھلے برے کتنے میں نے دیکھے' ہیں کتنے سچے ہیں کتنے جھوٹے
بھلوں میں لیکن بھلا محمدؐ' کھروں میں میرا کھرا محمدؐ

(سید یحییٰ نشیط)

سریش بھٹ نے نعت کے مطلع میں "اجاڑ ویران واڑونٹ" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں "اجاڑ ویران ریگستان" یہ ترکیب استعمال کر کے شاعر نے رسالت محمدی کے سلسلہ کو سلسلہ ابراہیمی علیہ السلام سے جوڑا ہے۔ دور ابراہیم کے مکہ کے لئے قرآن نے "وادی غیر ذی زرع" کی اصطلاح

استعمال کی ہے۔ جسے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیروں سے ابلنے والے چشمہ زمزم نے "پھلدار" بنا دیا تھا۔ ہزاروں برس بعد یہی زمین جب مولد نبیؐ بنی تو اخلاق کے لوث اور شرع ابراہیمی سے غفلت کا صحرا بنی ہوئی تھی۔ لیکن بعثت رسولؐ اس سنگلاخ وادی میں چشمہ آب ثابت ہوئی۔ جس نے زمین انسانیت کو سیراب کر کے گلزار بنا دیا۔

سر لیش بھٹ نے آپ کی ذات کے لئے "کھڑا ٹنا را جھرا" کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ جس کے اردو معنی "بہتا جھرنا" یا "آب جوئے رواں" ہوتے ہیں۔ آپؐ کے لئے یہ استعارہ اگرچہ قرآن واحادیث میں مذکور نہیں لیکن یہ نیا اور انوکھا بھی نہیں ہے۔ عربی شاعری میں اسے برتا گیا ہے لیکن جتنا واضح کوئی اور علامہ اقبال کے یہاں یہ استعارہ مستعمل ہے اتنا عربی شاعری میں نہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے عربی شاعر جابر الاندلسی کی نعتوں میں ہمیں اس استعارے کے قریب المعنی تراکیب ملتی ہیں۔ انھوں نے آپ کو ایک جگہ "البحر فی دیم" (سخاوت میں دریا) کہا ہے۔

کالبدری فی شمیم والبحر فی دیم

والزہر فی نعم والدہر فی تقم

یعنی آپؐ اخلاق میں چودھویں کا چاند "سخاوت میں دریا" احسان کشی میں پھول اور حق کی حمایت میں سخت ہیں۔

ابن حجہ الحموی (م ۸۳۹ھ) نے اپنے "بدیعیہ" میں آپ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وجزتم بوادی الجزع فاخضر والتوی

علی خدہ بالبنت صدغ منمنم

یعنی آپؐ جب وادی جزع سے گزرے تو وہ سرسبز ہو گئی اور اس درجہ سرسبز ہو گئی کہ اس وادی کی پیشانی کا کنارہ لال بوٹے سے بھرا ہوا اس کے چہرے کی روئیدگی سے لپٹ گیا۔ مذکورہ شعر میں آئے ہوئے استعارہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" میں رقمطراز ہیں:

"اس استعارہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ جس وادی سے گزرے وہ اگرچہ خشک صحرا کے مانند تھی مگر آپ کے قدم کی بدولت سرسبز وشاداب ہو گئی۔"

الحموی کے اس نعتیہ شعر میں اگرچہ دریا / بحر کا کوئی قرینہ نہیں لیکن شعر کے مفہوم سے ذہن میں "بہتے دریا" ہی کا تصور متحضر ہوتا ہے۔ اسی بدیعیہ میں ایک جگہ آپؐ کو شاعر نے "اے سرچشمہ پاک" کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے۔ عربی کے ایک شاعر شیخ عبدالرحیم البرعی نے اپنے "قصیدہ جیمیہ" میں حضور کو "متموج بحر" سے تشبیہ دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وشمة جود بحر متموج

عربی کے یہ تمام استعارے و تشبیہات "کھڑا ڑنارا جھرا" کے قریب المعنی میں استعمال ہوئے ہیں لیکن جرمن شاعر گوئٹے (م ۱۸۳۲ء) نے عین اسی مفہوم کا استعارہ اپنی نظم "Mahomet's Ge Sang" میں استعمال کیا ہے۔ وہ حضورؐ کو "Rock Born Stream" (جوئے آب) کہتا ہے جو "کھڑا ڑنارا جھرا" کی ہوبہو ترکیب ہے۔ دو علاحدہ تہذیب و زبانوں کے استعاروں میں اتنی مطابقت دونوں شعراء کے فکری انسلاک اور حضورؐ سے رکھی جانے والی عقیدت میں یکسانیت کی مظہر ہے۔

"کھڑا ڑنارا جھرا" "بحر متموج" "سرچشمہ پاک" "جوئے آب" اور "Rock Born Stream" یہ سارے استعارے "علامت حیات" ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی حیات انسانی کی تفصیل آئی ہے پانی کا ذکر ضرور ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں کہا گیا ہے :

"واذا ستقىٰ موسىٰ لقومه فقلنا ضرب بعصاك الحجر فالنفجرت منه ثنتا عشرة عيناً قد علم كل اناس مشربهم" (آیت ٦٠)

یعنی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعاء کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر عصا مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کونسی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں بعض جگہ پانی کا ذکر زندگی کی علامت کے طور پر بھی ہوا ہے۔ طبی تحقیق کی رو سے بھی پانی حیاتی عنصر ہے۔ جسمانی خلیوں میں جس کا وجود زندگی کا ضامن ہے۔ جغرافیہ 'ریگستان میں پانی کو "زندگی" کے معنی میں گردانتا ہے۔ پس یہ ساری قرآنی' علمی' سائنسی' طبی اور جغرافیائی مثالیں پانی کے "مظہر حیات" ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن میں پانی کو "رحمت" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا بیش بہا عطیہ قرار دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس کا چھین لیا جانا سخت محرومی ہی نہیں زندگی کے چھین لئے جانے کے مترادف ہے۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں سریش بھٹ کا آپؐ کی ذات بابرکات کو ریگستان میں "کھڑا ڑنارا جھرا" کہنا بڑا معنی خیز بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ استعارہ ایک طرف زندگی کی علامت ہے۔ اس معنی میں اس استعارہ کا صریح مطلب ہوگا کہ آپ کی ذات کائنات کی زندگی سے عبارت ہے کہ آپ نہ ہوتے تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ "لولاك لما خلقت الافلاك" کا قول فیصل اس پر دال ہے۔ دوسری طرف "کھڑا ڑنارا جھرا" (سیل رواں) یعنی بہتا پانی "رحمت" بھی ہے۔ اس معنی میں آپ کو شاعر "رحمت" متصور کرتا ہے۔ قرآن نے ان ہی معنوں میں آپ کو "رحمت اللعالمین" کہا ہے۔ تیسری طرف "کھڑا ڑنارا جھرا" حرکی قوت کی تمثیل ہے۔ اس معنی میں آپ کی ذات سراپا عمل اور عوام الناس کے لئے نمونہ عمل ہے۔ اس

طرح سریش بھٹ کی نعت کے مصرع اولی کی ایک ترکیب لفظی میں انسلاکات معنی کا ایک مربوط اور وسیع سلسلہ ملتا ہے۔

اسی شعر کے مصرع ثانی میں شاعر نے آپؐ کی ذات کو دنیا کے مظلوموں اور ناداروں کا "آسرا" کہا ہے۔ اس سے دونوں مصرعوں میں بڑا لطیف ربط قائم ہو گیا ہے۔ اردو میں مولانا الطاف حسین حالی نے ایک نعتیہ نظم (مسدس) میں آپ کی اس صفت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولا

ان چھ مصارع میں جن اوصاف محمدی کا ذکر ہوا ہے سریش بھٹ کی نعت کے ایک مصرع میں وہ تمام مفہوم سمویا ہوا ہے۔ عربی شاعری میں آپؐ کے چچا ابو طالب کے چند مدحیہ اشعار ملتے ہیں۔ "سیرۃ النبی" لکن ہشام میں آپ کی توصیف بیانی میں ابو طالب کا یہ شعر نقل ہوا ہے۔

وابیض یستسقی انعمام بوحہ   شمال الیتامیٰ عصمۃ للارمل

یعنی وہ روشن اور تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں۔ حالی اور ابو طالب نے آپ کو یتیموں / ناداروں اور بیواؤں کو "سہارا دینے والا" کہا ہے جبکہ سریش بھٹ نے آپ کی "صفت" کو "اسم" میں بدل دیا ہے۔ یعنی آپؐ سہارا دینے والے ہی نہیں بلکہ خود "آسرا" ہیں۔ انگریزی گرامر کے جاننے والے ایسے جملوں کی شدت معنی کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس نعت کے دوسرے شعر کا تعلق مطلع کے مصرع ثانی سے جوڑا جا سکتا ہے۔ اس ترکیب سے دوسرے شعر کے معنی از خود کھلنے لگتے ہیں۔

نعت ہذا کے تیسرے شعر میں خالصتاً ہندوی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی "چندرامرتا چا" (مہ آب حیات) اور "سوریہ جیونا چا" (آفتاب حیات)۔ ہندو اسطور میں سورج منبع حیات سمجھا گیا ہے۔ "گائتری منتر" میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ اقبال نے اس منتر کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس معنی میں سریش بھٹ آپ کو "سوریہ جیونا چا" کہہ کر منبع حیات تسلیم کر رہے ہیں۔ اسلامی فکر بھی ایک حدیث کی رو سے آپؐ کو منبع حیات تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے ایک حدیث نقل کی ہے "کنت نبیا والادم بین الماء والطین" یعنی میں نبی تھا جب آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تخلیق آدم سے قبل موجود تھے۔ گویا آپؐ منبع انسانیت و مبداء حیات ہیں۔ اس پر دال لولاک لما خلقت الافلاک بھی ہے کہ اگر آپؐ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی

جاتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ذات وجہ تخلیق کائنات ہے۔ مولانا جامی نے اسی خیال کی ترجمانی اپنی ایک نعت میں اس طرح کی ہے۔

جنبش اول ز محیط قدم سلسلہ جنباں وجود از عدم
مطلع دیباچہ ایں ابجدست پیشتریں حرف کہ در احمدست
نقطہ وحدۃ چوقد افراختہ ازپے احمد الفے ساختہ
صدر نشین اوست دریں بارگاہ "محمت نبیا" بود اورا گواہ

درج بالا نعت میں جامی کے استعمال کیے ہوئے القاب (جنبش اول، مطلع دیباچہ، ابجد، الف احمد اور صدر نشین بارگاہ) آپؐ کے وجود اول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ دوسری طرف چاند اور سورج "نور" کی علامت ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ کی ایک صفت نور بھی بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے قدجاءکم من اللہ نور (المائدہ آیت ۱۹) یعنی بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا۔ دوسری جگہ آپ کو "سراج منیرا" کہا گیا ہے۔ عقائد اسلامیہ کی کتب میں بعض قول ایسے نقل ہوئے ہیں جن میں آپ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صاحب "روح البیان" نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا "اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟" تو جبرئیل نے عرض کیا حضورؐ مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ان فی الحجاب الرابع نجما یطلع فی کل سبعین الف سنة طرہ راینہ اثنین و سبعین الف مرة۔ یعنی چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد ایک مرتبہ چمکتا ہے میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا ہے۔ حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا وعزة ربی انا ذالك الكوكب یعنی میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ تارا ہوں۔ حضورؐ کے نور ہونے پر دلالت کرنے والی ایک روایت "دلائل ابی نعیم" اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب "سیرۃ المصطفیٰ" میں نقل کی ہے:

> "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت کا گذر ہوا جس کا نام فاطمہ بنت مر تھا۔ حضرت عبداللہ کے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر اس نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہا لیکن ارتکاب حرام کی طرف آپ مائل نہ ہوئے۔ واپسی پر پھر اس عورت پر گذر ہوا تو اس عورت نے کہا واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر میں چاہ رہی تھی کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔"

یہ تو نصوص واحادیث کے حوالے ہیں لیکن بعض عربی شعراء نے آپؐ کے چہرۂ انور کی مدحت سرائی کچھ اس انداز سے کی ہے گویا آپؐ سراپا نور ہیں۔ چنانچہ حضرت کعب ابن مالک نے غزوۂ احد کے موقع پر ایک قصیدہ آپؐ کی شان مبارکہ میں کہا تھا اس کا ایک شعر یہ ہے۔

فينا الرسول شهاب ثم يتبعه

نور معنى له فضل على الشهب

(ہمارے درمیان اللہ کے رسول ایک درخشندہ ستارے کے مانند ہیں جس سے روشنی کی ایک لو نکلتی ہے جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔)

ایک دوسرے عربی شاعر نے کہا ہے۔

عليك صلوٰة الله يا خير من تلا

وهاد بنور الله فى الشرق والغرب

(آپ پر ہزاروں صلوٰۃ و سلام اے ھادیٔ اعظم! اے مشرق و مغرب میں اجالا پھیلانے والے)

عربی کے علاوہ فارسی اردو میں بھی آپؐ کی صفت نور کو شعراء نے مختلف رنگ اور عجیب عجیب ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ان شعراء نے نعتیہ شاعری میں "نور نامہ" کی ایک الگ صنف ہی قائم کر لی ہے اور اس پر طبع آزمائی کر کے ضخیم "نور نامے" ترتیب دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ نور کو موضوع بنا کر مختلف طریقوں سے اشعار بھی لکھے ہیں جن میں سے بعض تو ضرب المثل بن گئے ہیں۔ غرض کہ آنحضور کی مدح سرائی میں یہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے مختلف گوشوں میں الگ الگ رنگ بھر کے قوس قزح سنواری جا سکتی ہے۔ سریش بھٹ نے بھی عقیدت کی نظر سے آپؐ کے نورانی حسن کو دیکھا ہے اور فرط محبت میں اشعار کے ذریعہ اس کا برملا اظہار کر دیا ہے۔ چراغ دیر اور شمع حرم کی تابانی میں انہوں نے ایک ہی نور کو جلوہ فگن دیکھا ہے۔ مذکورہ شعر میں ان کی ہندووی اصطلاح کا استعمال اس قیاس کی مثبت دلیل ہے۔ ان سب کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ شاعر کا خلاق تخیل جو بھی خیال آرائی کرے گا وہ نبی کی وصف بیانی میں حقیقت بن جائے گا۔ سریش بھٹ کی مدحت رسولؐ میں خیال آرائی بھی سچائی کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ مشاہدے سے جو بات کہتے تھے، ہمارے مداحین شعراء اپنے تخیل سے ان حقائق کو اپنے اشعار میں پیش کر دیتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ مشاہدہ اور تخیل دونوں باہم برابر دکھائی دیتے ہیں۔ سریش بھٹ کے خلاق تخیل کا یہ کمال ہے کہ نعت رسولؐ میں ان کے اکثر اشعار دور نبویؐ کے شعراء کے کلام سے لگا کھاتے ہیں۔

چوتھے شعر میں سریش بھٹ نے آپؐ کے حسن سلوک، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ اور تفوق و تشرف سے عاری مساواتی رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے عجز و انکسار کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے رسول اللہ! آپ کے گھر (مجلس) کے طریقے بڑے عجیب ہیں۔ یہاں امیر و غریب کے

درمیان کوئی فرق مراتب نہیں، برتر وکمتر اور افضل وارذل میں حد فاصل کا یہاں تصور ہی نہیں ہے۔ آپ کی شان میں سریش بھٹ کی یہ مدحت طرازی صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ اشاروں کنایوں میں سیرت رسولؐ کے تاریخی گوشے سامنے آتے جاتے ہیں۔ ان کی نعت کا لفظ لفظ حقیقت حال بنا ہوا ہے۔ سریش بھٹ کے اس شعر میں اس عظیم واقعہ کی ترجمانی کی گئی ہے جب آپ نے کہا تھا "اکرہ ان اتمیز علیکم ان الله سبحانہ و تعالیٰ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابة" (میں امتیاز کو پسند نہیں کرتا اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کا کوئی بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان امتیاز کے ساتھ رہے۔) دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا تھا "لیس لابن البیضا، علی ابن السودا، فضل" (کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں) اس پس منظر میں دیکھئے شعر کے معنی کتنے بلند ہو جاتے ہیں۔ مساوات کا یہ پیغمبرانہ طرز عمل دیکھ کر ہی سریش بھٹ نہایت عاجزی وانکساری سے عرض معروض کرتے ہیں کہ آپؐ کے گھر کے کسی گوشے میں مجھے بھی سر چھپانے کے لئے تھوڑی سے جگہ مرحمت فرما دیجئے۔

دربار نبویؐ کا "جاروب کش" "غلام" "خدمت گار" وغیرہ کئی اصطلاحات نعتیہ شاعری میں مل جاتے ہیں لیکن عقیدت کی جو فراوانی انکساری کے ساتھ دربار رسولؐ کے کسی گوشے میں تھوڑی سی جگہ مانگنے میں ہے وہ ان اصطلاحات میں نہیں۔ خود حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین نے دربار نبویؐ کے ایک گوشے میں ابدی استراحت کے لئے تھوڑی سے جگہ کی تمنا کی تھی۔ سریش بھٹ کا اس گوشہ عافیت میں تھوڑی سی جگہ مانگنا ان کے فکری اور جذباتی سلسلہ کی کڑیوں کو دور فاروقی سے ملاتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں ایسی تمنا کرنے والے فارسی میں مولانا جامیؔ، اردو میں صبیح رحمانی اور مراٹھی میں سریش بھٹ ہی ملے ہیں۔ جامیؔ تحفۃ الاحرار کی ایک نعت میں ملتجی ہیں۔

از ہمہ آفات تسنیم سلیم
بر در دربار تو جامی مقیم

صبیح رحمانی فرماتے ہیں۔

پھرے ہیں دربدر اے رحمت عالم کرم کردو
سمیٹو قرب کی چادر میں، قدموں میں جگہ دے دو

سریش بھٹ کی نعت کا پانچواں شعر حسن شعری کا اچھا مرقع ہے۔ اس شعری تخیل کی تطبیق شیخ عبدالرحیم البرعی کے قصیدہ میمیہ کے اس شعر سے ہوئی ہے۔

وان ذکر والیلیٰ والبنیٰ فاننی
بذکر الحبیب الطیب الذکر آلھج

یعنی جب یہ لوگ کسی لیلیٰ یا لبنیٰ کا ذکر کرتے ہوں تو میں اس حبیب پاک کی یاد میں نغمہ خواں

ہوتا ہوں جن کا ذکر سراسر معطر ہے۔

ذکر حبیب سے مشام جاں کا معطر ہونا عشق حبیب میں اخلاص اور محبت پر دلالت کرتا ہے۔ سریش بھٹ کا روم روم بھی یاد حبیب اور ذکر رسول ﷺ سے معطر ہو گیا ہے۔

اس نعت کے آخری شعر میں اگرچہ کوئی خاص مضمون نہیں ہے نہ خیال آرائی ہے نہ خیال آفرینی حسن شعری کی کرشمہ سازی' مرصع و آبداری ہے نہ معنی آفرینی۔ بس سیدھے سپاٹ انداز میں شاعر نے دل کی بات نوک قلم سے شعر میں اتار دی ہے۔ ہاں البتہ اس شعر میں تاریخی حقائق کا اک جہاں آباد ہے۔ بعثت سے پہلے ہی نہیں بعد میں بھی کٹر سے کٹر دشمن آپؐ کے صادق اور سچے ہونے کی گواہی دیتے تھے اور باوجود نفرت و عداوت کے آپؐ کے قول کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے۔ وجاہت و سرداری کی وجہ سے بظاہر آپؐ کی تکذیب بھی کرتے لیکن بہ باطن وہ آپ کی سچائی کو ماننے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں بعض ایسی روایات ملتی ہیں کہ آپ کا کھلا دشمن جب آپؐ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتا تو گواہی دیتا کہ "یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا" سیر الصحابہ میں آپؐ کے رخ انور کو دیکھ کر دین کی سچائی پر ایمان لانے والوں کے واقعات بھی ملتے ہیں جو یہ کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ "ہاں! اس شخص کی باتیں جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ ان شواہد کی روشنی میں مذکورہ شعر کو پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ سریش بھٹ نے تاریخ کو اس شعر کے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

غرض کہ سریش بھٹ کی یہ نعت نہ صرف الفاظ کی پچی کاری کا نمونہ ہے نہ عقیدت کی فراوانی کا چڑھتا دریا نہ حسن شاعری کا مرقع نہ خیال آفرینی کا طلسماتی جہاں بلکہ انہوں نے نہایت جذباتی اور والہانہ انداز میں وہ تمام حقائق اس نعت میں سمیٹ لئے ہیں جن کا سنہرا ہالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے اطراف پھیلا ہوا ہے۔

کالی داس گپتا رضا

(دبستان جوش پر ملسیانی میں نعت)

میرے استاد کہ پنڈت تھے
سخن ور تھے بہ شاگردی داغ
نام جوشؔ اُن کا،
ستائش میں جمال شہ بطحا کی
یہ کہتے ہیں بہ تضمین کلام قدسی
"زشت خوبان عرب، ہیچ حسینانِ عجم
ماہ تاباں سے تو بڑھ کر ہیں حسیں تیرے قدم
کیسے حسن رُخ و رُخسار کروں زیب رقم
من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی"
میرے استاد کے فرزند کہ عرشؔ ان کا نشاں
وہ بھی کچھ کم نہ تھے والد سے کہ نعتیں اُن کی
اہل باطن کی نگاہوں میں معظم ٹھہریں
دوسرے وزن میں دو شعر سماعت کیجیے
"سزا وار فیض در مصطفیٰ ہے
سوالی کا دست سوال اللہ اللہ
اُتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوت کا اوج جمال اللہ اللہ"
ایک اور اونچے سخن ور تھے جگن ناتھ کمالؔ
میرے استاد کے شاگرد مگر خود استاد
نعت جب کہتے تھے، خار و خس و خاشاک تلک

جیسے جی اُٹھتے تھے، پھولوں میں بدل جاتے تھے
آمد شاہِ رُسل کا ہے بیاں اور سنیے
کہ یہ اک شاعرِ ہندو کے ہیں اشعار بلیغ
بحر گو بدلی ہوئی ہے پہ مدھر ہے اتنی
جیسے جنت کی کوئی نہرِ رواں ...... ہاں سنیے

"دنیا پہ جب وہ ساعتِ اکرام آگئی
اپنی جگہ پہ گردشِ ایام آگئی
دن ڈھلتے ڈھلتے دھوپ لبِ بام آگئی
تفسیرِ والضحیٰ کے لیے شام آگئی
اس جھٹ پٹے میں آنکھ ستاروں کی کھل گئی
آئی جو چاندنی تو اندھیرے میں گھل گئی
فطرت تمام اوس کے پانی میں دھل گئی
کل کائنات سرت جگا کرنے پہ تل گئی
قدرت نے احترام یہ اُس رات کا کیا
سرمہ بنا کے دیدۂ دل میں لگا لیا"

میں کہ ادنیٰ سا ہوں شاگرد، مری ہستی کیا
اپنے استاد کے پیروں پہ جمی دھول ہوں میں
میں فقط اتنی دعا مانگتا ہوں مولا سے
منہ مرا قابلِ توصیفِ پیمبرؐ ہوجائے
میں نے گلیاں تو مدینے کی نہیں دیکھی ہیں
چاپ تو پائے پیمبرؐ کی سنی ہے میں نے
عالمِ خواب میں یہ حکم ہوا تھا مجھ کو
کہ لکھو نعت مگر طرزِ غزل کی رکھنا
پیش کرتا ہوں غزل آپ کی خدمت میں وہی

نامِ مے خانۂ احمدؐ کا ہے کتنا اچھا
مے کشی اچھی، خمار اچھا، پیالا اچھا

آپؐ جس میں ہوئے ظاہر وہ خرابا اچھا
جس میں نازل ہوئے آیات وہ صحرا اچھا

دین کے ہاٹ میں گو مال تھا اچھا اچھا
درسِ قرآں کا رہا سودوں میں سودا اچھا

نور باطل سے سجاتے ہو جو محفل اپنی!
یہ اُجالا ہے تو سو بار اندھیرا اچھا

جس نے اورنگ رسالت کی برائی چاہی
آپ ہی آپ اُسے تقدیر نے مارا اچھا

آپؐ کا بخشا ہوا جام تو کچھ اور ہی ہے
لاکھ کہہ لیجیے ہر جام کو اچھا اچھا

کس لیے پیروی جاہ و حشم؟ سامنے ہے
اُسوۂ شاہِ رُسل صاف انوکھا اچھا

ایسی پرواز بھی کیا؟ اپنے ہی پر جلنے لگیں!
آتشِ شوق سے ایمان کا شعلا اچھا

جو گھڑی کاٹی طہارت میں، کٹی وہ اچھی
وقت جو گزرا عبادت یں وہ گزرا اچھا

منھ پر کہہ دیتے ہیں بیزار زر و مال کہ ہاں
دینِ احمدؐ ہے اگر سادہ تو سادا اچھا

اے رضا! کاشفِ حق نے تجھے عزت بخشی
انتظام آج کیا تو نے غزل کا اچھا

☆☆☆

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اور شعرائے جلالپور جٹاں

جن دنوں میں آزاد کشمیر کی سرحد پر متعین تھا تو ضلع گجرات کے ایک قصبہ جلالپور جٹاں میں رہائش پذیر تھا۔ شام سے صبح تک اسی قصبے کے لوگوں میں وقت گزارتا۔ یہ دو سال کا عرصہ ادبی لحاظ سے یادگار دور تھا۔

گجرات سے مشرق کی طرف تقریباً بارہ کلو میٹر کے فاصلے پر قصبہ جلال پور جٹاں آباد ہے جس کی پہچان پارچہ بافی ہے۔ یہی سڑک ٹانڈہ اور چھمب سے ہوتی ہوئی آزاد کشمیر میں داخل ہو جاتی ہے۔

اسحاق آشفتہ 'آریا بھٹ کی کتاب "راج ترنگنی" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۳۲۶ قبل مسیح میں سکندر اعظم اور راجہ پورس کے معرکہ میں سکندر نے مفتوحہ علاقوں کو "تاریخ گوجر" کے حوالے سے تقسیم کر کے دو قصبوں کی بنیاد رکھی۔ ایک قصبہ دریائے جہلم کے نزدیک ضلع گجرات میں مونگ کے مقام پر آباد کیا۔ دوسرا قصبہ "شاکلہ نگر" کے نام سے دریائے چناب کے کنارے آباد کیا۔ جس کا نام یونانی زبان میں رکھا گیا۔ "شاکلہ نگر" کے یونانی زبان میں لغوی معنی "خوبصورتی کا شہر" ہیں۔ اس کے بعد جلال الدین خلجی نے جب منگولوں کے حملوں کو روکنے کے لئے مغرب کا رخ کیا تو اس نے اس کے یونانی نام کو "جلال آباد" میں تبدیل کر دیا اس کی فوجوں نے کئی روز تک یہاں قیام کیا تاکہ منگولوں کے حملے کا سدِّباب کیا جا سکے۔ اس کے بعد سکھوں کے زمانے میں اس قصبے کو خاص تاریخی اہمیت حاصل رہی۔ زبردست خان اور اجمیر خان جاٹ سرداروں نے اس قصبے کا نام جلالپور جٹاں رکھا جس نام سے یہ آج تک تاریخ اور عرفِ عام میں معروف چلا آتا ہے۔ (۱)

پروفیسر کلیم احسان بٹ لکھتے ہیں "اس کے نواحی ملحقہ علاقوں کا چور اور اسلام گڑھ کا ذکر تاریخ کی تمام کتابوں میں ملتا ہے...... کلاچور سکندر اعظم کے زمانے میں موجود تھا اور سکندر اعظم نے یہاں ٹکسال قائم کی تھی..... اسلام گڑھ جو دراصل ایک قلعہ تھا' تاریخ کی کتابوں میں اپنا ذکر محفوظ رکھتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے جلالپور جٹاں کی تاریخ کا تذکرہ قدیم تاریخ میں موجود نہیں اور لگتا ہے کہ یہ ہر دو مذکورہ دیہات کے بعد آباد ہوا۔" (۲)

یہ قصبہ جہاں پارچہ بافی کی صنعت' تحریکِ پاکستان' جنگِ کشمیر' سیاست' فنِ پہلوانی اور موسیقی کے میدان میں اپنی پہچان رکھتا ہے وہاں علم و ادب کے لحاظ سے بھی کافی زرخیز ہے۔

جلالپور جٹاں میں شاعری کے حوالے سے پچھلے تین سو سال کی تاریخ کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کئی ایسے نام دکھائی دیتے ہیں جن کو ادب کے شیدائی جانتے تو ہیں لیکن ان کے علم میں یہ بات شاید نہ ہو کہ ان حضرات کا تعلق جلالپور جٹاں سے ہے۔ ان حضرات نے تصوّفانہ شاعری میں اپنا ایک مقام بنایا اور کئی زبانوں کے علاوہ اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ قدماء اور متوسطین میں جو چند نام معروف ہوئے ان میں سے جان محمد (وفات ۱۲۰۰ھ) جو ۱۷۸۵ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہے اور جن کی مناجات

رہنما لریما ہبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم　　　　مرے عیب گنہ کا نہیں انت مول

پنجابی' فارسی' اردو اور ہندی کے شاعر احمد یار مرالے والے (۱۷۶۷ء۔۱۸۴۵ء) جن کی کتاب ''معجزۂ فاتحہ'' حضور نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کو منظوم بیان کیا ہے۔ (۳) تقریباً ایک سو دو کتابوں کے مصنّف' فارسی' عربی' اردو' کشمیری' ترکی اور پنجابی کے شاعر خواجہ ثناءاللہ پیر خرابات (۱۸۰۹ء۔۱۸۸۰ء)

مری طاق دل اوپر جس صنم کا ماہ تاباں ہے　　　　اوسی کے نور سے ہر ذرّہ میرا پرتو افشاں ہے

فارسی' اردو اور پنجابی کے قادرالکلام شاعر غلام قادر جلالپوریہ جن کا عہد تیرھویں صدی ہجری کا نصف اول ہے (۴) اور پنجابی اور اردو زبان کے شاعر جنہوں نے پورن بھگت کے قصے کو ''پورن بھنڈار'' کے نام سے منظوم کیا اور تصوف کے رنگ میں ۔

اگر تو ذات واحد کو جدا جانے گا اپنے سے　　　　تو بڑھتا جائے گا یہ الٹا معاملہ تیرا

جیسی شاعری کی یعنی چترداس صوری (منت) (۵) اسی قصبے جلالپور جٹاں سے متعلق تھے۔

یہ تو بات ہو رہی تھی بیسویں صدی سے پہلے کی۔ لیکن جب برّصغیر کے مسلمانوں میں ایک نئے شعور نے کروٹ لی اور مسلمانوں کی علیحدہ جماعت مسلم لیگ' علیحدہ وطن کا مطالبہ لے کر اٹھی تو شاعری میں بھی نکھار پیدا ہو گیا اور یوں اس قصبے کے لوگوں نے عملی سیاست اور تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ اور پھر ہر آنے والے وقت کے ساتھ ساتھ نعت گو شعراء کی تعداد بڑھتی رہی۔ پیر ظہور شاہ قادری' محمد دین میر' عبدالمجید نجفی' علامہ حامد وارثی' مولوی فضل حق' آفتاب وارثی اور تبسم کاشمیری وغیرہ نے جہاں منبر رسول ﷺ یعنی مساجد میں دین اسلام کے فروغ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں وہاں شعری ڈھانچے کو بھی گل و بلبل اور عشقِ مجازی کے چکروں سے عشقِ حقیقی اور محبت رسول پاک ﷺ کا رنگ دیا اور پھر ان کی تقلید میں نعتیہ اشعار گونجنے لگے۔

زیر نظر تحریر میں جلالپور جٹاں اور اس کے نواحی دیہات جو اس کے حلقے میں داخل ہیں کے

شعراء کے نعتیہ اشعار ان کے مختصر تعارف کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ لطیف مضطر

عبداللطیف نام اور مضطر تخلص کرتے تھے۔ آپ کے والد شیخ عبدالعزیز اپنے دور کے چند پڑھے لکھے اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ جناب مضطر ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں انڈین آرمی میں آپ نے کمیشن حاصل کیا لیکن دو سال بعد ملازمت ترک کر دی۔ عین جوانی میں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور چوبیس سال کی عمر میں اسی مرض میں وفات پائی۔ آپ کا شعری مجموعہ "دیوان مضطر" کے نام سے شائع ہوا تھا (۶) جو اب نایاب ہے۔

یا محمدؐ ہوں میں شیدا آپؐ کا	مجھ کو کافی ہے بھروسہ آپؐ کا
روضۂ اقدس دکھا دیجئے مجھے	پڑھتا رہتا ہوں وظیفہ آپؐ کا
باغ جنت کی انہیں خواہش نہیں	عاشقوں کا گھر ہے کوچہ آپؐ کا
میرے دل میں رہتی ہے یاد آپؐ کی	لب پہ جاری نام والا آپؐ کا
کرتی ہیں نغمہ سرائی بلبلیں	دیتی ہیں غنچوں میں نعرہ آپؐ کا
تھا شب معراج حوروں میں یہ شور	آؤ دیکھیں چل کے جلوہ آپؐ کا
کیجئے مجھ پر عنایت کی نظر	یا نبیؐ ہوں نام لیوا آپؐ کا
یا محمدؐ حشر میں پڑھتا اٹھے	آپؐ کا مضطر قصیدہ آپؐ کا

۲۔ پیر ظہور شاہ قادری

حنفی القادری بخاری
جناب حاجی الحرمین شریفین حضرت حافظ پیر سید ظہور شاہ واعظ الاسلام
سجادہ نشین (۷) اردو، پنجابی کے شاعر، خطیب، مناظر اور مبلغ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء جلالپور جٹاں میں پیدا
ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حافظ نورالدین جلالپوری سے حفظ کیا۔ سند
فضیلت بریلی شریف سے حاصل کی۔ آپ کی تصانیف میں ظہور ہدایت، نور ہدایت، مرغوب الواعظین، قہر
یزدانی بر سر جال کیدیانی، شمشیر بر گردن شریر، شرح اسماء الحسنیٰ، چرخہ حضوری، ظہور صداقت، شرح قصیدۂ
غوثیہ، مسائل ضروری، خطبات ظہوری، ظہور کرامت، ظہور حقیقت، وظائف حضوری، حسام الحرمین اور
صمصام حنفیہ وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے پنجابی اور اردو میں نعت کہی پنجابی میں ظہور اور شاہ ظہور جبکہ اردو
میں حکیم اور عاجز تخلص کرتے تھے۔ (۸) ۱۹۵۴ء میں منارہ ضلع جہلم میں وفات پائی۔

"عالم میں تیری ضیاء کملی والے	ہے مکھڑا ترا چاند سا کملی والے

کئے چاند باطل کے سب ماند تو نے ہیں قربان شمس الضحیٰ کملی والے
خدا کی خدائی کا مختار ہو کر تو کملی ہی میں خوش رہا کملی والے
فقیروں کا ملجا، امیروں کا ماوئی ضعیفوں کا تو آسرا کملی والے
ہمارے لئے غار میں جنگلوں میں تو جا جا کے روتا رہا کملی والے
نہ موڑا کبھی تو نے خالی کسی کو ترے در پہ جو آگیا کملی والے
قیامت میں ہم بے کسوں کا وسیلہ نہیں کوئی تیرے سوا کملی والے
تھی عاجز کی بخشش بہت غیر ممکن مگر تو نے بخشا لیا کملی والے (۸)

۳۔ محمد سلطان گنہگار

محمد سلطان نام اور گنہگار تخلص تھا۔ ۱۸۷۲ء میں جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ بالکل ان پڑھ تھے اور اسی وجہ سے آپ کا کلام ضائع ہو گیا۔ صرف پرانے لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اشعار محفوظ ہیں۔ ابتدائی زندگی سیلانی بن کر گزاری اور شعر بھی عشقیہ کہتے تھے۔ بعد میں حمدیہ، نعتیہ اور صوفی رنگ میں شعر لکھنے لگے۔ ساری عمر شادی نہیں کی۔ بازار میں چھابڑی لگایا کرتے تھے اور اپنے ہی اشعار گایا کرتے تھے جو لوگوں نے ذہن نشین کر لئے۔ ۴ دسمبر ۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔ آپ نے نعتیہ مضامین پنجابی دوہڑوں میں بہت خوبصورتی سے پیش کئے ہیں۔

آرزو دم بدم اے مدتاں دی سفر عرب دا میرے نصیب ہووے
خوشی نال جاواں منزل طے کردا دل وچ درد حبیب ہووے
میری عرض کریں منظور مولا حالت ایس توں بھانویں غریب ہووے
دم راہ وچ نکل جائے گنہگار پر محمدؐ دا روضہ نصیب ہووے
اوددوں فلک نے کیتی سی بسم اللہ جدوں گئے مہمان حضور دے سن
ہو گئے دست بستہ اگوں ملک سارے گویا قافلے چلے شعور دے سن
ہر تن تھیں صل علیٰ نکلے ایسے شعلے محمدؐ دے نور دے سن
ملیا یار نوں یار جد گنہگار حل ہوئے مسئلے دور دور دے سن

(۹)

۴۔ مضطر گجراتی

محمد عبداللہ نام اور مضطر تخلص تھا۔ جلالپور جٹاں سے پانچ کلومیٹر دور ایک گاؤں عالم گڑھ میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے (۳۳)۔ ۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر لاہور میں علمی مدارج طے

کیے۔ شعری رموز علامہ سیماب اکبر آبادی سے سیکھے (۱۰)۔ ۲ دسمبر ۱۹۶۹ء کو درس چھوٹے میاں لاہور میں فوت ہوئے۔(۱۱)

ترے بغیر مناظر نظر کشا تو نہ تھے
کہ خود نما تھے مناصر خدا نما تو نہ تھے

مجھے جہاں کی غلط بینیوں پہ ہے افسوس
حضورِ دل کی نگاہوں سے ماورا تو نہ تھے

یہ آگہی شبِ اسریٰ نے دی نہ ہو ان کو
فرشتے رفعتِ آدم سے آشنا تو نہ تھے

ترے کرم ہی نے ہم عاصیوں کی رکھ لی شرم
وگرنہ حشر کے دن موردِ جزا تو نہ تھے

سلام آتے ہیں جنت کے حور و غلماں کے
ہم اس دیار میں مضطر غزل سرا تو نہ تھے (۱۱)

۵۔ محمد دین میر

۱۹۰۰ء میں جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۲۴ء میں دفعہ ۱۴۴ کے تحت گرفتار ہوئے۔ جہاں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۷ء تک آپ کی تین کتابیں صمصامِ میر، سیف مرید اور ختم نبوتؐ شائع ہوئیں۔ جنہیں حکومت نے ضبط کر کے آپ کو جیل بھیج دیا۔ تحریک پاکستان کے لئے بھرپور کام کیا۔ آپ کی نعت میں بھی مجاہدانہ جذبہ تھا۔ آپ ۱۹۷۷ء میں فوت ہوئے (۱۲)۔ پنجابی نعت کا رنگ ملاحظہ ہو۔

سر کٹانا اے نبیؐ دی آن اتے ایہہ فرض ہویا مسلمان دے لئی!
کائنات ساری جیہڑی ویکھدے او پیدا کیتی رب نبیؐ دی شان دے لئی
صفت نبی کریمؐ دی لکھنی سی دے جواب پر قلم دوات بہہ گئی!!
کہن لگی توں اوس دی تعریف لکھناایں جس نوں ویکھ کے ساری ظلمات بہہ گئی

۶۔ فضل حسین فضلؔ

فضل حسین نام اور فضلؔ ہی تخلص کرتے تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں جلالپور جٹاں سے میٹرک کیا اور پھر لاہور سے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کا کورس مکمل کر کے میونسپلٹی میں ملازم ہو گئے۔ پیر فضل گجراتی نے پنجابی غزل کو ایک نیا رنگ دیا۔ آپ نے پنجابی زبان کو اظہار خیال کے لئے استعمال کیا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۱ء کو وفات پائی۔

ہویاں ختم بلندیاں جگ دیاں بلغ العلیٰ بکمالہ
چانن لائے محمد ﷺ دے نور ہر تھاں کشف الدجیٰ بجمالہ
مرکز خوبیاں دا واہ سبحان اللہ حسنت جمیع خصالہ

فضل لکھ درود و سلام آکھاں صلوا علیه وآله
(۳۴)

۷۔ گوہر کاشمیری

خواجہ اللہ دتہ المعروف گوہر کاشمیری ۱۸۹۷ء میں خواجہ شمس الدین کے ہاں جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان جلالپور جٹاں سے پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ خاکسار تحریک سے وابستہ ہو گئے اور مرتے دم تک اس سے منسلک رہے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا ایک شعری مجموعہ "گوہر پارے" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جبکہ دوسرا مجموعہ "دیوان گوہر" طباعت کے مراحل میں ہے۔

مقتدی کن کے نمازوں میں ہوئے مرسل تمام
کون اقصیٰ میں شب اسریٰ ہوئے سب کے امام

کون ہے جن کا فلک پر ہو رہا ہے انتظار
منتظر جنت میں غلماں اور حوریں فی الخیام

کیوں فرشتوں نے بچھائی ہے ردائے کہکشاں
کس کی آمد کا فلک پر اس قدر ہے اہتمام

کورنش کو دست بستہ سب ملائک ہیں کھڑے
مرحبا صلِ علیٰ ہیں کہہ رہے سب خاص و عام

فرش سے تا عرش روشن سب ہیں رستے نور کے
کس معزز میہماں کے واسطے یہ انتظام

ہم رکاب و ہم سفر جن کے ہوئے روح الامیں
کون ہیں جن کے لئے مرکب براق تیز گام

جب سے سرکارؐ دو عالم سر عرش بریں
عبد اور معبود باہم ہو گئے تھے ہم کلام

تم بھی سالارِ رسولاں پر پڑھو گوہر درود
السّلام اے مخبر صادق و رہبر السّلام

(۱۳)

۸۔ علامہ حامد الوارثی

علامہ حامد الوارثی جلالپور سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر آباد ایک گاؤں حاجی والا میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ نہایت چھوٹی عمر میں اسکول میں استاد مقرر ہو گئے لیکن مزید علم کے حصول کا شوق آپ کو بدایوں (انڈیا) لے گیا۔ یو پی میں قیام کے دوران ہی طبیعت کا میلان شعر کی طرف ہوا اور سیماب اکبر آبادی سے شرف تلمّذ حاصل کیا۔ حضرت وارث علی شاہ صاحب دیوا شریف سے روحانی نسبت نے آپ کو وارثی بنا دیا۔ بعد میں ساری زندگی فیصل آباد میں گزاری اور وہیں ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وفات پائی۔ آپ کے کئی نعتیہ مجموعے پنجابی، اردو اور فارسی میں شائع ہو چکے ہیں۔ (۱۴)

نقش ہے ہر شے پہ نقشِ پا رسولؐ اللہ کا
چاہئے ہر سر میں ہو سودا رسولؐ اللہ کا

مصحفِ انوار ہے چہرہ رسولؐ اللہ کا
کیوں پڑھے دنیا نہ پھر کلمہ رسولؐ اللہ کا

نکتہ در نکتہ ہے ہر نکتہ رسولؐ اللہ کا
عین وحیِ حق ہے فرمودہ رسولؐ اللہ کا

جس طرف بھی پائے ناز اٹھا رسول اللہ کا
بڑھ کے نصرت نے لیا بوسہ رسول اللہ کا

اللہ اللہ اسوۂ حسنہ رسول اللہ کا
حق کو ہے محبوب ہر شیوہ رسول اللہ کا

جاری ہے کونین میں سکہ رسول اللہ کا
ہے رسول اللہ کا، اللہ رسول اللہ کا

کوند جاتی ہے نظر میں ایک تجلی نور کی
دیکھ لیں جب کوئی کہتا یا رسول اللہ کا

دیکھ لے سیپارۂ قرآں کے آئینے میں وہ
دیکھنا ہو جس نے نظارہ رسول اللہ کا

اس بڑھاپے میں ہے دل میں بس یہی اک آرزو
دیکھ لوں اللہ کرے روضہ رسول اللہ کا

نعت گوئی میں جو حامد مجھ کو حاصل ہے کمال
فیض ہے واللہ یہ سارا رسول اللہ کا

(۱۵)

۹۔ مولوی فضل حق ٹھمکوی

مولوی فضل حق ولد عبدالحمید صدیقی ۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو جلال پور جٹاں کے ایک قریبی گاؤں ٹھمہ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی۔ اور پھر ٹھمہ کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے لگے۔ کتابت سیکھی اور جلالپور جٹاں میں اپنا ٹھکانہ بنا کر اسے بطور پیشہ اپنایا۔ اپنی کی کتابوں کے مسودہ بھی کتابت کر کے محفوظ کئے۔ ان قلمی کتب کے نام "سی حرفی ہدایت"۔ مکتوبات بے نظیر"۔ "جواریوں کا مکالمہ"۔ "مولوی اور جاہل زمیندار" اور "مرزا صاحباں" ہیں۔ آپ نے ۱۶ جنوری ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔ (۱۶)

پڑھو صلوٰۃ ذکر سیدالابرارؐ ہوتا ہے
سراپا گوش ہو جاؤ بیان یار ہوتا ہے

جو فرمان محمدؐ کو پڑھائیں یا سنیں آکر
خدا کا پیار ان بندوں پہ سو سو بار ہوتا ہے

جناب سرور عالمؐ کو وہ محفل پیاری ہے
جہاں پڑھنے پڑھانے کا شغل ہر بار ہوتا ہے

خدا آتا ہے خود ہو کر خریداروں کی صورت میں
مرے یوسف کا جب سودا سر بازار ہوتا ہے

ملک، جن و بشر، حور و پری سننے کو آتے ہیں
جہاں ذکر جناب احمدؐ مختار ہوتا ہے

خدا کے واسطے لوگو مدینے لے چلو مجھ کو
سنا ہے واں علاج عاشق بیمار ہوتا ہے

جگہ جنت سے بہتر ہے جہاں ذکر محمدؐ ہو
نزول فضل حق کا اس جگہ انبار ہوتا ہے

(۱۷)

۱۰۔ ڈاکٹر نادر حسین بھٹی

حکیم میاں محمد حسین کے نور بصر نادر حسین المتخلص نادر ۳۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ فوج میں ملازمت کی اور پھر ہومیو پیتھک کورس کر کے والد کے ساتھ حکمت کی دکان پر کام کرنے لگے۔ عملی سیاست میں بھی حصہ لیا اور مسلم لیگ سے منسلک

رہے(۱۸)۔ آخری عمر میں نعت رسولِ مقبول کی طرف دلی طور پر راغب ہوئے اور نعتیہ مشاعروں کی میزبانی بھی کرنے لگے۔ آپ نے ۳ مئی ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔

نور ہی نور ہیں آج ارض و سما وجہ تخلیق کون و مکاں آگئے
لطف و رحمت کی برسات ہونے لگی ابر بن کر جو رحمت نشاں آگئے
آج دکھیوں کا درماں غم ہو گیا بے سہاروں کو راحت میسر ہوئی
ہم غریبوں کا آخر نصیبہ کھلا آج سب سے بڑے مہرباں آگئے
روز و شب ذکر جن کا ملائک کریں حور و غلماں سدا دم انہی کا بھریں
وہ جو عالی نسب خاص محبوب رب امت و قوم کے پاسباں آگئے
دین حق پر ہی دنیا لٹائی سدا راہ بھٹکے ہوؤں کو دکھائی سدا
ہم غریبوں کی خاطر اسی فرش پر صاحب عظمت و عز و شاں آگئے
دکھیوں کو سہارا وہ دیتے رہے در سے کوئی سوالی نہ خالی گیا
جو بھی مانگا کسی نے اسے مل گیا لے کے دامن میں نقد اماں آگئے (۱۹)

۱۱۔ حافظ بشیر آزاد

جلالپور جٹاں کی نواحی آبادی منڈیالہ کے قاضی محمد فاضل کے ہاں محمد بشیر المتخلص آزاد ۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فارغ التحصیل ہو کر وہیں کاروبار کرنے لگے۔ جبکہ آپ کا پورا خاندان اپنے گاؤں واپس لوٹ آیا۔ آپ بھی اکثر گاؤں میں آتے اور کئی کئی روز قیام کرتے۔ ۱۹۹۵ء میں اپنی وفات سے چند دن پہلے یہاں آئے اور جاتے ہوئے اپنی ایک ڈائری چھوڑ گئے۔ ساری زندگی مجرد رہے۔ فارسی اردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ ایک قلمی نعتیہ مجموعہ بھی ورثے میں چھوڑا۔ (۳۶)

جگا دیتی ہے قسمت چشم رحمت کملی والے کی — بہت ہی قیمتی شئے ہے ارادت کملی والے کی
دکھا دے یا الٰہی مجھ کو صورت کملی والے کی — کہ میں بھی دل میں رکھتا ہوں محبت کملی والے کی
زمیں کے سب خزانوں کی خدا نے کنجیاں دے کر — بڑھا دی اور بھی توقیر و عظمت کملی والے کی
مرے ورد زباں اکثر جو ان کا نام رہتا ہے — یہ خاص الخاص ہے مجھ پر عنایت کملی والے کی
میں جب لاتقنطوا کے فلسفے پر غور کرتا ہوں — تسلّی مجھ کو دیتی ہے شفاعت کملی والے کی
مکان حضرت جابرؓ میں جو دیکھی صحابہؓ نے — جہاں کو یاد ہے اب تک وہ برکت کملی والے کی
زمیں تو کیا فلک والے بھی ان پر ناز کرتے ہیں — میسّر جن کو ہوتی ہے رفاقت کملی والے کی
جو ان کی ذات سے آزاد سچا عشق رکھتے ہیں — وہ خوابوں میں بھی کرتے ہیں زیارت کملی والے کی

(۲۰)

۱۲۔ زیبا درانی

احسان اللہ خان نام اور زیبا درانی کے قلمی نام سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام خان شہباز خان تھا۔

زیبا درانی ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ عہد طالب علمی میں شاعری کی طرف راغب ہوئے اور مولانا سیماب اکبر آبادی کی شاگردی اختیار کی۔ بی اے آنرز تک تعلیم حاصل کی۔ گجرات شہر میں مقیم ہوئے جہاں ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو وفات پائی اور قبرستان شاہ بلاول میں مدفون ہوئے۔(۴)

رہ حجاز پہ قربان عرشی و نوری — کہ اس کی خاک سے آتی ہے بوئے کستوری
نصیب صبر و سکوں ہوں دیار رحمت میں — مری دعا کو جو مل جائے خاص حضوری
کبھی تو روضہ اقدس کو دیکھ لوں میں بھی — ترے گدا کی بھی ہو جائے آرزو پوری
ترے جمال کی دولت سے جھولیاں بھر لوں — ترے کرم سے مٹے گی حجاز کی دوری
حضورؐ آپ سے کچھ بھی نہیں ہے پوشیدہ — عیاں ہے آپؐ پر آقا دلوں کی مستوری
ترے بغیر نہیں کوئی آسرا زیبا — بتاؤ کس کو بتاؤں میں اپنی مجبوری

(۳۷)

۱۳۔ شبیر صابر

۱۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو دل کا دورہ پڑنے سے آپ کا انتقال ہوا۔ سن پیدائش ۱۹۴۳ء ہے۔
شبیر احمد جلالپور جٹاں میں محمد یونس کے ہاں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آپ نے زیادہ تر پنجابی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا لیکن کبھی کبھی اردو میں طبع آزمائی کی۔ آپ کی بیاض میں ایک غزل اور ایک نعت فارسی زبان میں بھی درج ہے۔ اردو کی ایک سادہ سی نعت ملاحظہ ہو۔

در پہ بلا لو شاہ اممؐ — مٹ جائیں سب رنج و غم
سوز فرقت کا عالم — آنسو برسیں چھم چھم چھم
کوئی نہیں ہے مونسِ غم — کہنے کو ہیں سب ہمدم!
ہم بھی دید کے طالب ہیں — ہو جائے اک نظر کرم!
ساقیؐ کوثر ایسی پلا — میں ٹھکرا دوں جامِ جم
صابر مشکل ضبطِ فغاں — آہیں بھرتا ہوں پیہم

(۲۱)

۱۴۔ حافظ آفتاب وارثی

آفتاب احمد میر المعروف حافظ آفتاب وارثی ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جلالپور جٹاں میں محمد رمضان میر کے ہاں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم پائی۔ قرآن پاک حفظ کیا اور عربی و فارسی میں دینی علوم حاصل کئے۔ کچھ عرصہ پولیس میں ملازمت کی۔ پھر ایئر فورس میں خطیب ہوئے۔ بعد ازاں مالدیپ میں بھی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بالآخر جلالپور جٹاں کی ایک مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے فارسی، پنجابی اور اردو میں نعت کہی۔ تین مجموعے شائع ہوئے۔ "سوز جہاں تاب" اور "انوار شہ لولاک" خالص نعتیہ کلام ہے۔ آپ نے اپریل ۱۹۹۷ء میں جلالپور جٹاں میں وفات پائی۔ (۳۹)

بادۂ حب نبیؐ سے دل مرا سرشار ہے
لوگ کہتے ہیں کہ تجھ کو وہم کا آزار ہے

ان کے دیوانے ہوئے دانائے راز کُن مکاں
ہو گیا جب نور عرفاں دل پہ جلوہ بار ہے

مارمیت اذرمیت سے ہوا اعلان یہ
دستِ رب العالمیں دستِ شہؐ ابرار ہے

آیا سبحان الذی اسریٰ بعبدہ اس لئے
دیکھ لیں منکر کہ نور حق کی کیا رفتار ہے

مرحبا، فرمایا حق نے لعلیٰ خلق عظیم
دشمن جاں کے لئے بھی تیرے دل میں پیار ہے

جس کے جلووں سے ہے رخشاں آفتاب کائنات
اس رخ زیبا کی دل میں حسرت دیدار ہے

(۴۲)

۱۵۔ جان مضطر

محمد جان نام اور مضطر تخلّص ہے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے میٹرک کرنے کے بعد لاہور کا رخ کیا اور ہیلی کالج آف کامرس سے بی کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں ایم اے کیا اور درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا۔ ذوق شعری آپ کو اپنے والد جناب فضل حسین فضل سے ورثے میں ملا۔ اردو، پنجابی، فارسی اور انگریزی میں شعر کہے۔ اردو کلام "واردات قلب مضطر" کے نام سے ترتیب دے دیا ہے (۴۰) جان مضطر نے مارچ ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔

حسن ازل کا پرتو تاباں تمہیؐ تو ہے
دین خدا کے مہر درخشاں تمہیؐ تو ہو

روشن ہے تیرے نور سے دنیائے ہست و بود
میخانۂ حیات کا ساماں تمہیؐ تو ہو

کس دل میں تیرے عشق کی آتش نہیں ملی
حقّا کہ سب کے درد کا درماں تمہیؐ تو ہو

جو بھی مریض عشق ہے اس کی شفا ہو تم
سب عاصیوں کی مرہم عصیاں تمہیؐ تو ہو

عرش عظیم پر شب اسریٰ کی دھوم تھی
اس خالق کریم کے مہماں تمہیؐ تو ہو

رحمت لقب ملا نے وہ تیری ذات ہے
سب جانتے ہیں صاحب قرآں تمہیؐ تو ہو

تم ہی ہمارے حشر میں شافع ہو برملا
یعنی سکون قلب کا ساماں تمہیؐ تو ہو

مضطر ہوں، بے قرار ہوں، میں تیرے ہجر میں　　　جس پر فدا ہیں میرے دل و جاں تمھی تو ہو

۱۶۔ م۔م۔ تبسم کاشمیری

حافظ محمد اسحاق کے نور نظر محمد مسعود تبسم کاشمیری ۱۱ اپریل ۱۹۲۶ء کو جالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک مروجہ تعلیم حاصل کی۔ مزید فاضل درس نظامی اور منشی فاضل کی اسناد بھی حاصل کیں۔ حصول تعلیم کے سلسلے میں جالپور جٹاں کے علاوہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور دارالسلام عمر آباد (مدراس) میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ۲۶ سال کی عمر میں بطور مدرس عملی زندگی کا آغاز کیا اور ۳۴ سال معلمی سے وابستہ رہے۔ آج کل آپ جامعہ گاہے شاہ جالپور جٹاں میں خطیب ہیں۔ "حال و خیال" اور "منزل و محمل" آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ جبکہ "نفث الرحمانی"۔ "الصلوٰۃ القائمہ" اور "البرہان فی آداب تلاوت و قرآن" نثری کتابیں ہیں۔ آپ ایک اچھے کاتب بھی ہیں لیکن یہ کام رقم لے کر نہیں کرتے۔ شاعری کی دونوں کتب پر گولڈ میڈل اور سلور میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ (۴۰)

چمکے حرا میں آپ کی تنویر کے چراغ　　　سارے جہاں سے بجھ گئے تکفیر کے چراغ
وحدت کا آفتاب سر بام آ گیا　　　سایہ رہا نہ کثرت تعبیر کے چراغ
فسق و فجور آ گئے خود اپنے دام میں　　　شرک آپ توڑتا گیا تزویر کے چراغ
لوٹ بدی سے فکر و عمل پاک ہو گئے　　　چمکے جو جسم و جان میں تطہیر کے چراغ
تخریب کے اندھیرے سمٹتے چلے گئے　　　جوں جوں بڑھے جہان میں تعمیر کے چراغ
گھر گھر جلا رہے تھے غلامان مصطفیٰ　　　انسانیت کی عزت و توقیر کے چراغ
طوق گلو سے گردنیں آزاد ہو گئیں　　　قدموں میں منہ کے بل گرے تعزیر کے چراغ
بیداد کو بصیرت الفت ہوئی عطا　　　یوں جگمگائے پیار کی تاثیر کے چراغ
ذوقِ خودی سے بندہ ہوا مظہر صفات　　　افلاک تک وہ لے گیا تسخیر کے چراغ
خود آگہی نے بڑھ کے خدائی سمیٹ لی　　　تدبیر کے چراغ تھے تقدیر کے چراغ
نکلا حریم ذات سے خود حسن منتظر　　　لے کر کتاب عشق کی تفسیر کے چراغ
پھر امتیاز شاہد و مشہود مٹ گیا　　　باہم جلے تصور و تصویر کے چراغ
مدحت کوئے رسولؐ تبسم ہوں اس لئے　　　روشن ہیں دل میں میرے بھی تنویر کے چراغ

(۲۳)

۱۷۔ ہاجرہ مشکور ناصری

ہاجرہ مشکور ناصری ۱۹۲۶ء میں جالپور جٹاں میں پیدا ہوئیں۔ تعلیمی زندگی کا آغاز بچپن سے

ہوا۔ لیکن ادبی زندگی میں نکھار لاہور کے ادبی ماحول میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ آپ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں نثر اور نظم میں اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ "دمخد بدکھا" اور "جہان آرزو" آپ کی تصنیفات ہیں جبکہ "یاداں دے پرچھانویں"۔ "جنت اداس ہے" اور "اپنادرد" اشاعت کی منتظر ہیں۔ (۲۴)

من کی نیّا تو کئی سالوں سے منجدھار میں تھی
اب کناروں کے کچھ آثار نظر آتے ہیں

وقت کے ساتھ مقدّر بھی بدل جاتا ہے
کھل ہی جاتے ہیں جو اسرار نظر آتے ہیں

اس سے بڑھ کر بھلا اس خاک کی عظمت کیا ہو
مثل کعبہ در و دیوار نظر آتے ہیں

جب مدینے کا کبھی نام لبوں پر آیا
سامنے آنکھوں کے سرکارؐ نظر آتے ہیں

کملیؐ والے مرے اس دیس میں ایسا کیوں ہے
پھول کھلتے ہیں مگر خار نظر آتے ہیں

بخش دیں پاؤں کی مٹی کا خزانہ مجھ کو
سونا چاندی بھی بیکار نظر آتے ہیں

اب تو مشکور کے اس حال پر ہو نظر کرم
جو بھی ہیں اس سے وہ بیزار نظر آتے ہیں

(۲۵)

۱۸۔ اسلم میر

۱۹۳۲ء کے لگ بھگ جلالپور جٹاں کے میر خاندان میں محمد اسلم پیدا ہوئے۔ تعلیم کے دوران ہی شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا۔ اور پھر جلالپور جٹاں کی علمی وادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ۱۹۵۹ء میں فکر معاش آپ کو وطن سے دور لے گئی "اپنی گلیوں میں اجنبی" آپ کا شعری مجموعہ ہے جس کے تین حصوں میں سے ایک حصہ "حسن عقیدت" حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ "دربار رسالتؐ میں" کے عنوان سے ایک نعتیہ مسدّس ملاحظہ کیجئے:

شاہوں کا شہ کہوں کہ شہ دوسرا کہوں
خاتم کہوں کہ سرور کُل انبیاء کہوں

یاسینؐ سراج نور کہ خیر الوریٰ کہوں
محبوبِ حق کہ زائرِ عرشِ علیٰ کہوں

میں ابتدا کہوں تجھے یا انتہا کہوں
جی چاہتا ہے نعت رسولؐ خدا کہوں

طلبِ خلیل یا کہ نوید مسیح کہوں
اُمّی کہوں کہ عالم علم فصیح کہوں

جد قتیل شام کہ ابنِ ذبیح کہوں
طلع البدر کہوں یا حسن صبیح کہوں

سالارِ جیش عابدِ غارِ حرا کہوں
جی چاہتا ہے نعت رسولؐ خدا کہوں

دنیا کے بے کسوں کا سہارا کہوں جسے
انسانیت کو جس نے سنوارا کہوں جسے

رب نے قرآن جس پہ اتارا کہوں جسے
اللہ نے جس کو اپنا پکارا کہوں جسے

صل علیٰ کہوں کہ بلغ العلیٰ کہوں		جی چاہتا ہے نعت رسولؐ خدا کہوں

آقاؐ عطا ہو نطق کہ تیری ثنا کروں		آقاؐ عطا ہو سوز کہ اس میں جلا کروں
آقاؐ عطا ہو عشق کہ یہ جاں فدا کروں		آقاؐ عطا ہو درد نہ جس کی دوا کروں
آقاؐ تجھے میں مرکز جود و سخا کہوں		جی چاہتا ہے نعت رسولؐ خدا کہوں

(۲۶)

۱۹۔ اختر حسین شیخ

اختر حسین ۲۷ نومبر ۱۹۳۳ء کو جلالپور جٹاں کی ایک شیخ فیملی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایم بی پرائمری اسکول دائم گنج امرتسر سے حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اسکول گجرات سے مڈل اور اسلامیہ ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے میٹرک کرنے کے بعد ایئر فورس میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد دبئی ایئر فورس جوائن کر لی۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ شاعری، طنز و مزاح، اقبالیات، تراجم اور سوانح کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ (۲۷)

سدا صحرا نشیں کی بات ہو گی		فلک پر بھی زمیں کی بات ہو گی
جہاں ہو ذکر ان کے آستاں کا		وہیں میری جبیں کی بات ہو گی
رہی ظرف سماعت سے جو باہر		وہ کیا عرش بریں کی بات ہو گی
صحیفوں کی فصاحت جس پہ نازاں		وہ زلف عنبریں کی بات ہو گی
تصور جس کا ہے افضل عبادت		اسی نور مبیں کی بات ہو گی
نہیں گر دل نشیں ذکر پیمبرؐ		تو پھر کس دل نشیں کی بات ہو گی
وہی جو نور کے ہالے میں اختر		نگاہ نور مبیں کی بات ہو گی

(۲۸)

۲۰۔ اختر فتح پوری

علامہ اختر فتح پوری اپنی تحریروں کے حوالے سے نیاز فتحپوری اور فرمان فتحپوری کے ہم مکتب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا نام محمد سلیم ہے۔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو جلالپور جٹاں کے نزدیکی گاؤں فتح پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فتح پور، کھوڑی اور اسلامیہ ہائی اسکول جلال پور جٹاں سے حاصل کی۔ فاضل عربی کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ تفسیر، فقہ، حدیث، تصوف، تاریخ، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ادب و عروض کے علاوہ مذاہب عالم کا بھرپور مطالعہ کیا۔ ۳۵ کے لگ بھگ عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جن میں تاریخ ابن خلدون، ابن کثیر، تاریخ المسعودی، تاریخ یعقوبی جیسی کتب شامل ہیں۔

سورۂ یوسف کی تفسیر جدید علوم کے پیش نظر نئے انداز میں کی۔ اردو، پنجابی اور عربی میں شعر کہتے ہیں۔

(۴۰)

کتنی اونچی ہے تری شان رسولؐ عربیؐ — جان و دل تجھ پہ ہیں قربان رسولؐ عربی
تجھ سا پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا کوئی — حق کی تو آخری برہان رسولؐ عربی
خطۂ ارض سے تا عرش ہے پرواز تری — تو ہی عالم میں ہے ذیشان رسولؐ عربی
تیری الفت کے سوا، رکھا ہے کیا پاس مرے — میں ہوں اک سوختہ سامان رسولؐ عربی
جس نے پہچانا تجھے اور خدا کو مانا — بن گیا حق کی وہ پہچان رسولؐ عربی
ہے یہی میرے لئے فخر جہاں میں اختر — کہ ہوں میں تیرا ثنا خوان رسولؐ عربی

(۳۹)

۲۱۔ سید عابد حسین نجم

جلال پور جٹاں میں ادبی چراغ کی لو تیز کرنے والے ماہنامہ ناوک کے ایڈیٹر و پبلشر جناب سید عابد حسین نجم، معین الدین پور میں ۱۰ مارچ ۱۹۳۶ء میں سید اکبر حسین شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ فوٹوگرافر ہیں اور پرنٹنگ پریس چلا رہے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں شعر کہتے ہیں اور شعر کہنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ہار گیا ہوں دھو دھو کر میں من کا میل نہیں جاتا ہے
در پہ بلا لیجئے عاصی کو، دل یاں چین نہیں پاتا ہے
پاک ہے تیری ذات مقدسؐ، حسن کامل درشن دے دو
در در حسن تلاشنے والا پگ پگ ٹھوکر ہی کھاتا ہے
میں نے ساغر توڑ دیا ہے اور بھی سب کچھ چھوڑ دیا ہے
اپنے عشق کا جام پلا دو، میں منگتا ہوں تو داتا ہے
تیرے نام کی جوت جلی تو روشن کر گئی میرے من کو
دیکھ کے دامن داغ بھرا دل جانے کیوں اب شرماتا ہے
آپؐ سے نسبت مجھ کو واپس سیدھے رستے پر لائی ہے
ایک بھولا بے راہ ہو کر قائم کب تک رہ پاتا ہے
وہ معبود ہے تو محبوبؐ ہے عابد سارے مسئلے حل ہیں
ساتھ اللہ کے آپ کا نام بھی لب پر آخر آجاتا ہے

(۴۰)

۲۲۔ احسان اکبر

اردو، پنجابی اور انگریزی کے شاعر جناب احسان اکبر کا تعلق جلالپور جٹاں کی نواحی آبادی نوشہرہ خواجگان سے ہے۔ آپ کے والد محمد اکبر ۱۹۳۸ء میں سیہور (بھوپال) میں قیام پذیر تھے جہاں احسان اکبر ۴ جنوری کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم اے تک تعلیم حاصل کی اور شعبۂ درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔ حال ہی میں سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ پنجابی، اردو اور انگریزی میں تنقید، تحقیق، تراجم، شعر و سخن اور تاریخ کی کئی کتب لکھ چکے ہیں۔ (۶)

وہ تخلیق کے دن کا روشن ستارا، ہوا جس سے تاباں شرارا ہمارا
وہ جس نے نگاہوں کو تنویر دے دی، وہ جس نے مقدر سنوارا ہمارا

وہ انسانیت کا تمامی نمونہ، اک امکان کلی اک احسان باری
یہ کیسے طلسمات کی پالکی میں، اتر آئی ہے رحمتوں کی سواری

کتاب و قلم ساتھ اترے ہیں جن کے، زبان و بیاں جن کی تقدیم میں ہے
جنہیں علم کی تاجداری ملی، جن کو ابجد کی تقویم تفہیم میں ہے

خدا پہلی بار آدمی سے مخاطب ہے اور بات کا رابطہ انؐ کی ہستی
جہاں اپنے معنی مفاہیم پاتا ہے اور فکر کا سلسلہ انؐ کی ہستی
(۲۸)

۲۳۔ شیخ صدیق ظفر

شیخ محمد صدیق ظفر ولد شیخ الٰہی بخش ۴ اپریل ۱۹۳۸ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جلالپور جٹاں سے حاصل کی۔ زمیندار کالج گجرات سے گریجویشن کرنے کے بعد تجارت کو بطور پیشہ اپنایا۔ ۱۹۷۱ء میں اپنے مرشد حضرت عبدالحقؒ کے نام پر جلالپور جٹاں میں کالج کی بنیاد رکھی جو آجکل گورنمنٹ عبدالحق اسلامیہ کالج کے نام سے ایک مثالی تعلیمی ادارہ ہے۔ گورنمنٹ گرلز انٹر کالج بھی آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کی انہیں خدمات کے باعث آپ کو جلالپور جٹاں کا سرسید کہا جاتا ہے۔ آپ ایک عرصے سے شعر کہہ رہے ہیں۔ شریف کنجاہی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ایک نعتیہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

درِ حبیبؐ پہ دل کو قرار ملتا ہے   جہاں پہ جلوۂ حسن آشکار ملتا ہے
درِ حضورؐ درِ مصطفیٰؐ مری منزل   جہاں یہ عشقِ نبیؐ مشکبار ملتا ہے

میں انؐ کے در کی گدائی پہ ناز کرتا ہوں — کہ مجھ کو لطف و کرم بے شمار ملتا ہے
مرے لئے یہ زمان و مکان کی دولت — زہے نصیب جو در کا غبار ملتا ہے
خدا کے گھر میں مری روح کانپ اٹھتی ہے — نبیؐ کے در سے مجھے لطف و پیار ملتا ہے
جو جانتا ہے مآلِ سکندری کیا ہے — نبیؐ کے شہر میں وہ شہر یار ملتا ہے
جو ایک بار دیارِ نبیؐ میں حاضر ہو — پھر اس دیار میں وہ بار بار ملتا ہے
نبیؐ کے در کا وہ اک مستقل ملازم ہے — تمہیں وہاں جو ظفر دلفگار ملتا ہے

(۴۰)

۲۴۔ صدا گجراتی

چیمہ خاندان کے چشم و چراغ جناب فضل حسین ولد نواب علی چیمہ جنہیں ادبی حلقوں میں صدا گجراتی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم ہریہ والا میں حاصل کی اور میٹرک زمیندارا ہائی اسکول گجرات سے کیا۔ منشی فاضل اور بی اے کرنے کے بعد اے جی آفس میں آڈیٹر بھرتی ہو گئے۔ نثر اور نظم میں کئی تحریریں تصنیف کیں۔

وہ خیر البشرؐ اہلِ وصفِ حمیدہ — ہیں کُل انبیاء سے نبی برگزیدہ
ہے نور انؐ کا خالق کی تخلیقِ اولیٰ — قلم نیستاں میں ہے تازہ حمیدہ
قلم مدحِ آقا میں ہے بسکہ عاجز — شہادت میں لایا ہے اشکِ چکیدہ
صفات ان کے بیرونِ حدِ بیاں میں — کرے پھر یہ تحریر کیوں کر قصیدہ
یقیں کر نفسی کا کیوں کر دلائے — ہے چشمِ قلم دیکھ لو آبدیدہ
ہیں الفاظ فانی قلم بھی ہے فانی — کرے مدح کیا بندۂ سرگزیدہ
قلم ہوں شجر اور سیاہی سمندر — بیاں وصف پھر بھی نہ ہوں چیدہ چیدہ
حبیبِ خدا سوئے عشاق دیکھو — ہیں شوریدہ سر اور گریباں دریدہ
غم ہجر میں میرا شاہِ دو عالم — ہے پژمردہ دل، تن سے ہے جاں رمیدہ
مجھے اپنے روضے پہ اب تو بلا لو — کہ فرقت سے قد بھی ہوا ہے خمیدہ
کٹے انؐ کے اعداء کی جڑ یوں خدایا — کوئی حرف جیسے کٹے خط کشیدہ
زہے میں نے قرآں میں واللیل دیکھا — شنیدہ نہیں ہوتا مانندِ دیدہ
انہیں ہم نشیں کہہ کے اپنی طرح کا — صداؔ کو خدارا نہ کر آبدیدہ

(۳۷)

۲۵۔ ضیاؔء جلالپوری

سیاست کے میدان کے نذیر احمد مٹ اور ادبی حلقوں کے ضیاء جلال پوری ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حاجی عبدالغنی مٹ ہے۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کے یونین ہال میں قائم فری یونین اسکول میں حاصل کی۔ ایف اے اور منشی فاضل کرنے کے بعد رزق کی تلاش میں برطانیہ جا پہنچے۔ تحریکِ استقلال کے بنیادی رکن ہیں۔ الیکشن کی گہما گہمی میں وطن آتے ہیں۔ مقابلہ کرتے ہیں اور ہار کر واپس چلے جاتے ہیں۔ شعر و سخن سے بھی منسلک ہیں۔ "شبِ تار" اور "حبِ وطن" دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں (۳۰)۔

مدینے میں جانے کو جی چاہتا ہے ترےؐ پاس آنے کو جی چاہتا ہے

ہے مدّت سے دل میں مرے ایک حسرت کہ دیدار پانے کو جی چاہتا ہے

زمانے نے مجھ پر ستم جو کئے ہیں وہ قصّہ سنانے کو جی چاہتا ہے

دھڑکتا ہے یہ دل ترئ آرزو میں اب آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

بھڑکتی ہے فرقت کی جو آگ دل میں وہ شعلے دکھانے کو جی چاہتا ہے

ضیاؔء پر گراں ہے ترا ہجر آقاؐ ترےؐ پاس آنے کو جی چاہتا ہے

(۳۱)

۲۶۔ ایم اے شاؔد

محمد اکبر نام اور شاؔد تخلّص ہے۔ ۶ جون ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ملک امام الدین ہے۔ ابتدائی تعلیم جلالپور جٹاں سے حاصل کی۔ بھمبر کالج (آزاد کشمیر) سے ایف اے کیا اور فوج میں بھرتی ہو گئے لیکن جلد ہی اس ملازمت سے فراغت پا کر طبابت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اپنے والد کے نام پر امام الدین میموریل سوسائٹی بنا رکھی ہے جس کے تحت ہر سال اہل علم و ادب کی علمی و ادبی خدمات کے سلسلے میں انہیں ایوارڈز سے نوازتے رہتے ہیں۔ میلادالنبیؐ کے حوالے سے ایک نعت دیکھئے۔ (۴۰)

بہاریں زندگی کی باغ میں آئیں کہ وہؐ آئے افق پر رحمتوں کی بدلیاں چھائیں کہ وہؐ آئے

خدا کی نعمتوں کو چاہئے کوئی تہی دامن جہاں پایا وہیں فوراً سمٹ آئیں کہ وہؐ آئے

مشرف ہو گئی معراج انسانی سے یہ دنیا مقدّر نے ہزاروں عظمتیں پائیں کہ وہؐ آئے

منور ہو گئے آفاق میلاد محمد ﷺ سے گھٹائیں رحمتوں کی جھوم کر آئیں کہ وہؐ آئے

زمانے میں ہوئی آخر صداقت روبکار ایسے بُتوں کی حکمتیں کعبے نے جھٹلائیں کہ وہؐ آئے

یہی اے شاؔد ہے میلاد کا مضموں حقیقت میں فضائیں باغ جنت کی اتر آئیں کہ وہؐ آئے

(۱۹)

۲۷۔ کعبی بہل پوری

حکیم محمد عظیم کے لخت جگر منیر الحق المعروف کعبی بہل پوری ۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو جلالپور کی نزدیکی بستی بہل پور میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے میٹرک کرنے کے بعد درس و تدریس سے رابطہ جوڑ لیا۔ ایم اے کیا تو کالج میں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ آجکل اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ "سلام رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ" اور "رگ خواب" دو کتب شائع ہو چکی ہیں جن میں اول الذکر تنقیدی اور آخر الذکر شعری مجموعہ ہے۔ "حمد" اور "نعت" دو شعری مجموعے زیر طبع ہیں۔

تجھ کو نہیں جو غم کی تاب چھیڑ دے ذکر آنجنابؐ — یاد حضورؐ کے طفیل دل کا مناسب اضطراب
محو تصورات میں صبح سے تا سواد شام — شام سے تا کنار فجر گھوما پھرا میں خواب خواب
وجہ وجود کائنات ایک نگاہِ التفات — میری نگارشات بھی پائیں قبول انتخاب
خاک در حضورؐ سے لے کر غبار نور سے — سوچ ہو میری مستنیر فکر ہو میری مشک ناب
چاک ہیں پیرہن ہوئے، خاک چمن چمن اڑے — منظر کشاد چرخ، آج وطن کے شیخ و شاب
دست ستم ہے حکمراں، جبر ہے ہر طرف رواں — حیف ہے تیرے نام سے ظلم کا سارا اکتساب
اے کہ ہے تیرے ہات میں نبضِ حیات وکائنات، — اے کہ تیرا ہی دین ہے ضامن عمر انقلاب
مرحمتِ نبیؐ اگر ہو نہ ہمارے ہم سفر — امن ہو منتشر تمام چمن ہو سر بسر خراب
دولت حسن خلق بھی آخرکار چھن گئی — امت مسلمہ کبھی بھول چکی وہ اک نصاب
دفتر وہم دے الٹ ایک نگاہ ناز سے — جلوہ نما کہ خلق ہے پھر سے اسیر ارتیاب

(۴۰)

۲۸۔ مہدی چوہان

مہدی علی خان ولد چوہدری رحمت خان یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو موضع ڈڈے نزد جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم موضع سانتل میں حاصل کی۔ مڈل کا امتحان پیر دشاہ سے پاس کیا۔ اور میٹرک اسلامیہ ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے کرنے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ کم عمری سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ اردو اور پنجابی میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ آپ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ "غریب دی پکار"۔ "شکوہ جواب شکوہ" اور "جبر کے زندان میں" آپ کی شعری کاوشیں ہیں۔

حاملِ تحریر سے بالا ہے جس کی داستاں — ہے محمد مصطفیٰؐ وجہ وجود دو جہاں
جس کے قدموں میں ملائک سربسجدہ ہو گئے — آدم خاکی کے پیکر میں تھا یہ راز نہاں
چہرۂ انور چھپائے عبدہ میں لاکھ بار — چشم بینا دیکھ لیتی ہے بلا وہم و گماں
آمد سرکار عالم ہے ذرا پردے کی بات — داستان عشق ہے یہ از زمیں تا آسماں

چشمِ عشق دور بیں ہو تب نظر آتا ہے وہ	خالقِ ارض و سما کا وارثِ کون و مکاں
وہ سراپا نور ہے وہ رحمت للعالمیں	وہ زمانے کا نگہباں، وہ جہاں کا مہرباں
دین و دنیا میں ہے سرمایہ فقط عشقِ رسولؐ	زندگی مصدقہ سوا جس کے ہے ساری رائیگاں

(۴۰)

۲۹۔ ندیم جلالپوری

شوکت علی نام اور ندیم تخلص ہے۔ آپ کو شعر و سخن سے کنارہ کیے تقریباً اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔ اس لئے جلالپور میں آپ کو بحیثیت شاعر کوئی نہیں جانتا۔ آپ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو محمد رمضان کے ہاں جلالپور جٹاں میں ہی پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا۔ کم عمری میں ہی شعر کہنا شروع کئے تھے اور پھر چند سال تک مقامی اخبارات و رسائل چھاپی تحریریں یادگار چھوڑ کر جلد ہی اسے ترک کر دیا۔ البتہ تین بیاضیں آپ کے پاس محفوظ ہیں۔ ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے نعتیہ رنگ ملاحظہ ہو ۔

شاہِ والا کی ولادت کا مہینہ آگیا	کفر اور باطل کے ماتھے پر پسینہ آگیا
میرے آقاؐ کی غلامی میں یہی تو راز ہے	جو کہ نالاں تھے کبھی ان کو بھی جینا آگیا
مشکلوں میں ہوں کرم کی اک نگاہ فرمایئے	دہر کے گرداب میں میرا سفینہ آگیا
تیریؐ بزمِ ناز کا مجھ پر یہی تو ہے اثر	آتے آتے غم اٹھانے کا قرینہ آگیا
دولتِ دنیا و دیں، فکر و عمل ہم کو ملے	رحمتوں کے بحر سے کتنا خزینہ آگیا
تھی جو میری دھڑکنوں میں وہ لبوں پر آگئی	اب سمجھتا ہوں کہ جینے کا قرینہ آگیا
اس ندیم بے نوا کے بھی مقدر دیکھئے	نیند کیا آئی کہ سپنے میں مدینہ آگیا

(۴۰)

۳۰۔ افتخار ارقم

جلالپور جٹاں کے نواحی گاؤں "داؤد پور" میں جناب غلام حیدر کے گھر دو بچوں نے جنم لیا۔ محمد انعام راشد اور محمد افتخار الحق۔ اول الذکر ایک مزاح نگار اور موخرالذکر ارقم تخلص کے ساتھ ایک شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔

محمد افتخار ارقم ۴ اپریل ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم گورنمنٹ پرائمری اسکول منڈیالہ سے حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے میٹرک کیا۔ زمیندار ڈگری کالج گجرات سے ایف ایس سی اور پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد کلینک کرنے لگے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ "اسمِ احمد" شائع ہو چکا ہے ۔

وہ امامِ مرسلیں، محبوبِ ربِ العالمیں
نفس و آفاق میں ان سا کہیں کوئی نہیں

پیشوائے اصفیاء ہیں رہنمائے اذکیاء
وہ رئیس راستیں ہیں وہ امیر مقبلیں

وہ سراپا خاکساری، سادگی، پاکیزگی
نخوت و فخر و تکلف ان میں ذرہ بھر نہیں

فخرِ اول، فخرِ آخر، فخرِ حق، فخرِ امام
فخرِ عالم، فخرِ آدم، فخرِ دنیا، فخرِ دیں

بعثت و الہام کا عنوان ان کی ذات ہے
ان کا اٹھنا بیٹھنا تفسیر آیات مبیں

ان کے مداحوں میں اللہ خود سرفہرست ہے
آگے آگے ہے صفِ خدّام میں روح الامیں

کور چشموں کو انہوں نے کی ہے بینائی عطا
واہم خوردہ ذہن کو بخشے ہیں انوارِ یقیں

راسخ العہد و قوی العزم و شائستہ عمل
دشمنوں کی بھی نظر میں ہیں وہ صادق اور امیں

(۴۰)

۳۱۔ اشفاق ایاز

ترجمہ، افسانہ اور شاعری کا ایک نام محمد اشفاق ایاز ۸ جون ۱۹۵۸ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوا۔ آپ کے والد کا نام جناب محمد اسماعیل ہے۔ اشفاق نے ابتدائی تعلیم، تعلیم الدین ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے حاصل کی۔ سرسید کالج گجرات سے ایف ایس سی کیا۔ بعد ازاں بی اے اور ایم اے کیا۔ اردو ڈائجسٹ، روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ جنگ کے علاوہ کئی رسائل میں باقاعدگی سے لکھتے رہتے ہیں۔ روزنامہ مشرق اور روزنامہ امروز میں بھی آپ باقاعدگی سے لکھا کرتے تھے۔ ۵ سال تک ہفت روزہ "صدائے فیصل" کے چیف ایڈیٹر رہے اور آجکل ماہنامہ "ناوک" کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

ہوا نظر کرم کا جب اشارہ چپکے چپکے
شفاعت کا مری آیا بلاوا چپکے چپکے

زمیں سے تا فلک صلِ علیٰ کا ورد جاری
خلق کیا خالقِ کُل کا وظیفہ چپکے چپکے

خدا کو اس قدر پیاری لگی وہ کالی کملی
جہاں کا بن گئی رنگیں لبادہ چپکے چپکے

فرازِ طور پر بس اک تجلی اور یہاں پر
کبھی پردوں حجابوں سے کنارہ چپکے چپکے

کرم کی ایک ہی بارش نے کر ڈالا ایاز
مری ہر سیہ بختی میں اجالا چپکے چپکے

(۴۰)

۳۲۔ کلیم احسان بٹ

پروفیسر کلیم احسان بٹ جلالپور جٹاں کی ایک متحرک ادبی شخصیت ہیں۔ آپ ۵ دسمبر ۱۹۶۴ء کو احسان اللہ بٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبے سے حاصل کی۔ پھر زمیندار کالج گجرات سے ایم اے کرنے کے بعد لیکچرار شپ اختیار کرلی۔ آپ اچھے شاعر، نقّاد اور محقّق ہیں۔ "گجرات میں اردو شاعری" آپ کی تحقیقی کاوش اور "موسم گل حیران کھڑا ہے" شعری مجموعہ ہے۔

حرف کچھ بھی نہ تھے نعت کے واسطے
میں نے موتی چنے نعت کے واسطے

کوہ و صحرا میں ذکرِ نبیؐ عام ہے
موج دریا چلے نعت کے واسطے

پڑھ رہی تھیں ہوائیں درود و سلام
جب پرندے اڑے نعت کے واسطے

دل پھلوں کے محبت سے لبریز ہیں
رس ٹپکنے لگے نعت کے واسطے

جو بھی پیدا کیا' جن' ملائک' بشر
اس نے پیدا کیے نعت کے واسطے

اتنا روشن رہا دل مرا دوستو
جتنے مضموں ملے نعت کے واسطے

کون ہے اس جہاں میں جو عاجز رہے
خود خدا جب کہے نعت کے واسطے

یا خدا میری کرنا خطائیں معاف
شعر کم ہو سکے نعت کے واسطے

(۴۰)

۳۳۔ رفیق انجمؔ

محمد رفیق نام اور تخلّص انجمؔ کرتے ہیں۔ آپ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو محمد امین ڈار کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ تعلیم الدین ہائی اسکول جلالپور جٹاں سے حاصل کی۔ زمیندار ڈگری کالج گجرات سے گریجویشن اور ایل ایل بی۔ ایم اے (سیاسیات) اور ایم اے (اردو) لاہور سے کیا اور گورنمنٹ عبدالحق اسلامیہ کالج جلالپور جٹاں میں لیکچرار مقرّر ہوئے۔ "پلکوں کے سائے تلے" آپ کا مجموعۂ کلام ہے۔

قرارِ من' کے وقارِ من' کے صداقتوں کا مینار بن کے
اتر کے آئے حرا سے آقاؐ زمانے بھر کا نکھار بن کے

یہ چاند' تارے' پہاڑ' دریا' انہیؐ کے صدقے بنا جہاں یہ
مہک رہا ہے انہیؐ کے دم سے چمن یہ سارا بہار بن کے

حضورؐ آئے تو ایک پل میں بدل گئی بے کسوں کی قسمت
نجانے کب سے پڑے ہوئے تھے جو حسرتوں کے مزار بن کے

بچا لیں آقاؐ کرم سے اپنے' ہوا ہے دشمن سماج سارا
پڑی ہیں آلائشیں زمانے کی مجھ پہ ساری غبار بن کے

چمک رہا ہے انہیؐ کے دم سے مرا یہ خاکی وجود انجمؔ
انہیؐ کے در کی یہ روشنی ہے جو چھائی مجھ پہ پیار بن کے

(۴۰)

۳۴۔ امجد آسیؔ

امجد حسین نام اور آسیؔ تخلص ہے۔ آپ ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء کو جلالپور جٹاں کی نواحی بستی داؤد پور میں محمد انور کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی دیہات سے حاصل کی۔ پھر عبدالحق اسلامیہ کالج جلالپور جٹاں سے ایف اے کیا اور اسکول ماسٹری اختیار کر لی۔ اپنے ارد گرد کے ادبی ماحول سے متاثر ہو کر شاعری اختیار کی اور حافظ محمد بشیر آزاد کی شاگردی اختیار کی۔ ابتداء غزل سے ہوئی لیکن استاد کے کہنے اور ان کی توجہ سے نعت کی طرف مائل ہوئے۔ اور اب اکثر نعت ہی کہتے ہیں۔

رسولؐ پاک کی جس انجمن میں بات ہوتی ہے
خدا کی رحمتوں کی اس جگہ برسات ہوتی ہے
فقط ان کا تصور جب میری سوچوں کی زینت ہو
عجب ہی اس گھڑی کچھ صورتِ حالات ہوتی ہے
نبیؐ کے شہر کی مٹی کو بھی چہرے پہ مل لینا
غلامانِ محمدؐ کے لئے سوغات ہوتی ہے
گنہگارو چلو دامن بھریں اپنے وہاں جا کر
عنایت اور بخشش کی جہاں خیرات ہوتی ہے
نہیں ہوتا مصیبت میں کوئی جب پوچھنے والا
مری غم خوار اور مونس نبیؐ کی ذات ہوتی ہے
جہاں میلادِ نبویؐ کی کوئی محفل نہیں ہوتی
وہاں تو بس ضلالت کی اندھیری رات ہوتی ہے
جو وابستہ رہے سرکارؐ کے دامانِ رحمت سے
ہمیشہ جیت جاتا ہے، اسے کب مات ہوتی ہے

(۴۰)

۳۵۔ ڈاکٹر شہزادہ پریتؔ

شہزادہ صفدر نام اور شہزادہ پریتؔ قلمی نام ہے۔ آپ ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مرزا صفدر بیگ کے ہاں جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ایک عالم اور حکیم تھے لہٰذا آپ نے بھی گریجویشن کے بعد ڈی ایم ایچ ایس کیا اور حیثیت ہومیو پیتھک ڈاکٹر والد کی وفات کے بعد کلینک سنبھال لیا۔ اور نثر و نظم میں طبع آزمائی کر کے علمی ورثے کی لاج بھی رکھی۔

سبحان اللہ یہ کس کا نام ہونٹوں پر مرے آیا
کہ ہر اک درد و غم خود آپ مجھ کو چھوڑ کر بھاگا
وساوس اور اندیشے سبھی دل سے گئے میرے
پوتر نام جب ان کا مرے سینے میں آ اترا
وہ اک قوت اب اپنی ذات میں محسوس کرتی ہوں
کہ جی میرا نہیں ظلم و ستم سے آج گھبراتا
مری خوش قسمتی ہے یہ کہ جس در کی میں سائل ہوں
شہنشاہوں کو بھی میں نے جھکاتے سر وہاں دیکھا
پریتؔ نام نامی وہ محمد مصطفٰےؐ کا ہے
لہو بن کر مری ہر ایک رگ میں جو سمویا ہے

(۴۰)

۳۶۔ صدیق ناصح

محمد صدیق تخلص بہ ناصح ۱۲ فروری ۱۹۷۲ء کو جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام رحمت اللہ ہے۔ ناصح نے میٹرک اپنے قصبے سے اور بی اے گجرات سے کیا زمیندار کالج گجرات سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔

دل میں جو عشق محمدؐ کو بسا لیتے ہیں ۔۔۔ اپنے سینے کو مدینہ وہ بنا لیتے ہیں
امتی پر ہی نہیں انؐ کی نگہ لطف و کرم ۔۔۔ وہؐ تو غیروں کو بھی سینے سے لگا لیتے ہیں
وہ بھلا کیسے کریں خواہش جنت ناصح ۔۔۔ میرے سرکارؐ جنہیں در پہ بلا لیتے ہیں

(۴۰)

ان شعراء کے علاوہ ایسے بہت سے نام بھی ادبی دنیا میں سامنے آئے جن کا تعلق جلالپور جٹاں کی مردم خیز دھرتی سے تھا۔ لیکن چونکہ نعتیہ حوالے سے ان کی کوئی تحریر نظر سے نہیں گزری اس لئے میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ان کے نام تحریر کئے جائیں البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو باہر سے آئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہے اور اپنی پیشہ ورانہ خدمات ادا کر کے چلے گئے۔ مثلاً منظر جہوری، صدیق طالب، انوار الحق ظہوری، ڈاکٹر خالد عمران خالدی، ڈاکٹر نبی بخش سولنگی، محمد ظہور ناصر، ریاض مفتی۔

باہر سے آنے اور پھر چلے جانے والے ان حضرات کا کلام و تعارف طوالت کے باعث پیش کرنے سے اجتناب برتوں گا۔ البتہ اپنے ایک نعتیہ شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

روز محشر کیجئے مجھ کو قبول ۔۔۔ اے شفیع المذنبیں پیارے رسول ﷺ

مآخذات

۱۔ گجرات کی بات۔ اسحق آشفتہ۔ لالہ موسیٰ ۱۹۹۱ء
۲۔ ٹیلیفون اینڈ بزنس ڈائریکٹری جلالپور جٹاں۔ طارق محمود احسن ۱۹۹۷ء
۳۔ مولوی احمد یار فکر تے فن۔ شہباز ملک۔ لاہور ۱۹۸۳ء
۴۔ پنجاب میں اردو۔ محمود شیرانی۔ لاہور ۱۹۷۲ء
۵۔ پورن بھنڈار (دوسرا ایڈیشن)۔ چتر داس صوری۔ گجرات ۱۹۲۰ء
۶۔ گجرات میں اردو شاعری۔ پروفیسر حلیم احسان بٹ۔ جلالپور جٹاں۔ ۱۹۹۶ء
۷۔ سیف الحادمین علی روس القاسمین۔ نورماہی وحید الستار سعید۔ لاہور ۱۹۲۸ء
۸۔ ظہور صداقت (بار دوم) پیر ظہور شاہ۔ لاہور ۱۹۳۱ء
اخبار بشارت۔ جلالپور جٹاں۔ ۱۹۲۸ء
سیف مریدی فرقہ یزید۔ میر محمد الدین۔ لاہور ۱۳۳۰ھ

۹۔ روزنامہ امروز۔ لاہور ۲۲ اپریل ۱۹۸۳ء
روزنامہ امروز لاہور۔ ۲۰ مئی ۱۹۸۳ء
۱۰۔ شعرستان۔ نعمان تاثیر و مظہر صدیقی۔ کراچی ۱۹۵۲ء
۱۱۔ نعت رنگ شمارہ ۶۔ صبیح رحمانی۔ کراچی۔ ستمبر ۱۹۹۸ء
۱۲۔ پنجابی سلیبس برائے بی اے۔ پنجاب یونیورسٹی
۱۳۔ گوہر پارے۔ خواجہ اللہ دتہ گوہر کاشمیری جلالپوری۔ گجرات۔ ۱۴۰۴ھ
۱۴۔ خفتگان خاک گجرات۔ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ۔ لوراں (گجرات) ۱۹۹۶ء
۱۵۔ نغمۂ نور۔ علامہ حامد الوارثی۔ فیصل آباد۔ ۱۹۸۶ء
۱۶۔ گجرات دے پنجابی شاعر۔ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ۔ غیر مطبوعہ
۱۷۔ ماہنامہ تاک۔ جلالپور جٹاں۔ ستمبر ۱۹۹۴ء
۱۸۔ اردو ادب اور عساکر پاکستان (جلد اول حصہ اول) شاکر کنڈان۔ کنڈان (سرگودھا) ۱۹۹۷ء
۱۹۔ اردو نعت اور عساکر پاکستان۔ شاکر کنڈان۔ ماہنامہ نعت لاہور۔ نومبر ۱۹۹۷ء
۲۰۔ شانِ محمدؐ۔ محبت خان بنگش۔ کوہاٹ۔ ۱۹۸۳ء
۲۱۔ ذاتی بیاض شبیر صابر (مرحوم) جلالپور جٹاں
۲۲۔ انوار شہ لولاک۔ آفتاب وارثی۔ جلالپور جٹاں۔ س ن
۲۳۔ حال و خیال۔ تبسم کاشمیری۔ جلالپور جٹاں۔ س ن
۲۴۔ پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری۔ اکادمی ادبیات اسلام آباد۔ ۱۹۹۴ء
۲۵۔ جہان آرزو۔ ہاجرہ مشکور ناصری۔ لاہور ۱۹۹۳ء
۲۶۔ اپنی گلیوں میں اجنبی۔ اسلم میر۔ کراچی۔ ۱۹۸۲ء
۲۷۔ اردو ادب اور عساکر پاکستان (جلد اول حصہ دوم) شاکر کنڈان۔ زیر طبع
۲۸۔ بہار نعت۔ حفیظ تائب۔ لاہور۔ ۱۹۹۰ء
۲۹۔ گجرات کے اردو نعت گو شعراء۔ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ۔ ماہنامہ نعت۔ لاہور۔ فروری ۱۹۹۸ء
۳۰۔ حب وطن۔ ضیاء جلالپوری۔ جلالپور جٹاں۔ ۱۹۹۶ء
۳۱۔ شب تار ۱۹۹۶ء
۳۲۔ پروفیسر کلیم احسان بٹ نے کلام فراہم کیا۔
۳۳۔ چوہدری محمد اشرف نمبردار عالم گڑھ سے بات چیت۔
۳۴۔ کلام اور تعارف آپ کے بیٹے جان مضطر نے فراہم کیا۔
۳۵۔ قلمی تحریر محمد احسن خواجہ ایڈووکیٹ ولد گوہر کاشمیری۔
۳۶۔ تعارف آپ کے بھائی خالد فاروقی (منڈیالہ) نے فراہم کیے۔
۳۷۔ نعت سید عارف محمود مہجور رضوی سے حاصل کی۔
۳۸۔ نذیر احمد برادر شبیر صابر سے بات چیت۔
۳۹۔ تعارف اشفاق شاہین جلالپور جٹاں سے حاصل کیا۔
۴۰۔ تعارف اور کلام براہ راست شعرائے کرام سے حاصل کیے۔

مدحت

جگن ناتھ آزاد (بھارت)

(محفل نعت میں ایک رات)

وہاں کل رات جنت کا نظارا تھا جہاں میں تھا
عجب اک کیف پیہم آشکارا تھا جہاں میں

زمیں کا مرتبہ اس کے سوا اب اور کیا کہیے
کہ ذرّہ خاک کا گردوں کا تارا تھا جہاں میں تھا

زمیں سے عرش تک تھا ایک کیف بے خودی طاری
کہ اک نام مقدس جلوہ آرا تھا جہاں میں تھا

منور رات° کا دل تھا تجلّی خیز نغموں سے
وہاں ظلمت کا دامن پارہ پارہ تھا جہاں میں تھا

دلوں کے درد کی آباد تھی دنیا زبانوں پر
سعادت نے عجب نقشہ اُتارا تھا جہاں میں تھا

یہ تھی وہ سرمدی محفل کہ اس محفل کا ہر لمحہ
عقیدت نے محبت سے سنوارا تھا جہاں میں تھا

وہ دانائے سبل، ختم الرسل کا ذکر تھا جس کا
میسر اہل باطن کو سہارا تھا جہاں میں تھا

☆

تابش دہلوی (کراچی)

سرِّ جاں جب نظر پہ کھلتا ہے

درِ خیرالبشرؐ پہ کھلتا ہے

ان کی رحمت سے میرا حرفِ دعا

کھل کے بابِ اثر پہ کھلتا ہے

سایہ گستر ہے دامنِ رحمت

یہ نشاں بحر و بر پہ کھلتا ہے

طیبہ ہوتا ہے منزلِ مقصود

جب قدم رہ گزر پہ کھلتا ہے

غُرفۂ واللیل و والضحیٰ کا ہنوز

روز شام و سحر پہ کھلتا ہے

جب بھی ذکرِ رسولؐ کرتا ہوں

اک اُجالا سا گھر پہ کھلتا ہے

اک تجلّی حرم میں ہے ہر سُو

یہ بھی منظر نظر پہ کھلتا ہے

دیکھنا ہے کہ آسمانِ حرم

کیا مرے بال و پر پہ کھلتا ہے

جوشِ تعمیر میں وہ دستِ ہنر

خستہ ہر بام و در پہ کھلتا ہے

منفعل اشک ہیں گہر تابشؔ

یہ مری چشمِ تر پہ کھلتا ہے

☆

حفیظ تائب (لاہور)

حرم کا دیدۂ بیدار روضۃ الجنۃ
ازل نما، ابد آثار، روضۃ الجنۃ

جہاں پہنچ کے سکوں پائے دیدہ بھی، دل بھی
وہ پر بہار و پر انوار روضۃ الجنۃ

ہر اسطوانہ ہے عہد رسولؐ کا عکاس
ہر آن پایا ضیا بار روضۃ الجنۃ

سدا دکھاتا ہے خیرالقرون کے منظر
ہے گویا آئنہ بردار روضۃ الجنۃ

مہک رہا ہے جو انفاس زیست پرور سے
وہ حسن و خیر کا گلزار روضۃ الجنۃ

ریاض خلد سے وہ روضہ جان اہل نظر
نشاط حلقۂ ابرار روضۃ الجنۃ

☆

مظفر وارثی (لاہور)

رحمت ذوالجلال
قدسیوں کا جمال
بیکراں بے مثال
م ح م د

☆☆☆

آسمانوں سا قد
صبح جیسا وجود
پس بھی پیش آفریں
غیب، اصل شہود
جس کی چپ بھی خطیب
جس کا دکھ بھی طبیب
جس کی طب بھی کمال
م ح م د

☆☆☆

جس کے دربار میں
حکم قرآں چلے
جس کی رفتار میں
نبض دوراں چلے
رُخ ہواؤں کو دے
ابتداؤں کو دے
خوبصورت مآل

☆☆☆

دھڑکنوں میں سنوں

اُس کے قدموں کی چاپ

ایک اچٹتی نظر

دھوئے عمروں کے پاپ

دید حق جس کی دید

وقت، جس کا مرید

جس کا فردا بھی حال

م ح م د

☆☆☆

صبر اس کی اساس

فقر اس کا لباس

ہاتھ خالی مگر

دو جہاں اس کے پاس

اس کے فاقے رئیس

غم زدوں کا انیس

تہی دستوں کا مال

م ح م د

☆☆☆

صحن فردوس میں

وہ تہجد پڑھے

جھوم اٹھے عرش بھی

جب تشہد پڑھے

حق نما حق جواز

عشق جس کی نماز

حسن، جس کا خیال

م ح م د

☆☆☆

شاخ گل دے گیا
تازیانے کے ساتھ
فقر بھی رکھ دیا
ہر خزانے کے ساتھ

جب ہوں دکھ سامنے
آئے وہ تھامنے
ہجر جس کا وصال
م ح م د

☆☆☆

کبریا کا مرید
انبیا کا امام
اُس پہ لاکھوں درود
اُس پہ لاکھوں سلام

جس کا وعدہ، یقیں
جس کی چاہت بھی، دیں
شرح دین، جس کی آل
م ح م د

☆☆☆

عاصی کرنالی (ملتان)

خدا کا شکر کہ مجھ پر ہوا ہے آئینہ
مرے وجود کی تخلیق کا جو ہے منشا
خدا نے اس لیے آنکھیں مجھے ودیعت کیں
کروں حضور کا دیدار، جلوہ در جلوہ
نظر نظر میں اُتاروں کرن کرن وہ جمال
سفر حرا سے کروں تابہ گنبد خضرا
قدم دیئے کہ دیار حبیب میں پہنچوں
جبیں، کہ مسجد سرکارؐ میں کروں سجدہ
دماغ و دل مجھے اس واسطے ہوئے تفویض
دماغ و دل پہ رہے اُن کے عشق کا قبضہ
حواس خمسہ کے آئینے جڑ دیے مجھ میں
کہا کہ عشق نبیؐ ہے ان آئینوں کی جلا
شعور و عقل سے یوں بہرہ ور کیا مجھ کو
کہ اختیار کروں اُن کا اُسوۂ حسنہ
زباں جو دی تو وظیفہ بھی کر دیا تجویز
انھی کا ذکر، انھی کا بیاں، انھی کی ثنا
محیط جاں کو کیا اُن کے عشق سے لبریز
کہ اپنے جوش تلاطم سے پر رہے دریا
بس اُن کا عشق، بس اُن کی اطاعت کامل
پہنچنا چاہیں خدا تک تو ہے یہی رستہ
انھی میں محو رہوں اور انھی سے کام رکھوں
الٰہی مجھ کو یہ توفیق مرحمت فرما

☆

محسن احسان (پشاور)

سرور ایسا کہ لب ہو سکے نہ لب سے الگ
جمال مصطفویؐ ہے جمال رب سے الگ

ہم ان کے نام پہ ہاتھوں سے آنکھیں چومتے ہیں
عطا کیا ہے خدا نے مقام سب سے الگ

تمام پیکر برکت، تمام خیر کثیر
کہ اس کی ذات ہے ہر غیض ہر غضب سے الگ

وفا ورد زباں ان کے نام کی تسبیح
انھیں میں کیسے کروں اپنے روز و شب سے الگ

نزول رحمت پروردگار میرا نصیب
ہے میرا کاسۂ دل، کاسۂ طلب سے الگ

یہ مرتبہ تو کسی کے نصیب ہی میں نہ تھا
ہیں انبیائے زمانہ میں آپ سب سے الگ

یہ ان کی ذات گرامی کا فیض ہے محسن
کوئی بھی حرف نہ لکھا گیا ادب سے الگ

☆

جمال پانی پتی (کراچی)

متاع دو جہاں پائی تری مدحت سرائی سے
کمائی اور کیا دنیا میں اچھی اس کمائی سے

تمھارا نام آقا دل کی تختی پر لکھا ہم نے
محبت کے قلم سے آرزو کی روشنائی سے

نبی کا نور کیا ظلمت سرائے دہر میں چمکا
ہوا روشن جہاں سارا جمال مصطفائی سے

ترے نور ہدایت سے زمانے کو ملی منزل
نشانِ حق کا ملا دنیا کو تیری رہنمائی سے

تری عقدہ کشائی سے کھلے عقدے سبھی دل کے
ہوئیں سب مشکلیں آساں تری مشکل کشائی سے

وہ دولت بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتی
جو ملتی ہے گداؤں کو ترے در کی گدائی سے

پئے گل دستۂ نعت نبی چن چن کے لایا ہوں
ذرا دیکھو تو! کیا کیا پھول باغ مصطفائی سے

جمالؔ اس سے علوئے مرتبت کا ہو بیاں کیسے
پرے ہے مرتبہ جس کا تخیل کی رسائی سے

☆

احمد جاوید (لاہور)

چشمِ تر جلوہ گہہ دوست میں کام آئی نہیں
منزلِ دید پہ درکار یہ بینائی نہیں

دل میں اُس حرف کے مانند ہے نسبت اُنؐ کی
کہ جو شرمندۂ خاموشی و گویائی نہیں

کون سی راہِ ہدایت ہے جو اس ہادیؐ نے
دل کو دکھلائی نہیں عقل کو سمجھائی نہیں

دل ہے وہ حجرۂ مہمانیِ دلبر جس میں
غیر تو غیر ہے اپنی بھی پذیرائی نہیں

دیکھ اے شمعِ شبستانِ حرا اپنی لپک
تپش اظہار نہیں شعلۂ سینائی نہیں

میں نے بھی نذر گزاری تھی متاعِ دل و جاں
شکر صد شکر کہ سرکارؐ نے ٹھکرائی نہیں

آنکھ کا ذکر ہی کیا ہے جو انھیں دیکھ سکے
دلِ عارف نے ابھی تک وہ نظر پائی نہیں

کاش اُس بات سے بیگانہ رہیں یہ لب و گوش
جو مرے سید و سرکارؐ نے فرمائی نہیں

چاک پیراہنِ ہستی کو رفو کرتے ہیں
اُنؐ کے دیوانے بڑے لوگ ہیں سودائی نہیں

☆

اسلم انصاری (ملتان)

اے شبستان حرا!

اے شبستان حرا
اے دلِ سنگ میں ٹھہرے ہوئے اک نقش جمیل
اے کہستان جمادات میں جاگی ہوئی تقدیر کی لو
اے نہاں خانہ ہستی کے خزینوں کی ضیا
اے دلِ آدم و عالم کی دعا

اے شبستان حرا!
صبحِ آفاق نے مانگی تھی ترے ذرّوں کی نادیدہ کرن
تو نے سیکھا تھا ازل سے درِ امکاں کی طرح وا رہنا
کہکشائیں تری دہلیز سے گزری ہیں زمانوں کی طرح
اور ----- زمانے، جو مہ و سال ہیں -----
سانس روکے ہوئے
اور سر کو جھکائے ہوئے، آتے ہیں یہاں
فیض روانی کے لیے
سب عبارات و اشارات ہیں خاموش یہاں
حسن معانی کے لیے!

اے شبستان حرا،
اے لبِ ہستی کی دعا
اے دلِ آدم و عالم کی تمنا کی مثیل
اے گزرتی ہوئی آنات میں اِک قائم و دائم کی دلیل
تو وہ خوش بخت کہ اُس مہرِ جہاں تابؐ نے بخشا تجھے جلوؤں کا ہجوم

حسن انفاس کا تنزیہہ وتعطر تری محراب کو فردوس نما کرتا تھا،
تیرے دامن میں ہوا صبح رسالت کا طلوع.....

اے دل آدم و عالم کی دعا

اے شبستان حرا!

اے شبستان حرا!

☆☆☆

مظفر حنفی (بھارت)

غنچے غنچے کھلا محمدؐ
خوشبو سا پھیلتا محمدؐ

سینے سینے مہک رہا ہے
چاند کرن موتیا محمدؐ

کیسی اٹھلاتی پھرتی ہے
تتلی پر لکھ دیا محمدؐ

ریشہ ریشہ دھوپ کے نیزے
سر پر کالی گھٹا محمدؐ

یوم ازل سے روز ابد تک
رحمت کا سلسلہ محمدؐ

سرتاپا عصیاں پیکر ہوں
مجھ کو دیکھنا محمدؐ

مرنے کے لاکھوں حیلے ہیں
جینے کا آسرا محمدؐ

ہر مشکل میں ہر آفت میں
پڑھیے صل علیٰ محمدؐ

☆

عنوان چشتی (بھارت)

عشق کی جوت اور دل کا نگینہ تیرے نام
تیرے نام اے شاہ مدینہ تیرے نام

یوں تو فقیر عشق ہے خالی ہاتھ، مگر
کرب کی دولت، غم کا خزینہ تیرے نام

ذرّہ ذرّہ تیرے نور سے روشن ہے
لمحہ لمحہ وقت کا زینہ تیرے نام

عشق دریا موج میں ہے پھر اے مانجھی
روح کا لنگر، دل کا سفینہ تیرے نام

جینے کے آداب ہیں تیری دین مگر
مرنے کا ہر ایک قرینہ تیرے نام

میرے کفر و دیں کی حقیقت کچھ ہو مگر
ذہن کا کعبہ، دل کا مدینہ تیرے نام

میرے نشاط و غم کا محور تیری ذات
ماہ محرم، عید مہینہ☆ تیرے نام

☆

(☆ اگرچہ بنیادی طور پر، یہ لفظ (مہینا) ہندوستانی ہے۔ مگر اب اس کا املا "ہ" (ہ) سے بھی کیا جاتا ہے۔ مہینہ آخری "ہ" (ہ) کے ساتھ (مختصر اردو لغت از ترقی اردو بیورو۔ نئی دہلی) میں بھی ملتا ہے۔)

حافظ محمد ظہور الحق (اسلام آباد)

اے خدا کے آخری پیغامبر تجھ پر سلام
سب سے اُونچا ہے خدا کے بعد تیرا ہی مقام

تو نے دنیا کو پڑھایا ہے سبق توحید کا
تو نے بھر بھر کے پلائے ہیں مئے وحدت کے جام

تیری فیاضی نے ذروں کو بنایا آفتاب
بن گئے اُونٹوں کے چرواہے زمانے کے امام

تیرے آنے سے چمن میں آ گئی تازہ بہار
تو نے دنیا سے مٹایا کفر و باطل کا نظام

اسود و احمر کی تو نے ختم کر ڈالی تمیز
ایک ہی صف میں بٹھائے تو نے آقا و غلام

تیری اُمت کیوں نہ پائے "خیر اُمت" کا خطاب
تو ہے جب خیرالبشر، خیرالرسل، خیرالانام

تو جہاں میں ہے خدا کا آخری پیغامبر
ختم ہے تجھ پر نبوت، تجھ پہ ہر نعمت تمام

لیلۃ الاسرا میں "سدرہ" پر رُکے روح الامیں
اور سدرہ سے کہیں آگے ہوا تیرا مقام

شافع روز جزا اور ساقی کوثر ہے تو
تو حبیب کبریا ہے تو رسولوں کا امام

منحصر تیری اطاعت پر ہے انساں کی نجات
تیرا ہر اک حکم ہوتا ہے خدا ہی کا پیام

تو نے دنیا کو دکھایا ہے صراط مستقیم
تو نے دنیا سے مٹائے ہیں ضلالت کے ظلام

جب ہوا تیری نبوت کا زمانے میں ظہور
مٹ گیا کفر و نفاق و شرک و بدعت کا نظام

دونوں عالم کی سعادت ہاتھ آئے گی ظہوؔر
جب بنے گا تو محمدؐ کے غلاموں کا غلام

☆

سلیم کوثر (کراچی)

ہجر کی انتہا وصال، رات کی انتہا ہے دن صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمدؐ
یاد کو ہم سفر بنا ساعت ماہ و سال گن صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمدؐ

شوق کا کوئی مرحلہ، فکر کا کوئی زاویہ، علم کا کوئی سلسلہ اصل میں طے نہیں ہوا
آپؐ کے عشق کے بغیر آپؐ کے اعتبار بن صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمدؐ

صفحۂ ہست و بود میں خلوت و جلوت حیات آپؐ کی ایک اک ادا آپؐ کی ایک ایک بات
لمحہ بہ لمحہ درج ہے کچھ بھی رہا ہو سال و سن صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمدؐ

میرے سفر کی شدتیں دشت زمانہ کھا گیا جو بھی بچا کھچا تھا میں آپؐ کے در پہ آ گیا
جسم بہت ہے پر سکوں روح بہت ہے مطمئن صلی علیٰ نبینا صلی علیٰ محمدؐ

☆

انور مینائی (بھارت)

حسن و آرائش دو جہاں آپؐ ہیں
تابش بزم کون و مکاں آپؐ ہیں

آپ جلوہ نما ہیں ازل تا ابد
دوسرے لفظوں میں جاوداں آپؐ ہیں

حد امکاں سے آگے ہے نور آپؐ کا
لامکاں ہی نہیں لازماں آپؐ ہیں

جہل کی دھند ہے میرے چاروں طرف
حرف ادراک کی کہکشاں آپؐ ہیں

لو کے جھونکے مجھے چاندنی سے لگے
درد کی دھوپ میں سائباں آپؐ ہیں

وسعتیں کچھ ہمیں بھی عطا کیجیے
ہم ہیں محدود اور بیکراں آپؐ ہیں

اپنی نظریں وہاں تک پہنچتی نہیں
یہ خدا جانتا ہے کہاں آپؐ ہیں

☆

قمر سنبھلی (بھارت)

وردِ درود شام و سحر، روز و شب کریں
کیا جانیے حضورؐ ہمیں یاد کب کریں

ہم کو ملے گا اذنِ حضوری یقین ہے!
پیدا کچھ اپنے دل میں حقیقی طلب کریں

ہوجائیں بام و در سبھی روشن، مکان کے
دل سے رسولؐ پاک کا ہم ذکر جب کریں

پھر دیکھیے وہاں سے بھی ہوگا ضرور حکم
دل میں تو آپ قصدِ دیارِ عرب کریں

اُمت میں ہیں حضورؐ کی نعمت یہ کم نہیں
ہاں کم ہے جس قدر بھی ادا شکرِ رب کریں

بے شک گناہ گار ہوں، اُنؐ کا تو ہوں غلام
اس میں ہے کیا عجب جو مجھے بھی طلب کریں

کم تر بہت ہیں، رکھتے ہیں نسبت مگر بڑی
ہم عاصیوں کا کیوں نہ فرشتے ادب کریں

ہر لمحہ اُن کے ذکر کی توفیق دے خدا
ہم عمر بھر نہ کرسکے جو کام اب کریں

مل جائے حشر میں ہمیں دامانِ مصطفیٰؐ
اس کے سوا خدا سے قمر کیا طلب کریں؟

☆

ایاز صدیقی (ملتان)

فلک سے آتے ہیں قدسی پئے سلام رسولؐ
بہت بلند ہے صل علےٰ، مقام رسولؐ

ہر ایک عقدۂ مشکل کا حل ہے آپ کی ذات
ہر ایک درد کا درماں ہے ورد نام رسولؐ

بشر ہے قابل تکریم آپ کے دم سے
بشر پہ فرض ہے تکریم و احترام رسولؐ

نزول وحی الٰہی دلیل روشن ہے
کلام خالق کونین ہے کلام رسولؐ

مطاف مہر و مہ و کہکشاں رہے گا مدام
وہ شہر نور کہ ہے عکس صبح و شام رسولؐ

خدا کرے کہ مرے عہد میں پلٹ آئیں
وہ ماہ و سال وہ لمحے وہ صبح و شام رسولؐ

طواف کرتے ہیں شمس و قمر مرا دن رات
کہ میرے دل کے مدینے میں ہے قیام رسولؐ

مری حیات رہ مستقیم پر ہے رواں
مرے خیال میں ہیں سجدہ و قیام رسولؐ

میں اک زباں سے محمدؐ کی مدح کیسے کروں
ہزاروں مدح کا حامل ہے ایک نام رسولؐ

میں جاؤں گا در خیرالوریٰ پہ نعت بہ لب
مجھے یقیں ہے ضرور آئے گا پیام رسولؐ

برائے اہل جفا بھی ہے ارمغان دعا
زمانے بھر سے نرالا ہے انتقام رسولؐ

ثنائے خواجہ خدا پر ہی چھوڑیے کہ ایاز
بشر کے بس کی نہیں مدحت تمام رسولؐ

☆

تسنیم فاروقی (بھارت)

یہ ہے آرزو ہماری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
وہ نظام نور باری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

وہ سروں کی بے قراری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
وہ شب دعا گزاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

وہ نگہ نگہ صدف میں تری فرقتوں کے موتی
وہ دلوں کی آہ و زاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

جہاں ایک ایک ذرے کو ستارے چومتے ہیں
یہ شعور خاکساری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

وہ جو شہر ہاشمی ہے وہ جو خلد بندگی ہے
وہی جنتوں کی کیاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

جہاں چہرہ چہرہ مل کر نظر آئے ایک چہرہ
وہ جلوس بے شماری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

وہ مدینہ وہ عالم وہ جہاں سے امن جاگا
وہ فضا کی چار یاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

جہاں سب یہ چاہتے ہیں کہ غبار راہ ہوتے
وہ جنوں کی شہریاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

جہاں حسرت غلامی میں ہے خسروی بھی تسنیم
وہ دیار تاج داری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

☆

ندیم صدیقی (بھارت)

اگر کچھ علم ہے تو بس یہی ہے!
محمدؐ کو سمجھنا آگہی ہے

عجب شانِ ثنائے احمدی ہے
ہمارا ہمنوا اللہ بھی ہے

نظر سوئے مدینہ جم گئی ہے
تمنا آج پھر مچلی ہوئی ہے

مدینے ہی کی خوشبو پر یقیناً
مری دنیائے دل مہکی ہوئی ہے

اُنھیں کہیے نہ کیوں نورِ مجسم
دو عالم میں اُنھی سے روشنی ہے

جو اُنؐ کے نام کی لذت نہ پائے
تو پھر منہ میں زباں کس کام کی ہے

اگر خالی ہو دل حبِ نبی سے
نہیں ہے زندگی، شرمندگی ہے

ندیمؔ اُن ہی کا بس اک آسرا ہے
جو اُن کا ہوگیا وہ جنتی ہے

☆

محمد اظہار الحق (اسلام آباد)

کسی کو کیا بتاؤں کون ہوں کس عہد کا ہوں
کھڑا، ناقہ سواروں کی قطاریں گن رہا ہوں

میں اپنے جسم کو اُس خواب پر قربان کردوں
میں تیرے شہر کے رستوں کی مٹی ہو گیا ہوں

خدایا موت سے پہلے جھلک روئے نبیؐ کی
خدایا رحم کر دے دیکھ میں کیا مانگتا ہوں

یہ دریوزہ گران عصر کیا سمجھیں گے مجھ کو
کہ میں تیرے غلاموں کے غلاموں کا گدا ہوں

زہے پیوند جن کے سامنے اظہارؔ اب بھی
زمانے اور فرشتے دست بستہ دیکھتا ہوں

☆

رشید وارثی (کراچی)

روضۂ شاہ پہ سوغات کے قابل کیا ہے
دو جہاں اُن پہ فدا ایک مرا دل کیا ہے

راہ طیبہ کے مسافر کو نہیں اس سے غرض
موج طوفان ہے کیا، عشرت ساحل کیا ہے

ایک بندے کے تصرف میں دو عالم دے دے
شان قدرت کے لیے بات یہ مشکل کیا ہے

کہکشاں تیری بدولت ہمیں ادراک ہوا
نقش پائے شہ والا سے مماثل کیا ہے

دیدۂ قاصد اسریٰ پہ صحیفہ اُترے
قاب قوسین ہے کیا قرب کی منزل کیا ہے

جس کے کشکول بصارت کو دُر دید ملے
پوچھیے اُس سے کہ بینائی کا حاصل کیا ہے

اثرِ رعبِ جمالِ شہِ خوباں سے رشیدؔ!
زرد سورج کا ہے چہرا مہ کامل کیا ہے

☆

شوکت عابد (کراچی)

پروانہ جو بھی شمع رسالتؐ سے دور ہے
منزل سے دور نور ہدایت سے دور ہے

ذکر نبیؐ سے چشم ہی روشن نہیں فقط
دل کا یہ آئینہ بھی کدورت سے دور ہے

جس دل میں آرزوئے مدینہ نہیں وہ دل
مولائے کائنات کی رحمت سے دور ہے

ہے جس کے سر پہ سایۂ دامان مصطفیٰؐ
سمجھو کہ وہ ہر ایک مصیبت سے دور ہے

عابدؔ ہوا ہے جب سے در شاہؐ کا غلام
دنیائے مال و زر کی محبت سے دور ہے

☆

تمثیل جاوید (کراچی)

رحمت فراواں کے جاں فزا مہینے میں
آپؐ کا غلام آیا، آپؐ کے مدینے میں

دو گھڑی کا جینا بھی کم نہیں مدینے میں
لذتیں ہیں صدیوں کی دو گھڑی کے جینے میں

زائرینِ روضہ ہیں روکش مہ و انجم
تاب حسن چہرے پر، موج نور سینے میں

آپؐ ہی سے روشن ہے چشم جاں کی بینائی
آپؐ ہی سے رونق ہے دل کے آبگینے میں

اس خیال سے دل کی دھڑکنیں ہوئیں بیتاب
در سے لوٹ جاؤں گا درد کے سفینے میں

جالیاں ہیں روضے کی اب نگاہ میں تمثیلؔ
احتیاط پیدا ہے شوق کے قرینے میں

☆

محمد سبکتگین صبا (کراچی)

عجب اک نشہ خود آگہی ذہنوں پہ چھاتا ہے
محمد مصطفیٰ کا نام جب ہونٹوں پہ آتا ہے

میں شب کی ساعتوں کو ان پہ جب قربان کرتا ہوں
مجھے لگتا ہے جیسے کوئی مجھ میں جاگ جاتا ہے

انہی کی ذات سے ملتا ہے منزل کا نشان سب کو
انہی کا نور ہے جو راستہ سیدھا دکھاتا ہے

نہ خواہش محل کی مجھ کو نہ حسرت ہے مناروں کی
مجھے تو سبز گنبد کملی والے کا ہی بھاتا ہے

کبھی بھی زندگی میں کوئی مشکل پڑ نہیں سکتی
وہ اپنے چاہنے والوں سے یوں رشتہ نبھاتا ہے

اسی سے جان لو رتبہ محمدؐ کا جہاں والو
کہ وہ ایسی حقیقت ہے قسم رب جس کی کھاتا ہے

مجھے ہو فکر کیوں اپنی صبا پھر روز محشر میں
محمدؐ سے جو رشتہ ہے محمدؐ سے جو ناتا ہے

☆

بارق پرتوروی (بھارت)

چہرہ انور تھا بے شک آپ کا رشک قمر
جس پہ سو سو جان سے قربان ہوں لعل و گہر

عالم تکوین کی تخلیق کا باعث بنی
آپ کی ذات گرامی اے شہ جن و بشر

یہ حقیقت سورۂ "والنجم" سے روشن ہوئی
آپ کی ہر بات تھی وحی الٰہی سر بہ سر

کیمیا تاثیر ہے اسم گرامی آپ کا
نام لیتے ہی منور ہوتے ہیں قلب و نظر

آپ کی توصیف ممکن ہی نہیں کوئی کرے
ہے ثنا خواں آپ کا خود حق تعالیٰ سر بہ سر

پیش کرنا درگہہ نبویؐ میں بارق کا سلام
اے صبا جب گنبد خضرا سے ہو تیرا گزر

☆

افضل الفت (کراچی)

تہی داماں پریشاں حال بے نام و نمو ہو کر
نحیف و ناتواں بے آسرا بے آبرو ہو کر

درِ اقدس پہ آپہنچا ہوں آقاؐ! اور لوٹوں گا
کرم کی بھیک لے کر سر بلند و سرخ رو ہو کر

ادب سے سر جھکائے آپؐ ہی کے در پہ آتے ہیں
شہنشاہ و گدا سب بندگان آرزو ہو کر

پہنچتے ہی مدینے ہوگئیں ہیں اشکبار آنکھیں
کہ یہ بھی روضہ اطہر کو دیکھیں با وضو ہو کر

جنھیں عشق محمدؐ کی ملے دولت وہ جیتے ہیں
جہان رنگ و بو میں بے نیاز رنگ و بو ہو کر

میں جن راہوں سے بھی گزروں مہک اٹھیں وہ خوشبو سے
کہ لوٹوں یوں خیابانِ حرم سے مشک بو ہو کر

جو دیدار رُخ پرنور افضلؔ کو بھی ہوجائے
تو یہ سرکارؐ کو دیکھے ادب سے رو بہ رو ہو کر

ریاض احمد قادری (فیصل آباد)

گلاب نعت سے سارا جہاں مہکتا ہے
زمیں مہکتی ہے اور آسماں مہکتا ہے

صہیب و رومیؓ و سلمان فارسیؓ و بلالؓ
نبیؐ کے عشق میں ہر رازداں مہکتا ہے

درود پاک سے شام و سحر معطر ہیں
اس ایک ذکر سے سارا سماں مہکتا ہے

سجی ہے محفل نعت نبیؐ ہر اک گھر میں
وفور عشق سے ہر خانداں مہکتا ہے

مہک رہے ہیں در و بام نعت نغموں سے
درود پاک سے ہر آستاں مہکتا ہے

چلی ہے باد صلوٰۃ و سلام طیبہ سے
درود غنچوں سے گلزارِ جاں مہکتا ہے

اسی کے دم سے معطر ہیں سارے کوہ و دمن
ریاضؔ نعت سے ہر گلستاں مہکتا ہے

☆

سیدہ یاسمین زیدی (امریکہ)

حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور فروغ نعت

مجدد مسلک اہل سنت، عاشق رسول ﷺ، محب صحابہ و آل بتول، خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیائے اسلام میں مثالی مرتبت و مقبولیت حاصل ہے۔ بلاشبہ وہ مسلک حق اہل سنت و جماعت کے ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جو دین و ملت کا افتخار و اعتبار مانے اور سمجھے جاتے ہیں۔ علماء و مشائخ اور عوام و خواص میں یکساں محبوب و محترم ایسی مذہبی ہستی گزشتہ نصف صدی میں شاید ہی کوئی ہوئی ہو گی۔ ان کی شہرت ان کی منفرد اور بے مثال خطابت ہے۔ انہوں نے تقریباً چار دہائیوں میں اٹھارہ ہزار سے زائد خطبات بیان کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ عالمی ریکارڈ ہے جو کسی اور کے بارے میں تاحال بیان نہیں ہوا۔ انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑیں اور ان کی ہر کتاب مقبول ہوئی۔ سمتوں میں ان کی تقریروں اور تحریروں کی مقبولیت روزافزوں ہے۔ ان کی یادوں اور یادگاروں کا فیضان جاری ہے۔ ان شاء اللہ جاری رہے گا کیونکہ نیکی و بھلائی کے فروغ کے لئے جس ہستی کا قدرت انتخاب کرتی ہے اسے نہ صرف خصوصیات کا پیکر بناتی ہے بلکہ اسے مرجع خلائق بھی بناتی ہے۔ حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

"حضرت مولانا اوکاڑوی" یہ الفاظ لبوں پر آتے ہیں تو ہر سامع کے تصور اور نگاہوں میں ایک ہی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اوکاڑا شہر کو بھی ناز ہو گا کہ اسے ایسی عزت و شہرت ملی۔ ملک اور بیرون ملک ایسی مقبولیت اور شہرت کسی دینی و مذہبی شخصیت کو کم ہی ملتی ہے۔ حضرت مولانا کی جائے ولادت کھیم کرن (مشرقی پنجاب انڈیا) اور جائے وفات کراچی (سندھ۔ پاکستان) ہے۔ ۲ رمضان المبارک ۱۳۴۸ ہجری کی سہ پہر سے ۲۱ رجب ۱۴۰۴ھ کی سحر تک ان کی ظاہری حیات طیبہ کا سفر شمار ہوا۔ گنتی کے لحاظ سے یہ کوئی بڑی مدت نہیں مگر مولانا نے اس مختصر عرصے میں صدیوں کے کام کئے۔ قابل رشک کارہائے نمایاں انجام

دیے۔ ان کی خدمات کی ایک تفصیل ہے' ان کی یاد میں قائم ہونے والے ادارے "مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی)" نے گزشتہ پندرہ برس میں اس حوالے سے قابلِ قدر اور قابلِ ستائش کام کیا ہے۔ تحریروں میں بہت کچھ محفوظ ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا اوکاڑویؒ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا عشقِ رسول ﷺ ہے۔ ان کی ذات و صفات اور خدمات کا مرکز و محور یہی رہا۔ مجھے حیرت ہے کہ ماہنامہ نعت اور نعت رنگ نے اور اس موضوع پر کسی بھی جریدے نے حضرت مولانا اوکاڑویؒ کی فروغِ نعت کے لئے انقلابی کارگزاری کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ مشہور نعت خواں جناب سعید ہاشمی نے (سلور جوبلی) یعنی نعت خوانی کرنے کا نقرئی جشن منایا تو جو کتاب شائع کی اس میں جناب پیرزادہ شہریار قدوسی کے تاثرات میں حضرت مولانا کا تذکرہ نظر آیا وہ بھی نہایت مختصر! شاید اس میں فروغِ نعت سے زیادہ نعت خواں ہی کے بارے میں اظہار مقصود تھا حالانکہ سعید ہاشمی صاحب کو نعت خوانی کا شوق اور نمایاں ہونے کا اعزاز بھی حضرت مولانا اوکاڑوی کی بدولت ملا۔ الحاج صدیق اسمٰعیل' حاجی کلیم سرور' جناب عبدالرؤف بھٹی' صوفی عزیز احمد' الحاج خورشید احمد' یوسف میمن' ثناء اللہ بٹ وغیرہ یہ سبھی حضرت مولانا اوکاڑویؒ کے اجتماعات ہی سے متعارف ہوئے بلکہ بلا مبالغہ وبلا مغالطہ یہ کہا جائے کہ مولانا نے ان سب کو متعارف کروایا اور انہیں مشہور کیا۔ حضرت مولانا اوکاڑویؒ ۱۹۵۵ء میں پہلی مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے اور انہوں نے جامع مسجد آرام باغ کراچی میں ماہِ صیام کی ۲۱ ویں شب میں پہلا خطاب فرمایا تھا۔ مترنم خطاب میں اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے کہے ہوئے نعتیہ کلام کا وافر حصہ تھا۔ اہالیانِ کراچی نے ایسا خطیب پہلی مرتبہ سنا اور دیکھا جس کے جمال و کمال نے سبھی کو مسحور کر دیا۔ چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ ۲۱ ویں شب میں مسجد میں اجتماع تین سو افراد کے لگ بھگ تھا۔ ۲۳ ویں شب میں اجتماع پانچ گنا زیادہ تھا اور پھر چاند رات تک حضرت مولانا اوکاڑویؒ پورے کراچی میں جانی پہچانی شخصیت تھے اور روز ہی ان کا بیان ہزاروں کا ہجوم سنتا تھا۔ کلامِ رضا کے لئے علماء یہ جملہ دہراتے ہیں کہ "کلام الامام امام الکلام" اعلیٰ حضرت نے خوب کہا اور مولانا اوکاڑویؒ نے خوب پڑھا اور کمال یہ تھا کہ شرح فرماتے جاتے۔ جو شعر بھی جس آیتِ قرآن یا حدیثِ نبوی ﷺ کی ترجمانی میں ہوتا اسے واضح فرماتے جاتے۔ حضرت شاہ انصار الہ آبادی' جناب بہزاد لکھنوی اور مولانا ضیاء القادری سے یہ جملہ بارہا سنا گیا کہ مولانا اوکاڑویؒ نے اس عمدگی سے کلامِ رضا پڑھا کہ نہ صرف سننے والوں کو یاد ہو گیا بلکہ حضرت مولانا نے جس طرز اور لے میں پڑھا وہی لے اور طرز اس کلام کے لئے مخصوص ہو گئی۔ نعت خواں وہ کلام پھر کسی اور طرز میں نہ پڑھ سکے یعنی اس طرز کو ایسی مقبولیت مل گئی کہ وہی اس کلام کے لئے خاص ہو گئی۔ ۱۹۵۵ء میں حضرت مولانا ماہِ محرم میں اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے مجلس عشرہ کے لئے کراچی مدعو کئے گئے۔ جن لوگوں کو وہ مجالس سننے کا شرف حاصل ہوا کچھ ان سے پوچھیے کہ روزانہ ساڑھے تین سے چار گھنٹے ہزاروں افراد ہمہ تن گوش ہو جاتے اور مولانا کے ترنم اور تکلم

سے روحانی ایمانی تسکین پاتے۔ رات کو سنے ہوئے اشعار اسی طرز میں اگلے روز سامعین گنگناتے۔ ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا اوکاڑوی" مستقل کراچی آگئے۔ نیو میمن مسجد ایم اے جناح روڈ میں ان کی خطابت نے اس مسجد کو آباد کیا۔ یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس سے قبل کراچی میں اسلامی تہواروں کے سوا روزانہ محافل کا رواج نہیں تھا نہ ہی کوئی ان سا خطیب و عالم تھا جسے سننے کے لئے لوگ یوں دیوانے ہوتے۔ حضرت مولانا کا ان دنوں انداز یوں تھا کہ وہ خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایک نعت شریف پڑھتے اور اشعار کے درمیان شرح و تفسیر بیان فرماتے۔ بر محل دیگر اشعار بھی دوران خطاب پڑھتے۔ مثنوی مولانا روم، کلیات جامی، کلام رضا، کلیات اقبال کے اشعار زیادہ ہوتے اور پنجابی کلام زیادہ تر حضرت مولانا غلام رسول عالم پوری، حضرت بلھے شاہ قصوری اور صوفی بزرگوں کا پڑھتے۔ گھن گرج کے ساتھ شعلہ نوائی کرنے والے اس عالم ربانی کی آواز میں کتنی کشش تھی، کیا سوز و گداز اور کیسی شیرینی و چاشنی تھی، یوں جانیے کہ جذبۂ حب رسول ﷺ سے سرشار کر دیتے تھے۔ نعت شریف کا پڑھنا اسی سے اتنا متاثر کن ہو سکتا ہے جو نعت شریف کو نعت شریف سمجھ کر پڑھے۔ حضرت مولانا آواز سے زیادہ آداب اور نسبت و عشق رسول ﷺ کے جوش سے متاثر کرتے تھے۔

کم عمر بچے بھی حضرت مولانا اوکاڑوی" کی محافل میں آتے اور حضرت مولانا سے سنی ہوئی نعتوں کو یاد کر کے سناتے۔ حضرت مولانا ان کی ایسی حوصلہ افزائی فرماتے کہ ہر کسی کا جی چاہتا وہ نعت خواں ہو جائے۔ باغبان پورہ، لاہور میں شب میلاد مصطفیٰ ﷺ کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا اوکاڑوی خصوصی خطاب کے لئے کراچی سے مدعو ہوتے۔ ایک بچہ گھر سے تیار ہو کر جلسہ گاہ میں آیا اور اپنی کوشش کے مطابق اس نے اپنا حلیہ بالکل حضرت مولانا کا سا بنایا۔ تقریر کے آغاز سے قبل وہ اسٹیج پر حضرت کو سلام کرنے آیا، حضرت مولانا نے اس کے شوق پر اس کی ایسی پذیرائی فرمائی کہ لوگ رشک کرنے لگے۔ مولانا نے اس سے خود ہی پوچھا آپ کو کوئی نعت شریف یاد ہے؟ اس نے کہا آپ نے جتنے شعر گزشتہ سال تقریر میں پڑھے تھے سب یاد ہیں۔ حضرت نے خود اس اجنبی بچے کا اعلان فرمایا اور اسے مائک پر سنانے کو کہا۔ اس بچے نے پانچ سات منٹ میں حضرت سے سنے ہوئے اشعار اور ان اشعار کے درمیان کہے ہوئے الفاظ انہی کے انداز میں سنائے اور خوب داد پائی۔ حضرت نے خود بھی اسے کچھ روپے دیئے۔ کاغذی بازار کراچی کی مجالس محرم ہی میں کمسنی میں الحاج صدیق اسمٰعیل آیا کرتے تھے اور حضرت مولانا سے سنے ہوئے اشعار اور سلام کو انہی کی طرز میں دہراتے۔ الحاج خورشید احمد جب کراچی آئے تو انہوں نے حضرت مولانا اوکاڑوی" کی محافل ہی سے نعت خوانی کی ابتداء کی۔ انہی کی بدولت حلقۂ رحمانی میں متعارف ہوئے اور پھر عالمی شہرت پائی۔ اہل ایمان میں عزت و شہرت پانے والے جانے کتنے نام ہیں جنہیں حضرت ہی کی بدولت نعت خوانی اور خطابت کا شوق ہوا۔ حضرت مولانا اوکاڑوی نے چھوٹوں بڑوں کو نعت شریف کی ترغیب دلانے کے لئے جہاں نعت خواں

منائے وہاں یہ کارنامہ بھی انجام دیا کہ یہاں پہلا سب سے زیادہ مقبول ہونے والا مجموعہ نعت "نغمۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم" بھی مرتب فرمایا۔ یہ غالباً ۱۹۵۹ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا اور اس قدر مقبول ہوا کہ اسی مجموعے میں شامل نعتوں کی گونج برسوں رہی۔ پھر ایسے اور مجموعے منظر عام پر آنے لگے۔ اپنے خطاب کی ہر محفل میں حضرت مولانا اوکاڑوی نعت شریف ضرور پڑھواتے۔ نعت خوانی میں ان کے پہلے شاگرد صوفی تاج الدین تاج ہیں جو اوکاڑہ کے مشہور نعت خوان ہیں۔ حضرت مولانا کے چھوٹے بھائی صوفی محمد لطیف نقشبندی بھی اپنے برادر بزرگوار سے متاثر ہو کر نعت خوانی کرنے لگے ان سے چھوٹے بھائی الحاج محمد اکرام بھی مدینہ منورہ میں یہ سعادت پاتے رہے۔ حضرت مولانا کا یہ وصف بھی رہا کہ نغمۂ حبیب میں انہوں نے صرف وہی کلام منتخب فرمایا جسے آداب نعت کے مطابق یا قریب پایا' وہ نعت خواں طبقے کی اصلاح سے بھی غافل نہیں رہے۔ نعت خوانوں کو باوضو رہنے کی تاکید فرماتے اور جس نعت خواں کو سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دیکھ لیتے یا انہیں معلوم ہو جاتا اسے سمجھاتے اور تاکید کرتے کہ بدبو والے منہ سے نعت شریف پڑھنا درست نہیں۔ اچھی طرح منہ صاف کر لیا کرو اور وضو کرنے کے بعد نعت پڑھنے تک سگریٹ نہیں پیا کرو۔ بہتر ہے کہ اس تمباکو نوشی کی عادت کو ترک کر دو۔ جو نعت خواں داڑھی رکھ لیتا اور صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو جاتا اس پر ان کی شفقت زیادہ ہوتی۔ نعت خواں کو نعت خوانی کرتے ہوئے خود سب سے پہلے کچھ نذرانہ دیتے۔ یوں ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی خدمت کرتے اگر کسی جگہ کسی نعت خواں کو نذرانہ نہ ملتا تو اپنی جیب سے حضرت بطور کرایہ کچھ دے دیتے تاکہ یہ مایوس اور خالی نہ جائے مگر نعت خوانوں سے خطاب کے دوران یہ فرماتے کہ پیسے کے لئے ثنا خوانی نہ کیا کرو۔ اپنا مقصود رضائے الٰہی و رضائے رسولؐ بناؤ۔ پیسے بھی ان کے نام کی برکت سے مل جائیں گے۔ دکھاوے کے لئے پیسے لٹانے والوں سے خوش نہ ہوتے اور نعت خوانوں سے فرماتے کہ یہ سرکار ﷺ کا صدقہ ہے' ان پیسوں کو دیتے اور لیتے ہوئے نامناسب طریقہ اختیار نہ کیا کرو۔ ایک محفل میں ایک نعت خوان نے نعت شریف پڑھی جو نذرانہ اسے ملا وہ نیچے اپنے قدموں کے پاس رکھتا (پھینکتا) رہا اور نعت شریف پڑھ کر رقم اٹھائے بغیر دور جا بیٹھا۔ حضرت نے اسے فرمایا بھائی یہ نذرانہ لے لو۔ وہ نعت خواں اپنی جگہ سے نہ اٹھا' حضرت نے اسے پھر فرمایا یہ لے جاؤ۔ اس نے کہا یہاں بھجوا دیں۔ حضرت کو اس کی یہ ادا نہ بھائی۔ یہ آداب کے خلاف تھا۔ اس کو اس طرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔ وہ تربیت سے شاید محروم تھا۔ بلند آواز سے کہنے لگا کہ آپ فکر نہ کریں لوگ یہ پیسے اکٹھے کر کے مجھے لا دیں گے۔ حضرت نے اس لمحے اسے کچھ نہیں فرمایا (حالانکہ حاضرین کو اس کا یہ انداز بہت برا لگا)

ہونا تو یہ چاہئے کہ لوگ جب نعت خوانوں کے ہاتھ میں خود اٹھ کر عقیدت و محبت سے نذرانہ دیتے ہیں تو نعت خواں کو وہ انعام سمجھ کر لینا چاہئے اور اپنی جیب میں رکھ لینا چاہئے۔ اگر جیب میں نہیں رکھتے تو کسی ایسے انداز کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے جو نعت خواں کے شایاں نہ ہو۔ کتنے نعت خواں حضرات کو دیکھا

گیا ہے کہ وہ پیسوں پر منتظمین جلسہ سے باقاعدہ لڑتے ہیں۔ لفافہ میں نذرانہ ملنے کی صورت میں رقم طبیعت و خواہش کے مطابق نہ پاکر لفافہ پھینک دیتے ہیں۔ اور غلط الفاظ کہتے ہیں۔ کتنے نعت خواں جواب مشہور ہیں حضرت کے جلسوں میں بغیر رقم یعنی نذرانے کے صرف پانچ منٹ کو نعت خوانی کے لئے سفارشیں لاتے تھے۔ کہ انہیں پڑھنے کا موقعہ مل جائے اور اب وہ پہلے رقم لے کرتے ہیں اور طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں۔ یہ میرا موضوع نہیں نہ ہی مجھے اس بارے میں زیادہ کہنا ہے۔ حضرت مولانا اوکاڑوی نے نعت شریف پڑھنے اور سننے کے جو آداب سکھائے تھے وہ ان کی محفلوں کے بعد اب ویسے نظر نہیں آرہے۔

حضرت مولانا اوکاڑوی نے نعت خوانی یا خطابت کسی سے سیکھی نہیں تھی' ان کی خصوصیات خداداد تھیں البتہ محمد یوسف صاحب گجراتی سے انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آپ آواز و انداز کے ماہر ہیں کچھ اس بارے میں مجھے بتائیں۔ یوں محمد یوسف صاحب نے کچھ بتایا تو حضرت مولانا کا یہ وصف بھی دیکھا گیا کہ برسوں بعد جب گجرات کی ایک محفل وعظ میں جہاں محمد یوسف صاحب بھی مدعو تھے حضرت مولانا اوکاڑوی (حالانکہ آسمان شہرت پر جگمگا رہے تھے مگر اجتماع سے انہوں نے محمد یوسف صاحب کا تعارف کراتے ہوئے برملا فرمایا کہ یہ میرے استاد ہیں۔ حضرت مولانا دو نعت خوانوں مستری علی محمد جالندھری اور محمد علی ترپی کا بہت ذکر کرتے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے مشہور نعت خواں تھے۔ وہ نعت خوانوں کو عزت دیتے اور نعت خوانی کو اعزاز سمجھتے تھے۔ کھیم کرن ہی میں انہوں نے کمسنی میں نعت خوانی شروع کردی تھی اور یہ شوق آخر تک رہا۔ پاکستان نعت کونسل کے زیراہتمام آرام باغ میں منعقدہ کل پاکستان محفل نعت میں انہوں نے نعت شریف پڑھی تو ہجوم پر وجد و حال طاری ہو گیا تھا۔ ریڈیو پاکستان کے بلبائے ریڈیو طاہر صاحب نے ان سے فرمائش کر کے کچھ نعتیں ریکارڈ کروائی تھیں۔ جناب حفیظ جالندھری کے مرتبہ شاہنامہ اسلام سے رحمۃ للعالمین کے موضوع پر دس منٹ کے ایک خطاب میں جناب ناصر جہاں نے حضرت کی آواز میں کچھ اشعار ریکارڈ کئے۔ ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن نے اس سال ماہ میلاد کے دنوں میں اس خطاب کو روزانہ متعدد مرتبہ نشر کیا۔ مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی نے متعدد مقامات سے حضرت مولانا کی آواز میں نعتوں کی ریکارڈنگ بھی حاصل کی ہے۔ آج بھی وہ کیسٹیں سننے والے کو متاثر کرتی ہیں۔ حضرت مولانا کے استاد محترم غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

"فاضل جلیل حضرت علامہ الحاج مولانا الحافظ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واد خلہ فی دار الجنان اپنے محاسن میں بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری کے ساتھ حسن معنوی سے بھی انہیں نوازا تھا۔ نہایت خوش اخلاق اور ملنسار تھے' ان کا ہنس مکھ چہرہ تصور کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہ ہو گا۔ خاندانی شرافت و تربیت کے اثرات اور اپنے مشائخ کے فیوض و برکات کے نشانات ان میں چمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کے جذبہ محبت رسول ﷺ کا ظہور اس وقت سے ہونے لگا تھا جب سے انہیں نعت شریف

پڑھنے کا ذوق ہوا۔ ان کی زبان سے نعت سن کر کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ساتھ ہی انہیں علم دین کے حصول کا ایسا شوق ہوا کہ مختصر عرصہ میں انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کر لی۔ ذہن رسا تھا' طبیعت موزوں تھی' شوق غالب تھا' محنت کی عادت تھی کامیابی نے قدم چومے اور انہوں نے منزل مقصود کو جا لیا' تحصیل علم کے دوران تقریر کا شوق بھی دامن گیر ہوا۔ اللہ تعالی نے فن تقریر و خطابت میں وہ بلند مقام عطا فرمایا تھا جس پر دنیا رشک کرتی تھی بلکہ حسد تک نوبت پہنچ گئی اور اس میں شک نہیں کہ حافظ صاحب محمود الاقرآن تھے۔"

حضرت مولانا کو لحن داؤدی سے بلاشبہ وافر حصہ ملا تھا۔ ان کا نعت شریف پڑھنا ہر کسی کو متاثر کرتا تھا۔ حکیم سید احمد حسین امجد حیدر آبادی کی لکھی ہوئی "نبی جی کی لوری" میں انہوں نے کئی اشعار کا اضافہ فرمایا' اب یہ لوری انہی کے حوالے سے مشہور ہے۔ وہ جب کبھی اسے پڑھتے تو گویا روح جھوم جاتی۔ "کرتے کا دھڑا" صرف انہی سے سنا گیا۔ وہ اسے پڑھتے تو بڑے بڑے فنکار نعت خواں بھی دنگ رہ جاتے اور اش اش کرتے۔ مولانا محمد بشیر صاحب کی لکھی ہوئی نعت "شہد سے میٹھا محمد نام ﷺ" ان سے ان کے پیر و مرشد بھی فرمائش کر کے سنا کرتے۔ حضرت مولانا اوکاڑوی نعت گو بھی تھے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک وہ نعتیہ مشاعرے بھی کرواتے رہے۔ مولانا ضیاء القادری' جناب بہزاد لکھنوی' حضرت شاہ انصار الہ آبادی ان مشاعروں میں نمایاں ہوتے۔ مولانا عبدالسلام باندوی کی صدارت میں ایک منقبتی مشاعرہ بھی حضرت نے اپنے مشائخ کی یاد میں منعقد کروایا۔ کراچی میں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں اپنی پہلی تعمیر کردہ رہائش گاہ کے افتتاح پر حضرت نے محفل نعت منعقد کی۔ جناب بہزاد لکھنوی حضرت مولانا کے بہت مداح و معتقد تھے۔ انہوں نے اعتقادی و علمی اصلاح حضرت سے اپنے ایک مسودے پر کروائی تھی۔ جناب سکندر لکھنوی حضرت کی محفلوں میں اکثر آتے اور کسی شعر پر حضرت ضروری اصلاح فرماتے تو نہ صرف قبول کرتے بلکہ شکر گزار ہوتے۔ ممتاز شاعر جناب مشتاق حسین چغتائی بھی حضرت کے عقیدت مند تھے اور کبھی کبھی حضرت سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ مسجد غوثیہ سوسائٹی میں جہاں لوگ صرف رمضان میں مسجدوں میں آتے یا بڑی راتوں میں وہاں حضرت مولانا اوکاڑوی نے لوگوں میں نعت شریف کا ایسا ذوق و شوق اجاگر کیا کہ ہر ماہ اہتمام سے محافل نعت و میلاد ہونے لگیں۔ نیو میمن مسجد میں جن دنوں حضرت خطابت فرماتے تھے اس مسجد کے قرب و جوار میں میمن حضرات کی رہائش زیادہ تھی اور زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ تھے مگر حضرت مولانا اوکاڑوی نے ہر صبح فجر کے بعد درس قرآن اور ایک نعت شریف سنانے کا سلسلہ شروع کیا تو گویا ماحول ہی بدل گیا وہ لوگ جو صرف فرض نماز ادا کرنے مسجد میں آتے تھے وہ دیر تک بیٹھنے اور سننے لگے۔ سبھی گرویدہ ہی نہیں' دیوانے ہو گئے۔ گلی گلی اور گھر گھر محفلیں ہونے لگیں اور تجارتی حلقوں کی نشستوں میں بھی نعت شریف لازمی ہو گئی۔ نیو میمن مسجد کے حوالے سے لوگوں کو یہ بات بھی یاد ہو گی کہ ان دنوں پرنس کریم آغا

خان نو عمر نوجوان تھے بڑی مسجد کے حوالے سے جمعہ کے دن مسجد میں آئے۔ انتظامیہ نے حضرت سے کہا کہ وہ استقبالیہ کلمات کہیں اور خیر مقدم کریں۔ حضرت نے نہ صرف انکار کیا بلکہ سخت برہم ہوئے اور ایمانی غیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ انتظامیہ نے سیاسی دباؤ کی وجہ سے حضرت کو خطابت سے الگ کرنے کی دھمکی دی اس وقت حضرت نے فاضل بریلویؒ کا یہ شعر پڑھا اور کچھ اتنے صدق و اخلاص اور جوش سے پڑھا کہ ہر آنکھ نم ہو گئی۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

مائک پر حضرت نے فرمایا میں اللہ کے حبیب کریم کا گدا ہوں۔ اور میں اہل دنیا اور اہل ثروت اور بد عقیدہ کی مدح نہیں کر سکتا۔ یونس کریم نے یہ سب منظر دیکھا لیکن (شاید پہلی اور آخری مرتبہ) حضرت کی اقتدا کرتے ہوئے احناف کے طریقے پر نماز ادا کی۔

حضرت مولانا اوکاڑویؒ نے بالخصوص کراچی شہر میں روحانی ایمانی انقلاب برپا کیا۔ آج ہر طرف صل علیٰ کی صدائیں گونج رہی ہیں تو یہ ان کی ناقابل تردید خدمات کا نتیجہ ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے مرکزی جلوس کا سلسلہ انہوں نے شروع کیا تو اس میں جلوس کی ابتداء سے انتہا تک نعتوں کا سلسلہ رہتا۔ مسلک حق کی تبلیغ، فروغ عشق رسول ﷺ، فروغ نعت، تعارف اعلیٰ حضرت اور ایمانی عقیدتوں کے فروغ کے لئے حضرت مولانا اوکاڑویؒ کی ذات و صفات اور خدمات ناقابل فراموش اور قابل رشک ہیں۔ آداب نعت اور نعت خوانوں کی تربیت کے لئے ان کی محنتیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔ حضرت کے بارے میں اس سعادت کا تذکرہ ان کی عظمت و فضیلت کو نمایاں اور ان سے عقیدت و محبت کو پختہ کرتا ہے کہ ان کی سماعت میں یوم ولادت میں پہلی آواز درود شریف کی پہنچی اور اس دنیا سے رحلت کے وقت بھی جو آخری آواز سنی گئی وہ بھی درود شریف کی تلاوت پر مشتمل تھی۔ نعت شریف اور درود شریف ان کے جنازے کے شرکاء بھی پڑھ رہے تھے اور ۲۲ رجب ۱۴۰۴ ہجری کی سہ پہر جب انہیں گل زار حبیب میں لحد میں اتارا جا رہا تھا اس وقت بھی باآواز بلند درود و سلام پڑھا جا رہا تھا۔ از ابتدا تا انتہا درود و سلام ان سے جدا نہ ہوا۔ سچ ہے اس صدی میں کوئی عاشق رسول ﷺ ان سا نہ ہوا۔

پروفیسر شفقت رضوی

اردو میں میلادالنبیؐ (تحقیق' تنقید' تاریخ)

ایک جائزہ

ذات خدا اور ذکر رسول ﷺ مسلمانوں کے ایمان کے لازمی اجزا ہیں۔ چودہ سو برس سے زیادہ عرصہ سے ہم ثنائے رسول ﷺ میں رطب اللسان ہیں۔ عربی فارسی اردو کے علاوہ دیگر مشرقی اور مغربی زبانوں کا ادب آپ کے اسوۂ حسنہ اوصاف پسندیدہ اعمال پاکیزہ کے اذکار سے بھرا پڑا ہے۔ پھر بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ محبان اور عاشقان رسول ﷺ نے اپنے دل کی ترجمانی اور حضور ﷺ کی ثنا و مداح کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک طرف اصناف ادب کی جہتات ہے' ذوق اظہار کی جولانی ہے' قوت تحریر میں تنوع ہے اور دوسری طرف ذات رسول پاک ﷺ کا کمال اکمل ہے۔ ان کی عظمتیں ہیں' پاکیزہ اور قابل تقلید عمل ہے' خدمت انسانیت ہے' خیر و شر میں امتیاز ہے۔ یہاں ہر دو معیار ہیں۔ میزان عقل و انصاف سے کام لینے والے تسلیم کرتے ہیں کہ لاتعداد تصانیف و تالیفات کے بعد بھی ذکر رسول ﷺ کا حق ادا نہ ہو سکا۔ اسے پاکیزہ دلوں اور روحوں کی شان عقیدت اپنی انتہا پر اور حضور ﷺ کی ذات والا صفات کا کمال اس درجہ پر کہ جذبۂ پیاس بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جتنی پیاس بجھائی جاتی ہے اتنی ہی پیاس بڑھانے کی امنگ بڑھتی جاتی ہے۔ ذوق مدح رسول ﷺ کیا ہے' اس میں لاانتہا مدح کا چشمۂ زمزم ہے۔ شعری تخلیقات کے حوالے سے ہی بات کی جائے تو کہنا پڑے گا کہ اصناف کی کثرت کے باوجود ابھی تعارف کا حق بھی ادا نہیں ہوا ہے۔

مذہبی رجحانات اردو زبان کے خمیر میں شامل ہیں۔ شعری تخلیقات ہوں یا نثری تخلیقات ابتدا مذہبی مسائل سے ہوتی ہے اور پھر کوئی تصنیف تالیف یا ترجمہ ایسا نہیں جو کلمۂ حق اعتراف وحدت کے حمد حضور ﷺ کی مدح و ستائش سے شروع نہ ہوتا ہو۔ ہر شعری تصنیف میں ابتداء حمد سے اور اس کے بعد نعت سے ہوتی ہے۔ بات صرف اس فن کی روایت سے بھی نہیں۔ اہل علم نے تحقیق سے کام کیا اور اس سے حقائق سے جو دریافت ہوئے شعراء نے ان کے ریزے ریزے کو چُن کر اشعار میں موتیوں کی طرح جڑ دیئے۔ اس سے نئے نئے مضامین کا اضافہ ہوا اور نئی نئی اصناف کی بار آوری ہوئی۔ ولادت نامے' مولود نامے' میلاد شریف' نور نامے' شمائل نامے' معراج نامے' لوریاں جیسی اصناف ایجاد ہوئیں یہ وسیلے ہیں حضور ﷺ کی یاد کو تازہ رکھنے کے۔ یہاں تک کہ یہ ایک طرف تو مذہبی روایت قرار پائے تو دوسری طرف معاشرتی روایت

بھی بن گئے۔ اگر ذاتِ رسول ﷺ کے حوالہ سے شعری تخلیقات کا جائزہ لیا جائے تو کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے ان کا پلّا بعض مروّجہ اصناف پر بھاری ہوگا۔ یہ المیہ ہے کہ ہمارے ادب کے ٹھیکیدار 'اہل تحقیق' ادبی تاریخ لکھنے والے 'اصناف سخن کی کار فرمائی کا جائزہ لینے والے' تنقید کرنے اور تنقید کے نت نئے نظریے مغرب سے مستعار لانے والے 'جامعات میں تدریس کے نام پر اپنے محدود علم کی تکرار کرنے والے' تحسین باہمی کے اصولوں پر مضامین' مقالات اور کتابوں کے ڈھیر لگانے والے حضرات نے مذہبی نوعیت کی تحریروں کو کبھی درخور اعتنانہ سمجھا۔ ممکن ہے اس اعتراض کا جواب یہ آئے کہ ان تحریروں کا معیار کم تر ہے۔ اول تو یہ اعتراض غلط 'کم علمی بلکہ لاعلمی پر مبنی ہوگا کیونکہ اردو میں ایسی ایسی نعتیں لکھی گئی ہیں کہ مسلمہ اساتذۂ سخن کے قصائد سے کہیں بہتر ہیں۔ ہمارے "علمائے اردو" کا علم محسن کاکوری کے قصیدۂ لامیہ سے آگے نہیں بڑھا ہے۔ دوسری اہم بات جسے کلیتاً نظر انداز کیا جاتا ہے ترویج فن کے لئے چرچے ہیں کوئی ادبی تحریک 'کوئی ادبی شخصیت سے اس وقت قبولیت عام حاصل نہیں کر سکتی کہ اس کے حسن و قبح پر کثرت سے نہ لکھا جائے۔ غالب کی کچھ قدر تو اس کے زمانے میں ہوئی لیکن اس کے چرچے لگ بھگ ایک صدی بعد ہوئے۔ موجودہ صدی میں غالبیات نے ادب کے ایک شعبہ کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ ترقی پسند ادب کی تحریک کی بڑائی کا راز ہی یہ ہے کہ اس کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا۔ اسی طرح بعض کم اہم شاعروں کو عظمت کے مینار محض ان کے چرچوں نے بنا دیا۔ ہمارے ادیبوں 'نقّادوں' ادبی مورخوں' جامعات کے پروفیسروں نے مذہبی لٹریچر پر نظر ڈالی ہی نہیں اور ڈالی بھی تو سرسری۔ وہ خود کچھ نہ جان سکے تو دوسروں کو کیا معلومات فراہم کر سکتے۔ اگر اہل علم مذہبی لٹریچر کا تنقیدی جائزہ لیتے اس کی خوبیوں اور خامیوں کو گناتے 'حسن کاری کے نئے امکانات کی نشاندہی کرتے تو اس نوع کے لٹریچر کے معیار میں یقیناً مزید اضافہ ہوتا۔ اگرچہ اب بھی وہ جس معیار پر ہے لائق توجہ ہے۔

علامہ شبلی کا نام ادیبوں' پروفیسروں اور ادبی تاریخیں لکھنے والوں کے لئے ایک مجبوری بن گیا ہے وہ اس قدر دیو قامت عالم اور صاحب نظر اور صاحب اسلوب ادیب تھے کہ کوئی ان کو نظر انداز کر کے اپنا بھرم قائم ہی نہیں رکھ سکتا اس لئے سیرت النبی ﷺ کا ذکر تا ثریر مرعوبیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور علامہ سید سلیمان ندوی کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ نثری مذہبی لٹریچر میں گویا ان جلدوں کے سوا کچھ نہیں۔ نظم میں مرثیوں کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے اس کی دو اہم وجوہ ہیں ایک یہ کہ مرثیۂ دبیر اور انیس کے کمال فن کے ایسے نمونے ہیں جن سے صرف نظر ممکن ہی نہیں۔ درحقیقت صنف مرثیہ کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ نقّادوں کے قلم دبیر اور انیس کے فنّی تجربے سے آگے نہیں بڑھتے اور مجبوراً مرثیوں کے اشعار یا بندوں کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ دبیر اور انیس نہ ہوتے تو ادب کے ٹھیکیدار مرثیہ کی صنف کو درخور اعتنانہ سمجھتے۔ ان دو ناموں کو اردو شاعری سے نکال دیجئے تو ایسا خلاء پیدا ہو جائے جسے پُر کرنا ممکن نہ ہو۔ کسی کو بلاغت کے

اصول سیکھنے ہوں تو دبیر سے سیکھے اور کوئی فصاحت کے رموز جاننا چاہے تو انیس سے رجوع کرے۔ ان کے
کمال فن زبان دانی، واقعہ نگاری، سیرت نگاری، منظر نگاری اور محاکات کے نمونے اردو شاعری کی جان ہیں۔
پھر بھی مرثیہ کو کسی نے قبول کیا ہی نہیں۔ قبول کیا۔ تو دبیر اور انیس کو اور ان کے حوالے سے ضمناً چند اور
مرثیہ گویوں کو۔ مرثیہ کو بطور صنف جو تھوڑا بہت اعتبار ملا ہے وہ علامہ شبلی کا بھی مرہونِ منت ہے۔ انہوں
نے مذہبی معتقدات کو پس پشت ڈال کر، رموز شاعری کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو کے دو عظیم شاعروں کا
موازنہ کیا تو اہل علم کو معلوم ہوا کہ ہاں ان ناموں کے اساتذہ بھی گزرے ہیں۔ موازنہ انیس و دبیر سے قبل
مرثیہ مجلسی صنف تھا ادبی صنف نہیں۔

مذہبی لٹریچر کی اہمیت تسلیم نہ کرنے کا یہ حال ہے کہ جامعات کی سطح پر ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی
کے لئے جو مقالے لکھوائے جاتے ہیں ان میں بمشکل ایک فی صد مقالوں کے موضوع کو مذہبی لٹریچر سے
کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہے۔ ورنہ روایت یہ ہے کہ جس مضمون پر استاد Guide حاوی ہے وہ اسی پر طالب
علم سے مقالہ لکھوانے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ جس موضوع پر عبور نہیں ہے اس پر مقالہ لکھوا کر اپنی
رہی سہی حیثیت کو بھی ختم نہ کرے۔ ہمارا خیال ہے (جو ممکن ہے کہ غلط ہو) کہ پی ایچ ڈی کی ڈگری صرف
تحقیقی کام پر دینی چاہئے۔ اب تحقیق کی صعوبتوں اور جان کاہیوں سے نہ تو استاد گزرنا چاہتا ہے اور نہ شاگرد،
اس لئے پی ایچ ڈی کی ڈگری تبصروں پر دی جانے لگی ہے۔ کسی موضوع کے بارے میں جتنے تبصرے رسائل
اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہوں انہیں سامنے رکھ کر تبصروں کا نیا مجموعہ تیار کر لیا جاتا ہے۔ "اس نے کہا"
"اس نے تحریر کیا" "اس کا خیال ہے" .... کے مصرعوں کی طرح استعمال کر کے بے معنی
اقوال کی جمع بندی سے مقالہ تیار اور ڈگری مل جاتی ہے۔

ڈاکٹریٹ کے لئے جامع مقالہ کی تیاری ضروری ہوتی ہے اس میں موضوع کے کسی پہلو یا گوشہ
سے نظر بچا کر نہیں گزرا جا سکتا لیکن اب حال یہ ہے کہ موضوعات ہی جزو پر منحصر ہوتے ہیں تو جامعیت
کہاں سے آئے۔ اب تحسین باہمی کے اصول پر بھی پی ایچ ڈی کے مقالے لکھوائے جا رہے ہیں ان خامیوں،
کمزوریوں اور عدم دلچسپیوں کی وجہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کا اعتبار جاتا رہا ہے۔ پہلے لوگ ڈاکٹریٹ کرنے پر
مبارک باد دیتے تھے اور اب جنہوں نے ڈاکٹریٹ نہیں کی مگر سلیقہ کا معیاری کام کر رہے ہیں انہیں ڈاکٹریٹ
نہ کرنے پر مبارک باد دی جاتی ہے۔

جہاں جامعاتی سطح پر کام اور معیار کا یہ عالم ہو وہاں خوب سے خوب تر کی تلاش بے سود ہے۔
ہمارے معروف علمی و ادبی حلقوں سے قطع نظر مذہبی لٹریچر کی جانب رجحان عام ہوتا جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ
چاہے اخبارات ہوں، رسائل ہوں، ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن سب نے تہیہ کر رکھا ہے کہ نام اسلام کا لیں گے،
مشرقی اقدار کا لیں گے، شرافت اور اخلاق کا لیں گے لیکن عملی ثبوت اس کے برخلاف دیں گے۔ ان کے

پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ ان کے بہت کروڑوں میں ہیں جن کا زیاں ہو رہا ہے۔ بر خلاف اس کے بے وسیلہ تہی دامن، معاشی طور پر کم حیثیت کے لوگ ہیں جو اردو زبان اور مذہبی لٹریچر کو سہارا دے رہے ہیں۔ کوئی حمد گوئی کر رہا ہے اور اردو میں حمد گوئی کے موضوع پر ریسرچ کر رہا ہے کوئی نعت گوئی کر رہا ہے اور اس پر بھی ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے۔ غرض مذہبی لٹریچر کے جتنے شعبے ہیں بے وسیلہ لوگوں کے ہاتھوں زندہ بھی ہیں اور پروان بھی چڑھ رہے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ایک کتاب ہے "اردو میں میلاد النبیؐ" مصنّف ہیں اس کے محمد مظفر عالم جاوید صدیقی جن کا تعلق فیصل آباد سے ہے اور یہ شہر اردو کے بڑے اور اہم مرکزوں میں شمار نہیں ہوتا ہے۔ ایسے مرکز سے کسی اہم اور بلند پایہ کتاب کی تحقیق، تصنیف اور اشاعت لائق صد ستائش ہے۔ جاوید صدیقی نے تعارف میں ہر جگہ اس کتاب کے لئے "مقالہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کسی جامعہ سے کوئی ڈگری حاصل کرنے کے لئے لکھا گیا۔ اگر ایسا ہے اور مقالہ نگار نے دانستہ اس کی توضیح نہیں کی ہے تو یہ جامعات کے ارباب حل و عقد کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اب لوگ مقالہ لکھ کر اس کا سبب بتانے میں بھی شرم محسوس کرنے لگے ہیں۔

مقالہ نہایت محنت، عرق ریزی، جانفشانی اور دقّتِ نظر سے لکھا گیا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ مقالہ کو کسی ایک یا چند تاریخی ادوار تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اردو کے ابتدائی عہد سے تاحال جس قدر تحریری ماخذات تک رسائی حاصل ہو سکی ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اس موضوع پر چند فیصد تحریری مواد ہی ایسا ہوگا جن تک مقالہ نگار کی پہنچ نہ ہو سکی۔

میلاد النبیؐ کو مذہبی لٹریچر نہیں سیرت النبیؐ کی ایک شاخ تصور کیا جا سکتا ہے۔ میلاد نامے اور اس سے متعلقہ موضوعات نظم اور نثر دونوں اصناف میں ملتی ہیں مقالہ نگار نے منظوم میلاد النبی کا جامع احاطہ کرتے ہوئے نثری تحریروں کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

سیرت النبی سے متعلق شعبوں میں نعت گوئی، قصیدہ نگاری، میلاد نامے، ولادت نامے، شمائل نامے، نور نامے، معراج نامے، وفات نامے وغیرہ ملتے ہیں۔ مقالہ نگار نے مذکورہ موضوعات میں نعت اور قصیدے پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے کیونکہ ان پر جداگانہ طور پر کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن باقی تمام شعبوں کا محقّقانہ اور ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ حالانکہ وہ موضوع کے لحاظ سے مقالہ کو میلاد ناموں تک محدود رکھ سکتے ہیں۔ عام رجحان سے بر خلاف مقالہ نگار نے موضوع کو وسعت دے کر سیرت کے ایک بڑے حصے کو سمیٹ لیا ہے۔ اسی طرح جہاں انہوں نے تحریری مواد کی چھان بین میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے وہیں میلاد کی محافل اور مجالس سے متعلق واری دستور، روایات اور ان کے لوازمات پر بھی حق تحقیق ادا کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق "اولین میلاد کی نشاندہی سیرت ابن اسحاق کی روشنی میں کی گئی ہے۔ آپ کی ولادت مقدسہ کے بعد

عبدالمطلب آپ کو کعبہ کے اندر لے گئے۔ اس وقت انہوں نے آپ کی ولادت باسعادت پر اللہ کی حمد کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ کی قرمت میں اشعار پڑھے۔" (ص ۱۸)

محافل میلاد ایک مذہبی اور معاشرتی روایت ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے ذکر سے دلوں کو روشن اور ایمان کو تازہ کرنے کی سعادت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔۔۔۔ کردار اور اسلامی اقدار کی تبلیغ کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔ ہماری تاریخیں شاہوں کے ذکر سے بھری پڑی ہیں لیکن معاشرتی اور مذہبی روایات کو محفوظ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ اب وہ دور آپہنچا ہے کہ یہ روایات برائے نام موجود ہیں۔ ماضی کی نسبت ان میں ایمان کی قوت باقی نہیں رہی ہے اس لئے ماضی کے کوائف جمع کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کی جانب ایک بار پھر پوری توجہ مبذول کر دی جائے۔

مقالہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں عربی' فارسی' دکنی' اردو کی تحریروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان زبانوں کے حوالوں کی نوعیت ثانوی نہیں ہے۔ گویا مقالہ نگار ان تمام زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ ان زبانوں میں موجود لٹریچر کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے مستفیض ہونے کا شعور رکھتے ہیں۔

کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور کوئی باب سو صفحات سے کم کا نہیں ہے۔

پہلے باب میں (صفحات ۱ تا ۱۴۰) لفظ "میلاد" کے مادہ "ولد" سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں استعمال اور عربی فارسی اور اردو لغات میں اس کے مختلف مفاہیم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کی تاریخ ولادت' وقت ولادت' اسم پاک کے معنی' شجرۂ نسب وغیرہ کے بارے میں جامع معلومات فراہم کی ہیں۔

دوسرے باب میں (صفحات ۱۴۱ تا ۲۶۲) میلاد ناموں کے محرکات و ماخذات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی نظر میں محرکات کے ضمن میں عقیدت و محبت کا اظہار' اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ' استمداد و شفاعت طلبی' خیر جوئی' حصول ثواب' میلاد میں حضور کی شریعت آموری کا عقیدہ صوفیائے کرام کی میلاد النبی میں دلچسپی' علماء کی ترویج میلاد میں خصوصی کاوشیں' سالانہ اعراس کی تقاریب' نجی خوشی پر محفل میلاد کا انعقاد شامل ہیں۔ ان کی تفصیلات تحقیق اور دلچسپی کی ہم آہنگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے باب کے ایک حصے میں میلاد ناموں کا عربی اور فارسی میں پس منظر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عربی کے سلسلہ میں عرب شعراء کا ذوق مدح' بعثت سے قبل آپ کی مدحت و ستائش کے نمونے' حضرت آمنہ کا میلادیہ قصیدہ' حلیمہ سعدیہ کے میلادیہ اشعار' بی بی شیما" کے میلادیہ اشعار' حضور کے عہد کے شعراء کے مناقب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرا باب (صفحات ۲۶۳ تا ۳۵۸) دکنیات سے متعلق ہے جسے قدیم اردو کی تخلیقات کہا جاتا ہے۔ بر سبیل تذکرہ عرض کرتا چلوں کہ ۲۰ سال کے مسلسل مطالعہ' جائزہ' غور و فکر کے بعد میں اس

نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قدیم دکنی کو قدیم اردو قرار دینا محض خوش فہمی ہے۔ دکنی ایک جداگانہ زبان تھی اور ہے۔ وہ بھی پنجابی کی ہم جولی تھی اگر دکنی قدیم اردو ہے تو پنجابی بھی قدیم اردو ہے جبکہ جدید دکنی دکن میں اور جدید پنجابی پنجاب میں اب بھی رائج ہے۔ چونکہ دکنی ادب کو قدیم اردو باور کروا دیا گیا ہے اور یہ بات ذہنوں میں بیٹھ چلی ہے اس لئے وہ مقالہ نگار کی مجبوری بن گئی ہے۔ انہوں نے دکنی زبان میں میلاد ناموں اور اس سے متعلق شعبوں پر بھی مواد جمع کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا بڑا حصہ شائع نہیں ہوا ہے اور مخطوطات کی شکل میں بڑی حد تک محفوظ ہے جو مخطوطات پاکستان میں موجود ہیں ان سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور جو بھارت (بالخصوص حیدر آباد دکن) میں ہیں غالباً ان کے بارے میں معلومات کتب خانوں کی توضیحی فہرستوں سے حاصل کی گئی ہیں جن کی گاہ گاہ نشان دہی کی گئی ہے۔ ان مخطوطات کے بارے میں مقالہ نگار کا خیال درست ہے کہ ان میں اکثر جگہ غلطیاں ہیں اشعار بحر سے خارج ہیں۔ مقالہ نگار نے من و عن ان کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

چوتھے باب (صفحات ۳۵۹ تا ۴۷۶) میں شمالی ہند میں میلاد ناموں کے ابتدائی دور کا جائزہ ہے۔ اس نے سیاسی اور تہذیبی پس منظر کو بیان کرنے کے بعد اسمٰعیل امروہوی سے محسن کاکوری تک ۵۰ سے زائد شعراء کے میلاد ناموں کے نمونوں پر ادبی' تاریخی اور مذہبی نقطہ نظر سے تبصرہ لیا گیا۔ ان میں معروف اور غیر معروف تمام شاعر موجود ہیں۔

پانچویں باب (صفحات ۴۷۷ تا ۵۸۸) کو میلاد ناموں کا دور جدید قرار دیا ہے جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے اس میں بھی دور جدید کی تہذیبی' سیاسی' مذہبی اور ادبی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد ۸۰ سے زائد شعراء کے میلاد ناموں سے بحث کی گئی ہے۔

چھٹا باب (صفحات ۵۸۹ تا ۶۸۰) دور جدید کا دوسرا حصہ ہے جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۷ء کے عہد تک محیط ہے جس میں تقریباً ۶۰ میلاد لکھنے والوں کا تعارف اور ان کے میلاد ناموں کے نمونے مع ضروری مباحث درج ہیں۔

ساتواں باب (صفحات ۱۹۴۸ء تا ۱۹۹۵ء) کا احاطہ کرتا ہے جسے عصر حاضر کہا گیا ہے اس میں ۵۰ شعراء کے میلاد ناموں کا ذکر ہے۔

آخری یعنی آٹھویں حصہ (صفحات ۷۸۰ تا ۸۳۰) میں خواتین کے میلاد ناموں' نامعلوم مصنفین کے میلاد ناموں' غیر مسلم شعراء کی میلادیہ نظموں کے علاوہ عید میلاد النبی کے انعقاد کی روایت مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بغداد' جنوبی افریقہ' شہر اربل' یمن' شام' تلمسان' لیبیا' دکن' دہلی' آگرہ' لندن اور پاکستان کے مختلف شہروں میں جس شان و شوکت اور اہتمام سے عہد قدیم سے تاحال منائی جاتی رہی ہے اسے مستند حوالوں کے ساتھ یکجا کر کے تہذیبی و مذہبی تاریخ کو مکمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس مقالے کے حوالے و حواشی ہی ۸۰ سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس سے مقالہ نگار کی عرق ریزی اور جاں فشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اردو کی بے بضاعتی کا رونا عام طور پر رویا جاتا ہے جو دراصل کم علمی بلکہ لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اردو ہر قسم کے مضامین اور موضوعات کے اظہار پر قدرت رکھتی ہے۔ سائنس سے لے کر مذہب' سماجی علوم سے لے کر مادی علوم تک ہر موضوع پر کتابوں کے انبار موجود ہیں۔ ہمارے مبصر شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپائے کہہ جاتے ہیں کہ اردو علمی زبان نہیں ہے' مشکل موضوعات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جاوید صدیقی نے ایک مختصر سے موضوع پر تحقیق کر کے جو مقالہ لکھا ہے اس سے یہ شہادت فراہم ہو گئی ہے کہ ہمارا علم اپنی زبان' اپنی مذہبی اور سماجی روایات کے بارے میں کس قدر محدود ہے۔ اگر اسی طرح کے وقیع اور جامع تحقیقی کارنامے منظر عام پر آتے رہے تو اردو کی وسعت اور اہمیت کا سکہ جم جائے۔

مبین مرزا

''اردو نعت اور جدید اسالیب'' پر ایک نظر

اوکتاویو پاز کا خیال ہے کہ تنقید ایک ایسا ضابطہ ہے جو زبان و بیاں کو اس کے معنی سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب کوئی معاشرہ خراب ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے زبان و بیاں ہی سے تعفن اٹھتا ہے۔ چناں چہ ایسے میں سماجی تنقید صرف ونحو اور معنی کی تشکیلِ نو کے کام سے رجوع کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی بقراطیت اوکتاویو پاز ایسے دانش ور ہی کو زیب دیتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جس معاشرے کا فرد ہے، ہمارے نقطۂ نظر سے وہ خواہ کتنا ہی ''مخربِ الاخلاق'' اور ''رُو بہ زوال'' کیوں نہ ہو لیکن وہاں اس حالت میں بھی سماجیات و سیاسیات سے لے کر ادب و فنون کے مختلف النوع دائروں تک ایک ضابطہ اور ایک قاعدہ بہر حال کارفرما نظر آتا ہے۔ ہماری صورتِ حال تو یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی ایک آدھ حصہ نہیں بلکہ اب پورا معاشرہ ہی رو بہ زوال ہے۔ میں رجائیت پسند آدمی ہوں، جلد ہار ماننے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوتا اس لیے یہی کہوں گا کہ ہم خرابی کی اس حد کو بہر حال ابھی نہیں پہنچے ہیں کہ جب اصلاحِ احوال کی گنجائش اور درستی کا امکان یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ اب بھی ہم میں دوبارہ جی اٹھنے کی سکت باقی ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے یہاں زندگی کے ہر شعبے میں ایک سخت تنقیدی اور خود احتسابی کا رویّہ پیدا ہو اور ہم اپنی معاشرت اور زندگی کے علمی، ادبی، فکری، سماجی، سیاسی، معاشی، اخلاقی ہر ہر پہلو کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے اپنی اصلاحِ احوال کے کام کا جلد از جلد آغاز کریں۔ ادب اور معاشرے میں تنقید کے اس باضابطہ کردار اور اوکتاویو پاز کے تصورِ نقد ونظر کا خیال مجھے عزیز احسن کی کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' کے حوالے سے آیا ہے۔

اردو نعت کے تنقیدی مطالعے میں اس سے پہلے بھی گاہے بہ گاہے کچھ مضامین میری نظر سے گزرے ہیں، لیکن عزیز احسن کی کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مکمل طور پر اسی موضوع کا مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے موضوع پر اس کی مختلف جہات کے سیاق و سباق میں گفتگو کی ہے۔ اس مجموعے میں پہلے سات مضامین نظری نوعیت کے ہیں جب کہ پانچ آخری مضامین شعرا کے فکر و فن کا مطالعہ ہیں۔ یہ امر خوش کن اور امید افزا ہے کہ اب رفتہ رفتہ نعت نگاری کو بڑی بڑی عقیدت کا معاملہ سمجھنے کا رجحان کم ہو رہا ہے۔ اہلِ نظر اور اربابِ علم و فن نعت کو اب ایک باقاعدہ صنفِ سخن باور کرتے ہوئے اس کے سنجیدہ تنقیدی اور فکری مطالعے کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

عزیز احسن نے اپنے مضامین میں حوالے کے طور پر اساتذہ کے کلام سے بھی نعتیہ اشعار پیش کیے ہیں اور ان پر اِدھر اُدھر تبصرہ نما گفتگو بھی کی ہے لیکن ان کے مطالعے کا خاص اور وسیع دائرہ معاصر نعتیہ شاعری ہے۔ ہم عصر شاعروں کے نعتیہ فکر و فن کا انھوں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور تنقیدی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ وہ جن نتائج تک پہنچے ہیں، ضروری نہیں کہ ان کا ہر قاری بھی ان کے ساتھ ان نتائج پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے خیال کی رو اپنے مطالعے کے دوران تجزیے کے لیے کوئی اور نکتہ اخذ کرے اور اپنی الگ راہ نکالے۔ تاہم یہ زاویۂ نظر کا اختلاف ہوگا اور ادب و تنقید میں اس کی اپنی الگ قدر و قیمت ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح بات سے بات آگے بڑھتی ہے۔ عزیز احسن کی رائے اور بعض مقامات پر ان کے تجزیے سے مجھے بھی اتفاق نہیں ہے۔ خاص طور سے ان کے تنقیدی منہاج کی بابت بھی میرے دو ایک بنیادی اعتراضات ہیں جن کا اظہار میں بہرحال کرنا چاہوں گا لیکن پہلے کچھ بات ان کے تصورِ نعت کے حوالے سے ہو جائے۔

عزیز احسن نے اس کتاب میں اپنا تصورِ نعت جامعیت اور صراحت کے ساتھ تو کسی مقام پر بیان نہیں کیا ہے لیکن چند مضامین میں انھوں نے ایسے اشارے ضرور کیے ہیں جنھیں باہم مربوط کر کے ہم ان کے نعت نگاری کے فکری اور فنّی تصورات و نظریات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ خاص طور سے ''نعت کے علمی و ادبی افق'' اور ''اردو نعت اور شاعرانہ رویّہ'' یہ دو مضامین اس حوالے سے نہایت مفید اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔ عزیز احسن کو اردو شاعروں سے شکایت ہے کہ انھوں نے بیش تر عشقِ رسول اور شمائلِ مبارک کے بیان ہی کو نعت گوئی کا موضوع بنایا ہے حالاں کہ اس کے ساتھ ساتھ انھیں تعلیماتِ نبویؐ کے بیان کو بھی اپنے فکر و فن کا حصہ بنانا چاہیے

تھا۔ تا کہ نعت کے ابعادئی وسعتوں سے آشنا ہوتے۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟ عزیز احسن کے نزدیک اس کے کئی اسباب ہیں مثلاً یہ کہ ہمارے یہاں مذہبی شاعری کی تحسین اس کے موضوع کی تقدیس کے حوالے سے ہوئی ہے، فن کی قدر افزائی کے طور پر نہیں، اس لیے شعرا کی توجہ انھی موضوعات پر رہتی ہے جو عوامی پسند اور فہم کے دائرے میں آتے ہیں۔ ایک خاص سبب یہ بھی ہے کہ بیش تر شعرا کا مطالعہ سیرت نہایت محدود ہوتا ہے اس لیے وہ سیرتِ رسولؐ کے فکری اور علمی پہلوؤں کی طرف آنے کی بجائے محض عقیدت اور جذبے کے زور پر اپنا کلام چلانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

یہ باتیں شاید فنِ نعت سے وابستہ بعض حضرات کے لیے ناگوار خاطر ہوں گی لیکن ہمیں خوشی ہے کہ عزیز احسن نے اس باب میں جو کچھ محسوس کیا، اسے اخلاص اور ذمہ داری کے ساتھ بیان کیا۔ نعت نگاری کے حوالے سے اپنے نظریات کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> نعت اگر نبی اکرمﷺ کے جمالِ صوری و حسنِ معنوی کی تعریف ہے تو اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پیش تر شعرا کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقام رسالت کا عرفان حاصل کریں اور نعت کا یہ تقاضا قرآن فہمی کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا۔
>
> (صفحہ ۱۵)

اس حوالے سے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے وہ آگے چل کر کہتے ہیں:

> نبئ اکرمﷺ کی ذات میں ایسے پہلو تلاش کرنا جو شانِ خداوندی سے قریب تر اور مقامِ بندگی سے دور تر ہوں، قطعاً خلاف شرع ہے۔
>
> (صفحہ ۱۸)

ان خیالات سے عزیز احسن کے راسخ العقیدہ اور پختہ فکر نقاد ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے اور ان کے نظریۂ نعت کی بھی صراحت ہوتی ہے۔ یہ بات خوش کن بھی ہے اور خوش آئند بھی کہ اردو نعت کے تنقیدی مطالعے کا کام عزیز احسن ایسے سنجیدہ اور صحیح العقیدہ لوگ سرانجام دینے کے لیے آگے آ رہے ہیں۔ اور انھیں بہ خوبی اندازہ ہے کہ ان کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ آغاز کار ہی میں نعت گوئی کے باب میں فکری مغالطوں اور عقیدے کی نا راستی کے مسائل پر بھی دیانت و متانت کے ساتھ گفتگو اور گرفت کرنا از بس ضروری ہے۔ گو کہ نعت کے تنقیدی مطالعے کا آغاز کئی دہائی پہلے ہو چکا تھا، مولانا اشرف علی تھانوی، محمد حسن عسکری کے تنقیدی

مباحث اور فرمان فتح پوری صاحب کی کتاب ''اردو میں نعت نگاری'' اس مطالعے کے حوالوں کی صورت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مولانا تھانوی اور حسن عسکری کے مضامین نعت کے فکری اور نظری مسائل کا احاطہ ضرور کرتے ہیں لیکن وہ ایک آدھ بحث تک اپنا دائرہ محدود رکھتے ہیں، جب کہ فرمان فتح پوری کا کام محض تحقیقی قسم کا ہے جو اردو میں نعت نگاری کی تاریخ کے جائزے پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں نعت بہ حیثیت صنفِ سخن اب تک سنجیدہ اور جامع مطالعے کا عنوان نہیں بن سکی۔ خدا کرے کہ اب عزیز احسن اور دوسرے لوگ اس کام کو آگے بڑھا سکیں۔

اب کچھ باتیں عزیز احسن کے تنقیدی منہاج کے حوالے سے۔ عزیز احسن نے جو تنقیدی اسلوب اور ناقدانہ منہاج اختیار کیا ہے وہ قدرے گنجلک اور ناہموار محسوس ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نقاد کا موقف پوری وضاحت اور شدت کے ساتھ دوٹوک انداز میں قاری تک منتقل نہیں ہوتا۔ ان کے وسیع المطالعہ اور ذہین قارئین کو تو شاید یہ مسئلہ درپیش نہ ہو، لیکن مجھ ایسے کم علم لوگ ان کے طرزِ اظہار کے ابہام اور خیال کی پریشاں خاطری سے ضرور الجھتے ہوں گے۔ وہ اپنی گفتگو میں غیر متعلق مسائل اور اضافی حوالوں میں جس قدر زورِ قلم صرف کرتے ہیں، وہ ان کی تحریر کے تاثر کو نہ صرف متاثر کرتا ہے بلکہ موضوعِ زیرِ بحث سے بھی ہماری توجہ ہٹا دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی کمزوری ہے جو اچھی خاصی تنقیدی کاوش کو بھی ایک غیر مرتب مجلہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین میں مغربی شعر و تنقید کے حوالے اور اصطلاحیں بہ کثرت آتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر انگریزی زبان و ادب سے استفادے کا حامی ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عملی طور شعر و ادب کے دامن کو وسعت دینے اور فکر و نظر کے نئے ابعاد روشن کرنے میں مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اس امر کا بھی شدومد سے قائل ہوں کہ جب بھی کوئی لفظ، کوئی اصطلاح یا حوالہ انگریزی زبان و ادب سے مستعار لیا جائے تو وہ بجائے خود اپنا جواز رکھتا ہو اور بیانیہ میں اس طور داخل ہو کہ گفتگو کا لازمہ محسوس کیا جائے اور عبارت کا جزوِ لاینفک معلوم ہو۔ عزیز احسن کے یہاں کئی ایک مقام پر حوالے اس طور آئے ہیں کہ وہ نقاد کے موقف کی صراحت اور اس کی دلیل کو محکم کرنے کی بجائے محض اس کے جوشِ بیاں اور اظہارِ علمی کی دلیل نظر آتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ وہ مضمون کی طوالت اور گفتگو کے انتشار دونوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر اس مضمون کو پیش کیا جاسکتا ہے جو ''شعر کے فنی لوازمات'' کے عنوان

سے کتاب میں شامل ہے۔ اس مضمون کی بابت میرا احساس تو یہ ہے کہ یہ شاید کسی اور مضمون کا حصہ تھا جو تدوین یا پروف کی غلطی کی وجہ سے علاحدہ مضمون کے طور پر شائع ہوگیا۔ اس لیے کہ اس کا آغاز تو نعت گوئی کے فن اور موضوع کے حوالے سے جدید اور قدیم رویّوں کے اختلاف کی بحث سے ہوتا ہے لیکن آگے چل کر یہ مضمون مشرق و مغرب کے تصورِ شعر کی بحث بن جاتا ہے۔ جدید و قدیم نقد و نظر کے کتنے ہی حوالے دینے کے بعد عزیز احسن اس مضمون کو جس مقام پر لے جا کر ختم کرتے ہیں وہ ابتدا میں اٹھائے گئے نکتے سے کسی طرح مربوط نظر نہیں آتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس سرے کو پکڑ کر انھوں نے بات کا آغاز کیا تھا وہ آگے چل کر خود ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور حوالوں کی کثرت انھیں اپنے ساتھ بہا کر کہیں سے کہیں لے پہنچی۔ اسی طرح ایک اور مضمون ''اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش'' میں بھی وہ غیر ضروری حوالوں اور طولِ کلام کا شکار نظر آتے ہیں۔ وسعتِ مطالعہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اگر نقاد اس کو اپنی گفتگو میں ترتیب و توازن کے ساتھ سنبھال نہ پائے تو وہ طلسمی تیر کی طرح خود نقاد کی طرف پلٹ پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں عزیز احسن نے اکثر مقامات پر انگریزی کے اقتباسات کا ترجمہ اور اصطلاحوں کا اردو متبادل بھی درج کیا ہے۔ اقتباسات کے ترجمے کے حوالے سے میری رائے یہ ہے کہ انھوں نے قدرے عجلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ ترجمے کی ضرورت انھوں نے غالباً اس لیے محسوس کی ہوگی کہ ایسے قارئین تک جو انگریزی سے نابلد ہیں، اس عبارت کا مفہوم پہنچا دیا جائے۔ خیال تو یہ اچھا ہے، لیکن اس کام کو سرسری انداز میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے خود نقاد کی integrity داؤ پر لگ جاتی ہے۔ چناں چہ اگر یہ کام کرنا ہی ہو تو اسی متانت اور سنجیدگی سے کیا جائے جس کا کہ یہ مطالبہ کرتا ہے ورنہ پھر اس سے احتراز کیا جائے۔

اسی طرح ایک اور قابلِ توجہ معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے انگریزی کے بعض ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اصطلاح کے طور پر رائج ہیں۔ عزیز احسن چوں کہ انگریزی کے لفظ کے ساتھ ساتھ اس کا اردو متبادل بھی لکھتے ہیں اس لیے ہم نے دیکھا کہ بعض مقامات پر وہ اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والے لفظوں کو ان کے لغوی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مستزاد اس پر یہ کہ مختلف مقامات پر انھوں نے ایک ہی لفظ کے مختلف معانی لیے ہیں۔ یہ سخت بے احتیاطی کی بات ہے۔ لفظ کے لغوی معنی اپنی جگہ اور ان کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہے، لیکن جب ایک لفظ اصطلاح کے درجے میں رائج ہو اور اس کا محلِ استعمال بھی اصطلاحی معنی کو فوقیت دیتا ہو تو اسے برتتے ہوئے زبان کی نزاکت اور بیان کی احتیاط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اسے فراموش،

کرنا مصنف کی لاعلمی نہیں تو بے احتیاطی کو ضرور ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر signs کا اصطلاحی اردو متبادل نشانات نہیں آثار ہے یا style کے لیے طرزِ اظہار نہیں اسلوب رائج ہے یا general poetry سے ہمہ جہتی شاعری نہیں عام شاعری مراد ہوتی ہے لیکن عزیز احسن نے ان لفظوں کو مختلف مواقع پر مختلف لغوی معانی میں استعمال کیا ہے۔

بہرحال، ان دو ایک اشارات سے عزیز احسن کے نقطۂ نظر سے میرا اختلاف تو ضرور ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس سے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت متاثر نہیں ہوتی۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب جدید ادب کے تناظر میں اردو نعت کی ادبی قدر کے تعین کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ میں نے گفتگو کے آغاز میں اوکتاویو پاز کا حوالہ دیا تھا، اختتام پر میں اسی سے رجوع کرتے ہوئے کہوں گا کہ عزیز احسن کا یہ کام ان کے سفر کا آغاز ہے۔ ایک بامقصد اور بامعنی سفر کا آغاز، لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ یہ کام اس عہد میں کر رہے ہیں جس میں پاز کے بہ قول تنقید معنی کی تشکیلِ نو کا فریضہ سرانجام دیا کرتی ہے۔ اس لیے انھیں اپنے کام کی اہمیت اور اپنی تصنیفی ذمہ داریوں کو ہر لحہ ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا۔ وہ جس راہ کے مسافر ہیں اس کے سفر کا یہ بنیادی مطالبہ ہے...!

☆☆☆

"خوابوں میں سنہری جالی ہے" کی نعتوں میں موضوع و مواد سے اظہار و اسلوب تک ایک پاکیزہ فضا چھائی ہوئی ہے۔ میں اس مجموعے کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔

(پروفیسر عنوان چشتی)

خوابوں میں سنہری جالی ہے

(صبیح رحمانی کے مقبول نعتیہ کلام کا انتخاب)

مرتب: عزیز احسن

☆ ناشر ☆

تاج کمپنی، 3151 ترکمان گیٹ، دہلی 110006 (بھارت)

وہی یٰسیں وہی طٰہٰ / حفیظ تائب

پڑھتا ہوا درود پاک اٹھوں بروز حشر میں
نام نبیؐ لبوں پہ ہو ٹوٹے جو دَم کا سلسلہ

یہ اظہاریہ ہے عشق نبی ﷺ میں ڈوبے ہوئے شاعر امروز و فردا حضرت حفیظ تائب کا جوان کے تازہ ترین نعتیہ مجموعے "وہی یٰسیں وہی طٰہٰ" سے لیا گیا ہے۔ محترم حفیظ تائب اب نعت گوئی کے اس مقام پر ہیں جہاں ان کے بارے میں تنقیدی نقطۂ نظر سے کچھ کہنا ناممکن تو شاید نہ ہو مگر بہت ہی مشکل ہے کیونکہ ان کی نعت گوئی کا رابطہ براہ راست فیضان نبی ﷺ سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ عشق رسول ﷺ ان کے وجود اور شعور میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ حفیظ تائب اور نعت گوئی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو چکے ہیں اور جسے نعت براہ راست دربار نبویؐ سے عطا ہونے لگے اس کے الفاظ پر کوئی صاحب حال بھی مشکل ہی گرفت کر سکتا ہے ہم جیسے لوگ تو صرف حضرت حفیظ تائب کی نعتوں کو پڑھ کر ان کی خوش قسمتی پر رشک ہی کر سکتے ہیں۔

"وہی یٰسیں وہی طٰہٰ" اول سے آخر تک دربار نبویؐ میں حاضری کی سرخوشی کا آئینہ ہے۔ جس شعر پر نظر ڈالیں طیبہ کی کوئی نہ کوئی جھلک نظر آتی ہے جس نعت کو پڑھیں گنبد خضراء کے زیر سایہ کہی ہوئی محسوس ہوتی ہے چند اشعار دیکھئے ،

پلکوں پہ تھا لرزاں دل دربار رسالتؐ میں
آساں ہوئی ہر مشکل دربار رسالتؐ میں

شوق باریاب ہو گیا
وا کرم کا باب ہو گیا
آپ کی نگاہ پڑ گئی
ذرہ آفتاب ہو گیا

وہ ہے خوشبو حرم کے در و بام کی
جھوک دل کی ہے جس نے بسائی ہوئی

اس نعتیہ مجموعۂ کلام میں کچھ نعتیں خصوصی ردیفوں کا اہتمام لئے ہوئے ہیں جیسے تر و تازہ' نعت' جمال ہے' دربار رسالت میں' کا سلسلہ' مسجد نبوی' جنت البقیع' اے سید السادات' شہر حبیب میں' لبیک' حدیث' روشن' خیر الانام' اور سبز گنبد وغیرہ۔ بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ یہ ردیفوں والی نعتیں شعوری کوشش سے وجود میں آئی ہوں گی لیکن ان نعتوں میں بھی حضرت حفیظ تائب کو بڑی کثرت سے بے ساختہ اشعار عنایت ہوئے ہیں جو ان کے مطہر جذبوں کے آئینہ دار ہیں۔ چند اشعار دیکھئے ،

رہتا ہے شب و روز ہر اک منظر طیبہ   آراستہ پیراستہ اجلا تر و تازہ

حجرے سے وہ سرکار کا مسجد میں نکلنا   اس لمحے میں ہو کاش رہی دور بھی نعت

حضور کے ادب و مرتبہ کی آئینہ دار   نقیب سید ابرار مسجد نبوی

انوار سے مہکتی زمیں جنت البقیع   جس کی کوئی نظیر نہیں جنت البقیع

اس کے علاوہ اس مجموعے میں تین حمدیں' ایک سلام' عید' سلام حاضری' مناجات' سپاس و دعا اور تضمین بر نعت حضرت قدسی بھی شامل ہے۔ کتاب صوری حسن سے بھی مالا مال ہے اور القمر انٹر پرائزز، اردو بازار لاہور نے بڑے اہتمام سے سفید کاغذ پر شائع کی ہے اور ہدیہ بھی انتہائی مناسب یعنی صرف 100 روپے رکھا گیا ہے۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

نام بنام حمد و ثناء / انوار عزمی

پروردگار عالم کے حضور منظوم نذرانہ عبودیت بہ حوالہ اسمائے حسنٰی کی توفیق اس بار محترم شاعر انوار عزمی کو ہوئی ہے۔ اس سے قبل بھی اس موضوع پر کام ہوا جن میں لطیف اثر کا صحیفہ حمد اور بجھنا پیر کی مُرسل و مُرسَل دونوں کتب کراچی ہی سے اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ لیکن انوار عزمی صاحب نے قرآن پاک میں دیئے گئے اللہ تعالٰی کے ہر نام پر ایک حمد صنعت توشیح میں لکھی ہے جو بڑی اہم کوشش ہے۔ چونکہ اللہ تعالٰی کے ہر نام کے شروع میں "ال" کا ہونا ضروری ہے اس لئے انوار عزمی کو صنعت توشیح کے سبب اپنی ہر حمد کو الف سے شروع کرنے کا موقع ملا اور یوں انہوں نے اپنی ہر حمد کو لفظ الٰہی سے شروع کرنے کی سعادت حاصل کی۔

کتاب کے شروع میں شاعر نے اپنا تعارف لکھا ہے۔ خواجہ منیر احمد سہروردی (جنہوں نے اس مبارک کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے) پروفیسر حسنین کاظمی اور ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب کی تقریظات ہیں۔ پیش لفظ میں شاعر نے حالانکہ ننانوے ناموں کا ذکر کیا ہے تاہم حمدیں ۱۰۵ ناموں پر تحریر کی ہیں۔ ویسے تو حمدوں میں ناموں کے مفہوم کی مناسبت سے اشعار شامل کئے گئے ہیں۔ پورے نام کہیں مصرعوں میں نہیں لئے گئے شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شاعر نے اس پورے مجموعے کی حمدوں کو ایک ہی بحر میں نظم کیا ہے جبکہ اسمائے الٰہی مختلف الاوزان ہونے کے سبب لائے نہ جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ چند حمدوں میں مثلاً العزیز، الجلیل اور الجبار وغیرہ کے حوالے سے لکھے گئے اشعار میں ان اسماء کا مفہوم بھی غالباً بیان نہیں ہو سکا ہے۔ اسماء کی مروجہ ترتیب میں صرف ایک سہو ہے کہ العلیم اور القابض کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے۔ الستار، المنعم۔

الرب۔ المعطی اور القدیر کے علاوہ الاحد بھی مروّجہ اسماء سے علاوہ ہیں جن پر محاذ اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ابتدائی پانچ اسماء پر دو دو حمدیں ہیں جبکہ باقی تمام اسماء پر ایک ایک حمد لکھی گئی ہے یوں کل ۱۱۰ حمدیں اس مجموعے کے زینت ہیں۔

انوار عزمی اس سے قبل "آدم تا رحمت عالم" کے نام سے شعری مجموعہ پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے قرآن پاک میں مذکور تمام پیغمبروں کے بارے میں مدحت سرائی کی تھی لیکن ان کی موجودہ کوشش شعری اعتبار سے بہتر ہے۔ زیادہ تر اشعار میں روانی ہے اور پوری کتاب ایک ہی بحر میں ہونے کے سبب مسلسل مثنوی کی صورت اختیار کر گئی ہے چند اشعار دیکھئے۔

الٰہی نام ہے رحمٰن تیرا کرم ہم پر ہوا ہر آن تیرا

دعائیں تو ہی سنتا ہے سبھی کی کیا کرتا ہے مشکل تو ہی آساں

لبوں کو تو نے بخشے ہیں ترانے دلوں کو درد بھی تو نے دیا ہے

زمیں سے تو نے فصلوں کو اگایا نکالا پیاس کے صحرا سے زم زم

خوبصورت سرورق سے مزین یہ کتاب مرکزی انجمن سہروردیہ کراچی نے ہدیۃً تقسیم کرنے کے لئے شائع کی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

جمال جہاں فروز / بشیر حسین ناظم

غالب کی زمینوں میں نعتیہ کاوشیں کافی عرصے سے جاری ہیں۔ سب سے پہلے غالب کی مکمل زمینوں پر نعتیں کہنے کا اعزاز ساجد اسدی کو حاصل ہوا۔ جن کی کتاب "پیامبر مغفرت" میں غالب کی تقریباً سبھی زمینوں میں خوبصورت نعتیہ کاوشیں اپنے حسن عقیدت اور عشق رسولؐ کے فیض کے سبب بہت سے خوبصورت اشعار دے گئی۔ پھر ہندوستان سے "مدحت" کے نام سے ابرار کرتپوری نے بھی غالب کی مشہور زمینوں کو نعت کے لئے استعمال کیا بعد میں کہنہ مشق شاعر راغب مراد آبادی کا مجموعہ "مدحت خیر البشرؐ" بھی غالب ہی کی زمینوں میں جلوہ گر ہوا۔ حال ہی میں ملتان کے مشہور شاعر ایاز صدیقی نے "ثنائے محمدؐ" کے نام سے غالب کی معروف زمینوں میں نعتیں کہیں اور مرزا غالب سے ان کے کئی مشہور مصرعے نعتوں کے لئے چھین لئے۔ اب بشیر حسین ناظم صاحب نے شعوری کوشش کے ساتھ "جمال جہاں فروز" پیش کی ہے۔

"جمال جہاں فروز" کا موضوع چونکہ مدحت رسول کریم ﷺ ہے اس لئے اس موضوع کی

خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں۔ کتاب ظاہری حسن سے بھی پوری طرح مالا مال ہے۔ البتہ نعتیہ اشعار کے حوالے سے چند باتیں قابل اعتراض ہیں جن میں سب سے پہلی بات توادق اور غیر مستعمل الفاظ و تراکیب کا استعمال مثلاً تشتت، تقبیل، محتوی، معتنہ، واژگوں، ارتیاب، میادین، جماہیر، دست تطاول، مرنوع دست امتناں، ملاذ قلب مضطر وغیرہ۔ ان جیسے بے شمار الفاظ و تراکیب ہیں جن سے یہ نعتیہ مجموعہ بھرا پڑا ہے اور بعض جگہوں پر تو محسوس ہوتا ہے کہ شعوری طور پر نامانوس الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جبکہ ان کے مترادف نسبتاً آسان الفاظ بھی لئے جا سکتے تھے۔ غالباً بشیر حسین ناظم صاحب کا اپنے قارئین کی علمیت کے بارے میں اندازہ کچھ خوش فہمی پر مبنی ہے۔

دوسری اہم بات اس مجموعے میں "نہ" کا استعمال ہے جو بروزن "فع" کیا گیا ہے اور علم عروض کے چند اساتذہ کی نظروں میں معیوب ہے۔ یوں بہت سے اشعار عروضی اعتبار سے زد میں آتے ہیں۔ پھر شاعر کے بقول چونکہ اس مجموعے میں شامل تمام نعتیں صرف سات ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل ہوئی ہیں اس لئے غالباً عجلت میں نظر ثانی کا موقع بھی کم مل سکا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

وقار آدمی تھا آپؐ کے تشریف لانے میں　　　وہ جب تشریف لائے رونقیں آئیں زمانے میں

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں دو مختلف صیغوں کا استعمال۔ پہلے میں آپ اور دوسرے میں واحد غائب یعنی وہ؟ اس کتاب میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جن کو فرد کے طور پر پڑھا جائے تو ان کا نعت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا مثلاً یہ دو اشعار دیکھئے جو کسی بھی عام غزل کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔

آزادیاں کہاں ہیں میسر بھلا مجھے　　　خود کو اسیر زلف معنبر کئے بغیر

تاکہ جہان عشق کی رونق رہے جواں　　　لازم ہے رہنا حسن کا ناظم نقاب میں

اور ایک شعر تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مجموعے کی ایک نعت میں کیوں اور کس لئے شامل کیا گیا ہے۔

مرا شہرہ ہے جہان ادب و حشمت میں　　　شکر ہے شہر مجاہیل میں مشہور نہیں

چونکہ معاملہ نعت کا ہے اس لئے مندرجہ بالا باتوں کا ذکر کرنا ادبی دیانتداری کا تقاضا تھا۔ ویسے اس مجموعے میں اچھے اشعار کی بھی کمی نہیں۔ خاص طور پر جن میں سادہ زبان استعمال ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض میں بے ساختگی بھی محسوس ہوتی ہے جو شاعر کے جوش عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

مرے مولا تری رحمت سے پوری ہر تمنا ہو　　　مگر ہے آرزو دل کی مرا مدفن مدینہ ہو

قربان کروں میں جان گرامی ہزار بار　　　ان کے قدوم پاک پر آئیں جو خواب میں

مجھ بے نوا کو کوئے مدینہ میں دیکھ کر سرور اہل عشق و محبت ہوا کیے

بہر حال اس کاوش پر بشیر حسین ناظم مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

تسکین قلب / مسعود چشتی

جس طرح باران رحمت کے نزول کے بعد پوری فضا میں ایک عمومی تبدیلی محسوس ہوتی ہے کہ بنجر زمین بھی سبزے سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح ابر کرم کی صورت رسول پاکؐ سے محبت برصغیر اور خاص طور پر پاکستان پر یوں برس رہی ہے کہ ہر طرف سیرت رسول ﷺ پر کام ہوتا نظر آتا ہے۔ کہیں نثر کے گلستان سجائے جا رہے ہیں تو کہیں نئے نئے شعراء نعتیہ گلدستے لئے محفل ہستی میں رنگ اور خوشبو بانٹتے پھرتے ہیں۔ اور ان نوواردان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے کئی ایسے اصحاب کے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں جنہیں اس توفیق سے قبل ان کے احباب بھی بحیثیت شاعر نہیں جانتے تھے۔ پھر ایک ایک جوہر قابل کی دریافت کا عمل ہوتا ہے اور یوں ایک اور نعتیہ شعری مجموعہ منصۂ شہود پر آجاتا ہے۔

زیر نظر نعتیہ مجموعہ "تسکین قلب" نوجوان نعت گو مسعود چشتی کی کاوش ہے۔ مسعود چشتی صاحب سلسلہ ہیں۔ بنیادی طور پر سائنس کے طالب علم ہیں اور فیصل آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے لئے خادم الفقراء کے خطاب کو پسند کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ نعت کے شروع میں مسعود صاحب کے پیرومرشد حضرت صاحبزادہ محمد ضمیر الحق چشتی کے علاوہ راغب مراد آبادی' حفیظ تائب' سحر انصاری' حفیظ الرحمن صدیقی' نواز قادر چشتی' راجا رشید محمود' خالد اطہر' احمد ہمدانی' اشفاق الزماں خان' محمد مبین حسینی' قمرالحق' وقار احمد زبیری' طلعت طارق' حسن وقار گل' صادق یوسفی' آصف علی اور افضل الفت کی لکھی ہوئی مختصر تقریظات ہیں۔ جو غالباً نئے نعت گو کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش ہیں۔ قطعہ تاریخ اشاعت بھی دیا گیا ہے جو راغب مراد آبادی کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ کتاب کے آخر میں چہرہ نما کے عنوان سے شاعر کے تمام ضروری کوائف بھی دیئے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں کل (۶۳) تریسٹھ نعتیں ہیں (جو غالباً حضور ﷺ کی عمر ظاہری کی نسبت سے ہیں) جبکہ شروع میں ایک طرحی حمد ہے اور اس کتاب میں ۷ نعتیہ قطعات بھی شامل ہیں۔

احمد ہمدانی کے بقول مسعود چشتی نعت گوئی کے اس دبستان سے متعلق ہیں جس میں نعت گوئی کا محرک جذبۂ عقیدت و محبت ہوتا ہے اور مسعود چشتی نے حد درجہ عقیدت و محبت کے باوجود بڑی احتیاط سے نعت گوئی کا راستہ طے کیا ہے۔ ہم ہمدانی صاحب کی اس رائے سے پوری طرح متفق ہیں دراصل یہ پوری کتاب مسعود چشتی کی عقیدت کے پھولوں کا گلدستہ ہے جس میں بعض اشعار کی مہک علیحدہ محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً:

تصدق نطق احمدؐ پر کروں میں جان و دل اپنے — جو ان کے منہ سے نکلے بات وہ قرآن ہو جائے

نظریں جھکیں ہوں لب پہ کوئی بھی صدا نہ ہو — احوال اپنے دل کا ادب سے سنائیے

جو شام و سحر حاضر دربار نبیؐ میں ہیں — مسعود گداؤں کی تقدیر کا کیا کہنا

۷۶ اصفحات پر مشتمل یہ غیر مجلد کتاب خوبصورت سرورق کے ساتھ سفید کاغذ پر راغب اکیڈمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ 100 روپے کچھ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

قصیدۂ نعتیہ / لالہ صحرائی

لالہ صحرائی نے کچھ عرصے سے شعوری طور پر اس بات کی کوشش کی ہے کہ اردو میں مروّجہ تمام اصناف سخن میں نعت گوئی کا شرف حاصل کریں۔ زیر نظر "قصیدہ نعتیہ" اسی کوشش کے ایک حصے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ ۱۰۷ اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ اپنے موضوع کے اعتبار سے تو ظاہر ہے انتہائی محترم ہے کہ اس میں مدحت رسول اکرم ﷺ کی گئی ہے تاہم ہیئتی اعتبار سے صرف بنیادی ارکان قصیدہ کے مطابق ہے یعنی اس میں پہلا شعر مطلع ہے اور باقی تمام اشعار کے دوسرے مصرعے مطلع کے مطابق قافیہ رکھتے ہیں اور یہ غیر مردف ہے۔ موضوعاتی ہیئت کے اعتبار سے فارسی شعراء نے قصیدے کو جن چار اجزاء یعنی تشبیب، گریز، مدح اور عرض مدعا سے مزین کیا ہے قصیدۂ نعتیہ اس ترتیب سے ماوراء ہے۔

لالہ صحرائی نے اس قصیدے کے اشعار میں شعوری ضرورت کے مطابق تعداد اشعار پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے جس کے سبب مضامین مربوط نہیں محسوس ہوتے اور کہیں کہیں ترتیب میں سہو محسوس ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ موزوئی طبع کی روانی نے قلم برداشتہ یہ قصیدہ قلمبند کر دیا ہے اور شاعر نے اس ترتیب کو جو نظر ثانی سے زیادہ بہتر ہو سکتی تھی نہیں کیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ قصیدہ جذب و شوق کا اظہاریہ ہے۔ اشعار کی بندشیں عموماً چست ہیں۔ مضامین بھی خوب ہیں تاہم کہیں کہیں حشو و زواید سے اشعار کی خوبصورتی مجروح ہوتی ہے مثلاً یہ شعر جو قصیدہ کا مطلع ہے اور جس پر قصیدے کے حسن کی بنیاد رکھی جاتی ہے کہ مصرع ثانی میں "پھر" کا مقام کیا ہے؟

حضورؐ لکھوں قصیدہ میں آپ کا کیونکر — جو سوچتا ہوں تو جلتے ہیں پھر خیال کے پَر

کچھ اور ایسے اشعار دیکھیے جن میں خط کشیدہ الفاظ اسی زمرے میں آتے ہیں۔

جو عالم بشریت کا ذکر چھڑ جائے — کہوں کہ آپؐ کا سا پیدا ہوا نہ ہوگا بشر

کوئی جو شکوہ کرے گردش زمانہ کا　　　کہوں کہ یہ شب معراج میں گئی تھی ٹھہر

اگر نہ آپؐ کی طاعت ہو وجہ جمعیت　　　کہوں کہ خانہ جاں ہی میں یوں نہ جاؤں بکھر

اس کے علاوہ شعر نمبر ۸۵ میں معنوی اعتبار سے بہت بڑا سہو ہے۔ جس پر شاعر سے خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔

کہیں کے رکتے ہوئے پلّے میں کوئی مال بھی کیا؟　　　کہوں غریب ہوں حُبِّ نبیؐ ہے مال و زر

یعنی حُبِّ نبیؐ کا مال وزر رکھ کر خود کو غریب کہنا چہ معنی دارد؟ قصیدۂ نعتیہ مجموعی طور پر ایک اچھی کوشش ہے جس میں کل ۵۲ اشعار ہیں۔ کہیں اور کہوں سے مصرعے شروع کر کے مکالمے کی فضا پیدا کی گئی ہے۔ چھوٹے سائز پر طبع شدہ یہ کتابچہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سفید کاغذ پر ہلکے نیلے رنگ کے سادہ سرورق کے ساتھ مصنف نے ہدیۃً تقسیم کرنے کے لئے بلاک نمبر ۶ جہانیاں ضلع خانیوال سے شائع کیا ہے۔　　(منصور ملتانی)

☆☆☆

فی احسن تقویم / جاوید احسن خان

مندرجہ بالا عنوان پر لکھی گئی کتاب دراصل جاوید احسن خان کا نعت سے متعلق ایک تنقیدی مقالہ ہے جسے مصنف نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ سردار حافظ اورنگ زیب عالمگیر خان آزردہ کا تحریر کردہ ہے جو بمقام دھوا تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں آباد کیتھران قبیلے کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ :

> "جاوید احسن خان نے اپنی وسعت مطالعہ سے تقریباً تمام نعت گو شعراء کی ایک فہرست ہمارے سامنے رکھ دی ہے ورنہ ہم ان کے نام تک نہ جانتے اور یہ ان کی تخلیقی کاوشوں کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اب کوئی محقق مزید محنت کرنا چاہے تو اسے راستہ صاف نظر آرہا ہے۔ جاوید صاحب نے ایک اور اچھا کام یہ کیا ہے کہ کچھ غیر معروف شعراء کے مشہور بلکہ زبان زد خلق اشعار جو لاوارث دولت بنے ہوئے تھے کے متعلق بھی تحقیقی رائے دی ہے کہ وہ کس کی کاوش ہیں۔"

اس پیش لفظ کی روشنی میں مقالہ کا مطالعہ خاصا دلچسپ رہا ہے۔ مصنف نے اپنے ابواب کو مختلف عنوانات دیئے ہیں۔ باب اول "نعت کی تعریف" ہے جس میں حمد، نعت اور منقبت کی تعریفیں اور آپس کا فرق موضوع بحث ہے اور اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور ہمزیہ البوصیریؒ کے عربی نعتیہ اشعار دیئے گئے

ہیں۔ باب دوم "نعت کے لوازمات سے متعلق ہے۔ جس باب کے عنوان کے نیچے ہی یہ مصرع لکھ کر موضوع کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ (باخدا دیوانہ باشد با محمدؐ ہوشیار) اس میں دس ذیلی عنوانات بھی ہیں جس کی ترتیب یوں ہے۔ حفظ مراتب کا ادراک۔ فرق فی الفضیلت انبیاء۔ ادب و احترام' تشبیہ و استعارہ کا استعمال انتخاب الفاظ' انداز بیان' انداز تخاطب' حقیقت نگاری' مضامین نعت اور آخری عنوان عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام ہے۔

باب سوم میں عربی زبان میں نعت گوئی کی روایت کے تحت کچھ تعارف کے ساتھ (۸۰) اسی شعراء کی فہرست دی گئی ہے۔ باب چہارم میں فارسی نعت گوئی کے موضوع پر بحث کے ساتھ (۶۴) چونسٹھ شعراء کی فہرست موجود ہے۔ باب پنجم میں "اردو نعت آغاز و ارتقاء" موضوع بحث ہے۔ جسے مصنف نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے یعنی عہد شاہی سے دور غلامی تک۔ تحریک آزادی سے تقسیم ہند تک اور قیام پاکستان سے لمحہ موجود تک۔ ساتھ ہی تینوں ادوار کے شعراء کی علیحدہ علیحدہ فہرست ہے۔ پہلے دور کے ۳۴ چیدہ چیدہ شعراء کے نام مع تاریخ وفات درج ہیں۔ پھر دوسرے دور کو اردو نعت کی نئی روایت کے عنوان سے لکھا گیا ہے اور اس دور میں صرف امیر مینائی' محسن کاکوروی' الطاف حسین حالی اور بریلوی برادران یعنی مولانا احمد رضا خانؒ اور مولانا حسن رضا خانؒ کا ذکر کیا ہے۔ اس حصے میں مصنف نے خاصے نمایاں الفاظ میں یہ لکھ کر کہ "مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا زیادہ تر کلام فرقہ وارانہ مضامین پر مشتمل ہے۔" اپنی غیر جانبداری کو مشکوک کر لیا ہے۔

باب ششم میں حدیث دیگراں کے عنوان سے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کو موضوع بنایا ہے اور بیشتر غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کے بارے میں رائے دی ہے کہ "ان اشعار میں ہندو ذہن کار فرما ہے کہ تصوف اور نعت کے ذریعے عام مسلمانوں کے خام ذہنوں کو پراگندہ کیا جائے اور ان کی مذہبی تصورات میں خلل ڈالا جائے۔" اس کے علاوہ جاوید احسن صاحب نے کچھ غیر مسلم اہل فکر و نظر کو تعصبات قومی سے بلند نعت گو شعراء کہا ہے۔ جن میں ہری چند اختر' جگن ناتھ آزاد' کنور مہندر سنگھ بیدی سحر' کرسن لال ادیب اور نذیر قیصر شامل ہیں اور ان کی نعتیں شاعرانہ دیانت کی مثالیں کہی گئی ہیں۔ ہاں البتہ مصنف نے اس کسوٹی کا کہیں تذکرہ نہیں کیا جس پر انہوں نے تمام غیر مسلم شعراء کی نیتوں کو پرکھا ہے اور مندرجہ بالا کو سرٹیفکیٹ جاری کئے ہیں۔ اس باب میں ایک قطعی غیر مکمل سی غیر مسلم شعراء کی فہرست بھی دی گئی ہے جو نور احمد میرٹھی کی مرتبہ "بہر زماں بہر زباں" کی موجودگی میں غیر اہم ہے۔ اس کے علاوہ اسی باب میں فاضل مصنف نے اردو نعتیہ شاعری پر ہندو ضمیات کے اثرات پر بھی بحث کی ہے۔ باب ہفتم کا عنوان ذو معنی ہے یعنی "اردو نعت کا دور اقبال" اس میں مولانا محمد علی جوہر' مولانا ظفر علی خان اور علامہ محمد اقبال کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد اسی باب میں "نعت رسولؐ کا عہد جدید" کے عنوان سے پہلے تو نواب بہادر یار جنگ' بیدم

شاہ وارثی، علامہ سیماب اکبر آبادی، مولانا حسرت موہانی، محمد اسد خان 'اسد ملتانی'، مولانا ماہر القادری، بہزاد لکھنوی اور حفیظ جالندھری کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد لمحہ موجود کے اہم شعراء میں احمد ندیم قاسمی، مظفر وارثی، نصیر الدین نصیر، حفیظ تائب، نعیم صدیقی، اقبال عظیم، عاصی کرنالی، لالہ صحرائی، خالد محمود نقشبندی اور حافظ لدھیانوی کو سر فہرست رکھا ہے۔ اس کے بعد نمایاں ناموں کی ایک طویل فہرست ہے جو ۲۴۰ ناموں پر مشتمل ہے۔

جاوید احسن صاحب کے اس مقالے میں نعت کے خاصے موضوعات کو چھوا گیا ہے بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے تنقید نعت کے اہم عنوان کو بھاری پتھر کی طرح محسوس کیا ہے اس لئے اسے اٹھانے کی بجائے جھک کر عقیدت سے چوما ہے اور آگے بڑھ گئے ہیں۔ تاہم ڈیرہ غازی خان جیسے دور افتادہ مقام سے اس کتاب کی اشاعت قابل قدر جرأت ہے جس کے لئے مصنف و ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کتاب کی کتابت ترتیب و اشاعت ذرا سی محنت اور توجہ سے بہت بہتر ہو سکتی تھی۔ ۱۴۴ صفحات پر مشتمل یہ غیر مجلّد کتاب سلیمان اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت 100 روپے رکھی گئی ہے جو کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

جذبات وجیہہ / شاہ وجیہہ الدین احمد خان قادری

یہ مختصر نعتیہ کتاب حضرت مولانا شاہ وجیہہ الدین احمد خان قادری مجددی کے کلام پر مشتمل ہے۔ جسے اب تک چار بار "جذبات وجیہہ" کے نام سے شائع کیا جا چکا ہے۔ پہلی بار شاعر کی حیات ہی میں اور باقی تین بار ان کے نواسے مولوی مظاہر اللہ خان کی کاوشوں سے۔ اس کتاب میں ایک حمد ۲۶ نعتیں بہ انداز غزل، دو مخمس، تین مسدس بزبان اردو ہیں اس کے علاوہ دو فارسی نعتیں اور ایک عربی نعت بھی ہے۔

اس کتاب کی سب سے اہم بات اس میں موجود علیٰحدہ حصہ "مدح قرآن" ہے۔ جس میں چھ مدحیہ غزلیں اور ایک مسدس ہے۔ مدحت قرآن موضوع کے اعتبار سے بالکل الگ اور اچھوتا حصہ ہے۔ آج تک مجھ ناقص علم رکھنے والے کی نظر میں کسی شاعر نے اس خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر اشعار تخلیق نہیں کئے ہیں قرآن کی فریاد کے عنوان سے چند اشعار تو ملتے ہیں جیسے

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں ‏ ‏ ‏ ‏ سینے سے لگایا جاتا ہوں

وغیرہ۔ لیکن اتنی خوبصورتی سے پیغام قرآن کہیں اور نظر نہیں آتا کہ

ہر اک سورۃ علاج نفس امّارہ کا نسخہ ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ہر اک آیت ازالہ ہے دلوں کی ناتوانی کا

پایہ کہ۔

خدا نے بھر دیا دریائے رحمت ایک کوزہ میں
یہ وہ کوزہ ہے جس سے شان اعجازی نمایاں ہے

حضرت وجیہہ الدین کی اعلیٰ سوچ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ نعتوں میں روایتی پن بہت نمایاں ہے۔ زمین بھی مروّج ہی استعمال ہوتی ہیں ہاں البتہ جذبوں اور محسوسات کی گہرائی قابل غور ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

طریقت باطنہ کی مشعل ہے روح حضرت کی اک تجلّی
شریعت ظاہر اکا رستہ انہی کے قدموں کی اک ڈگر ہے

زمیں پر مختصر ٹوٹا سا حجرہ
ادھر قدموں میں فردوس بریں ہے

ترے عشق کا ہے معاملہ تری نیتوں پہ مدار ہے
شہ دو جہاں کی شعاع رخ نہ قریب ہے نہ وہ دور ہے

نبی ترساں ملک حیراں کوئی مشغول سجدہ ہے
جہاں کی شان کہتی ہے یہ تفسیر شفاعت ہے

کل ۵٦ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سفید کاغذ اور سادہ گہرے زرد رنگ کے سرورق کے ساتھ مکتبہ وزیریہ انگوری باغ رامپور (یوپی) انڈیا نے شائع کی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

کفیل غریب /

یہ رسالہ معروف بہ آفتاب نعت سلسلۂ قاسمیہ مصطفائیہ، فضل رحمانیہ کے سجادہ نشیں حاجی سید محمد شمشاد حسین ہاشمی قاسمی مصطفائی فضل رحمانی بریلوی کی فرمائش پر محمد تفضل حسین و محمد عبدالرحیم قاسمی مصطفائی فضل رحمانی قادری چشتی سہروردی نقشبندی خادم و نعت خواں خانقاہ مصطفائیہ عالیہ قدسیہ نے ترتیب دے کر خانقاہ ہی سے شائع کیا ہے۔ سرورق سادہ بہ رنگ سبز ہے۔ کفیل غریب عنوان با تاریخ یعنی ۱۳۵۲ھ رکھا گیا ہے کیونکہ اسے پہلی بار ۱۳۵۲ھ میں ہی پیرو مرشد کے حکم پر ان کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی حیات ظاہری ہی میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ بات پیش لفظ میں بیان کر دی گئی ہے۔۔ اس کے علاوہ پیش لفظ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ مجموعۂ کلام حاجی صاحبؒ کے ان معدودے چند مریدوں کی نعتوں اور منقبتوں پر مشتمل ہے جن پر خاص طور پر حاجی صاحب نے نظر بہ عنایت اصلاح ڈالی تھی۔

اس مجموعے میں (۷) سات حمدیں (۱۲۲) ایک سو بائیس نعتیں ہیں۔ نعت گو حضرات میں سر فہرست حمایت اللہ قاسمی مصطفائی فضل رحمانی ہیں جن کی (۲۹) غزلیہ نعتیں اور سات نعتیہ مخمس اس مجموعے میں شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر عبدالرحیم قاسمی مصطفائی فضل رحمانی ہیں جن کی (۲۷) غزلیہ نعتیں اور دو نعتیہ مخمس اور ایک نعتیہ مثلث اس میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر اس رسالے میں تمیں شعراء کا کلام شامل ہے جن میں تین خواتین بھی ہیں۔ اس مجموعے میں گو کہ روایتی شاعری اپنی پوری جلوہ سامانیوں

کے نشاں" اور ۱۹۷۹ء میں شائع شدہ مجموعے "تصویر کمال محبت" کے تمام کلام کو نئے کلام کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں ان کی مشہور زمانہ نعتیں بھی شامل ہیں جن کے اشعار محتاج تعارف نہیں۔

خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفیٰ نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

رحمت کا در کھلا ہے دربارِ مصطفیٰ میں
بن مانگے مل رہا ہے دربارِ مصطفیٰ میں

ایسا بھی ہو یا سید ابرارؐ کسی دن
ہو جائے مری حاضری سرکارؐ کسی دن

ترتیب کے اعتبار سے یہ مجموعہ بے ترتیبی کا شکار نظر آتا ہے۔ شاعر کے شائع شدہ مجموعہ ہائے کلام زمانی ترتیب کے اعتبار سے مکمل شائع کئے جانے چاہئے تھے تاکہ شاعر کے شعوری اور فنی ارتقاء کی خوبصورت تصویر واضح ہو جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ کسی بھی ترتیب کے بغیر یکجا کئے گئے کلام کی شائع شدہ کتاب ہے جس میں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کونسی تخلیق پہلے کی ہے اور کونسی بعد کی۔ پھر کسی غزلیہ نعت پر عنوان ہے تو بیشتر بغیر عنوان ہیں۔ ایک نعت کو دوسری سے علیحدہ و ممیز کرنے کا بھی کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ ابتداء میں حسن ترتیب میں کہیں عنوان نعتیں دیا گیا ہے تو کہیں خالی مسدس یا نظمیں گویا غزلیہ نعتوں کے علاوہ باقی اصناف میں نعتیں نہیں ہیں؟ کتاب کی کتابت و طباعت میں بھی جتنی توجہ اور عرق ریزی درکار تھی غالباً عجلت یا مصروفیت کے سبب اس پر پورا دھیان نہیں دیا گیا۔

ایک اہم بات کہ مرتب نے کسی بھی قسم کی وضاحت کے بغیر شاعر کے ایک شعر کو منتخب کر کے ابتداء میں پورے صفحے پر خدا معلوم کس لئے شائع کیا ہے۔ اس شعر کو نعتیہ مجموعے کی ابتداء میں فرد کی حیثیت سے پڑھ کر حیرت ہوئی ہے۔

پھول کی پتی سے نازک تھا مرا طرزِ کلام
تلخیٔ ایام اس کو کر گئی آتش

صفحہ نمبر ۱۵۶ پر ایک نعت کے نیچے منظوم وضاحت ہے جس میں اپنی ایک نعت کے مطلع کو سرقہ کرنے کا ذکر ہے مگر اظہار کی زبان بہت پست ہے جو جناب ادیب رائے پوری کے معیار سے پست تر ہے۔ عشق احمد میں ڈوبے ہوئے اشعار لکھنے والا اگر یہ لکھے کہ "بکری مشک اگر دے سکتی مر جاتے آہو" تو اچھا محسوس نہیں ہوتا۔

۴۰۰ صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت کتاب مدحت پبلشرز نے کراچی سے شائع کی ہے۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

ذوق عرفان / اسرار احمد سہاوری

پروفیسر اسرار احمد سہاوری نے اپنے نعتیہ دیوان کا دیباچہ اور مقدمہ خود قلم بند کیا ہے اور اپنے

بارے میں انہوں نے خود اتنا کچھ کہہ لیا کہ دوسروں کے کہنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ ان کے چند جملے بطور اقتباس نقل کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

"اس کتاب کا میں نے نام "ذوق عرفان" تجویز کیا ہے۔ عرفان کا مطلب روحانی باتیں عالم قدس کا ذکر، خدا اور رسول کی یاد آوری"

"میں نے حمد و نعت اور نظم کو بھی تغزل کے بہت قریب لانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے ان نعتوں میں فکر و فن، خیال آرائی اور جذبہ طرازی کی نمود پیدا کرنے کی کوشش کی ہے"

"میں نے پورے شعور کے ساتھ جدّت ادا اور جدّت خیال کو بہم آوری کا اہتمام بھی کیا ہے۔"

"میں نے نعت اور حمد کی ترسیل اور ابلاغ میں حسن خیال اور حسن بیان دونوں کے امتزاج کو ملحوظ رکھا ہے۔"

"زبان و بیان میں سلاست، روانی، بے تکلفی اور نغمگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے جدید معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی رجحانات کی بھی عکاسی کی ہے۔"

"رنگ و آہنگ، ابلاغ و ترسیل میں غالب کے انداز بیان کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں غالب کی عمومی پیروی کی وجہ سے تمام مندرجہ نظموں کے اظہار و ابلاغ میں ایک نیا پن، طرفگی، پہلوداری ضرور پیدا ہو گئی ہے۔"

"حمد و نعت چونکہ بنیادی طور پر قصائد ہیں اس لئے اظہار میں تغزل کے ساتھ قصیدے کی شوکت الفاظ بلند آہنگی تراکیب اور خیال کی بلند پروازی کو بھی کافی دخل حاصل ہو گیا ہے۔"

"اب آپ میری مندرجہ بالا گزارشات کے حوالے سے کتاب کے مندرجات کو ملاحظہ فرمایئے۔"

میں نے مصنف کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے کتاب کے مندرجات میں ان کے دعوؤں کی دلیل تلاش کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ ان کے یہ سارے بلند بانگ دعوے کافی حد تک درست ہیں اور ساتھ ہی ان کے کلام میں خلوص کی بڑی چاشنی ملتی ہے جو حمد و نعت کی ضرورت ہے مگر وہی بات کہ یہ ساری باتیں دوسروں کے کہنے کی تھیں جو انہوں نے خود کہہ لیں اب ہم کیا کہیں۔

ناشر : فروغ ادب اکادمی، سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ (حنیف اسعدی)

☆☆☆

تجلّی / حسین سحر

پچھلے دنوں پروفیسر حسین سحر کی "تجلّی" کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کتاب کو مصنف نے خود ہی دینی شاعری کہا ہے۔ کتاب میں زیادہ تعداد نعتوں کی ہے۔ شروع میں ۴ عدد کیف واثر میں

ڈوبی ہوئی حمدیں ہیں۔ کچھ منقبتیں اور کافی تعداد میں "سلام"۔ اس اعتبار سے بھی خالصتاً یہ دینی کتاب ہے کہ اس میں دنیا شامل ہی نہیں "تجلّی" ایک ایسی کتاب ہے جو مروّجہ اصولوں سے ہٹ کر بغیر کسی تمہید، تقریظ، مقدمہ یا دیباچہ کے اچانک شروع ہو جاتی ہے۔ حسین سحر نے اس تکلّف سے خود کو یکسر پاک رکھا ہے۔ نہ اپنے متعلق خود کچھ لکھا نہ کسی دوسرے سے لکھوایا حتیٰ کہ اپنا بایوڈیٹا تک پیش نہیں کیا۔ دراصل اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ حسین سحر دنیائے ادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اب انہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ ان کی یہ خود اعتمادی مجھے بہت اچھی لگی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اسے جمع کیا اور قارئین کے سامنے کے سامنے پیش کر دیا۔ مقدمے اور تقریظ اپنی بہت سی خوبیوں کے باوجود ایک کمزور پہلو بھی رکھتے ہیں۔ قاری کو دوسروں کی رائے کی روشنی میں مطالعہ کی پیشکش زبردستی کلام اور صاحب کلام کی تعریف و توصیف پر اکسانے اور مجبور کرنے کا عمل ہے جو میری رائے میں کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

حسین سحر کی "تجلّی" آنے والی کتابوں کے مصنفین کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے اگر لوگ اس اقدام کو مستحسن قرار دینے کی جرأت کر سکیں۔

حسین سحر تدریسی شعبہ سے وابستگی کے سبب ایک معتبر صاحب علم اور ادیب و شاعر ہیں۔ ان کو زبان اور بیان پر قدرت بھی ہے اور اعتماد بھی۔ عقیدت کا حسن اس پر مستزاد ہے۔ اللہ کریم ان کے ذہن کو مزید رسا اور ان کے قلم کو اور رواں کرے۔ آمین

ناشر : کتاب نگر آرکیڈ ملتان کینٹ

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

احترام / کالی داس گپتا رضا

کالی داس گپتا رضا کی یہ تصنیف صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جو بھارت کے شہر ممبئی سے شائع ہو کر پاکستان تک پہنچی۔ اس کتاب میں چند رباعیاں، کچھ قطعات اور چند نعتیں شامل ہیں جو سب کی سب انتہائے عقیدت کا مظہر ہیں اور شاعر کی پختہ گوئی کی اچھی دلیل بھی فراہم کرتی ہیں۔ بقول مصنف اس کتاب کا بہت سا کلام ان کی کتاب "اُجالے" میں جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی چھپ چکا ہے۔ اس اعتبار سے "احترام" کو باب رسالت کا دوسرا ایڈیشن سمجھنا چاہئے جو کچھ اضافوں کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

بڑی حیرت اور مسرت کی بات ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے غیر مسلموں نے جس میں کثیر تعداد اہل ہنود کی ہے آقائے دوجہاں کی خدمت میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ہندو شعراء نے اتنی نعتیں کہیں ہیں کہ اب تک نہ جانے کتنے گلدستے مرتب ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے مگر یہ امر اس طرح حیرت کا نہیں رہتا کہ جس ذات بابرکات کی مدحت سرائی میں اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی

حصہ لیا وہ ذات ہے ہی اتنی ارفع و اعلیٰ اور عظیم و مکرم کہ اس کی مدح و ثنا کرنے میں اپنے پرائے سب شریک ہیں۔ کالی داس گپتا رضا بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے قلب کو نور رسالتؐ سے روشنی نصیب ہوئی۔ انھوں نے حالانکہ حضور علیہ السلام کو نہ اپنا ہادی مانا اور نہ ان کی پیروی کی۔ نہ اسلام کی آغوش میں پناہ لی مگر حضور اقدس علیہ السلام کے کردار اور شخصیت اُن کے اسوہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو اس طرح تسلیم کیا۔

نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ دعا آتی ہے   میرے ہونٹوں سے مگر حق کی صدا آتی ہے

حق کی یہی صدا اپنوں سے لے کر غیروں تک کے دلوں کو جگمگا گئی اور حضور علیہ السلام اسلام ہی کے نہیں انسانیت کے رہبر و رہنما ٹھہرے۔

پبلشر: ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، جولی بھون نمبر ا، ۱۰ امیرین لائنز ممبئی ۴۰۰۰۲۰

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

یہ تو کرم ہے ان کا ورنہ / کوثر بریلوی

کوثر بریلوی کا مجموعۂ نعت میرے پیش نظر ہے۔ اسے حرا فاؤنڈیشن پاکستان نے بڑی خوبی و خوشنمائی کے ساتھ شائع کیا ہے گویا یہ مجموعہ معنوی حیثیت کے ساتھ ساتھ صوری حیثیت سے بھی قابل توجہ اور لائق تحسین ہے۔

کتاب خدائے بزرگ و برتر کی تعریف (حمد) سے شروع ہوتی ہے اور نعتوں کے ایک اچھے خاصے ذخیرے کے بعد کچھ منقبتوں پر ختم ہوتی ہے۔

کوثر بریلوی صاحب ایمان شخصیت ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ شریعت اور طریقت ایک جگہ جمع ہو جائیں تو مسلمان مومن کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ ان سب عوامل کی روشنی ان کے کلام کے حرف حرف سے جھلکتی ہے۔

نعت گوئی عقیدت بھی ہے اور فن بھی۔ بغیر اس سعادت کے نہ نعت کہی جا سکتی ہے نہ سمجھی جا سکتی ہے بلکہ یہ وہ شرط اولیٰ ہے جس کے بغیر نعت گوئی ممکن ہی نہیں۔ جہاں تک عقیدت کا معاملہ ہے وہ کوثر بریلوی کے جسم و جان کا معاملہ ہے۔ رہ گئی فن کی بات تو اس کے لئے علم، معلومات، زبان دانی، اظہار بیان کی قوت، اسلوب، لفظی در وبست جیسے اہم عوامل کی ضرورت ہے۔ جس کے نتیجے میں تاثیر اپنا جادو جگاتی ہیں اور دل سے نکلی ہوئی بات دلوں تک پہنچتی ہے۔ انھیں عوامل کی کمی بیشی یا پنچ اونچ کلام کو مؤثر یا غیر مؤثر بناتی ہے اور اسی طریق کار کی روشنی میں کلام اور صاحب کلام کی سطح اور حیثیت متعین کی جاتی ہے۔

عقیدت کے اعتبار سے تو کوثر بریلوی پاکیزہ طبع اور راہ مستقیم کے راہی ہیں۔ اب رہ گئی دوسری

شرط تو اس اعتبار سے بھی کوثر صاحب نے کبھی اپنے قاری کو مایوس نہیں کیا۔ کوثر بریلوی کا شعری سفر معتبر سفر ہے۔ ان کی نعتوں میں بڑی خوبی و دلآویزی ہے۔ ان کے دل سے نکلی ہوئی بیساختہ بات سیدھی دلوں کو کیفیت سے سرشار کرتی ہے مگر یہ عقیدت منقبت تک آتے آتے بہت عام ڈگر پر آنکلتی ہے اور عام اہل طریقت کی طرح انتہا پسندی تک جا پہنچتی ہے۔ بزرگان دین کا ذکر دیبان بڑی عقیدتوں اور بہت محبتوں کا معاملہ ہے مگر اس سلسلے میں ایسا مبالغہ جو احتیاط کی حدود کو پھلانگ جائے کسی طرح مناسب نہیں۔ اللہ والے اللہ کے بندے ہیں ان سے ایسی کرامات منسوب کرنا جو صرف اللہ کا منصب ہے شدید ترین اور خطرناک مبالغہ ہے۔ اللہ ہم سب کو اس بے احتیاطی سے محفوظ رکھے۔

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

روح عالم / یوسف طاہر قریشی

روح عالم یوسف طاہر قریشی کی غیر منقوط نعتوں کی بے مثل کتاب ہے۔ قدرت کلام کی ایک ایسی مثال جس کی مثال دشوار اور جس کی نقل محال ہے۔ اس قسم کی کاوش سے حالانکہ لکھنے والا اپنی صلاحیتوں کے اظہار اور اپنے کمال فن کی نمائش کرتا ہے مگر فن بہر صورت فن ہے۔ خود پر شدید قسم کی پابندی لگا کر فن برتنا کار دشوار سہی مگر ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو خود کو اس قسم کے شکنجوں میں کس کر طبیعت کی جولانی اور قلم کی روانی کا کمال دکھاتے ہیں۔ طاہر قریشی کی یہ کوشش اس اعتبار سے کامیاب کہی جا سکتی ہے کہ ان کے بیشتر اشعار صاف 'رواں اور معیاری ہیں۔ مسئلے کی دشواری کے اعتبار سے کچھ بھرتی کا کلام بھی سامنے آتا ہے مگر وہ اس اعتبار سے گوارا کیا جا سکتا ہے بلکہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا تعلق مدحت سرکار علیہ السلام سے ہے اس لئے لفظ و بیان کی کوتاہیوں سے قطع نظر اسے صرف اچھا ہی کہا جا سکتا ہے اور اچھا ہی کہنا چاہئے۔

ناشر : نعت اکادمی۔ فیصل آباد۔

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

گلبن۔ نعت نمبر

احمد آباد ہندوستان سے شائع ہونے والا دوماہی "گلبن" اپنی اشاعت کے بائیسویں سال کے شمارہ نمبر ۱۔ ۲ یعنی جنوری تا اپریل ۱۹۹۹ء میں مختلف سج دھج سے نعت نمبر کے روپ میں جلوہ افروز ہوا ہے۔ ثریا ہاشمی کی زیر ادارت شائع ہونے والا یہ دوماہی رسالہ مستقل اہم ادبی خدمات میں مصروف ہے۔ زیر نظر

رسالہ اپنے ادارتی نوٹ کے مطابق چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ نثر ہے جس میں ملک حمزہ پوری ظہیر غازی پوری ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور ظفر ہاشمی (جمشید پور) کے مختلف مضامین ہیں جو منصوبہ بندی کی تحت کم اور قلم برداشتہ زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔

دوسرے حصے میں اردو شاعری کی تاریخ سے چند نعتیں شامل اشاعت ہیں۔ یہ مختلف ادوار سے نمونتاً لی ہوئی نعتیں ہیں جنہیں بقول مدیر قطعی طور پر انتخاب نہ سمجھا جائے۔ ان نعتوں میں ملا وجہی محمد قلی قطب شاہ اور ملا نصرتی سے لیکر امیر مینائی محسن کاکوروی سے ہوتے ہوئے اطہر نفیس اور ظہور نظر تک کل ۲۴ نعتیں ہیں۔

تیسرے حصے میں عصری شعراء کی بقول مدیر غیر مطبوعہ نعتیں ہیں جن کی کل تعداد ایک سو پانچ (۱۰۵) ہے۔ جس میں (۷۱) شعراء کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ (۳۲) شعراء کا تعلق پاکستان سے ہے جبکہ ایک شاعر انگلستان سے یعنی ساحر شیوی اور دوسرے جرمنی سے ہیں حیدر قریشی۔ آخری یعنی چوتھے حصے کی تخصیص سوائے فہرست کے اور کہیں نہیں ہے جس سے کل پندرہ نعتیں ہیں جن کے آٹھ شعراء کا تعلق ہندوستان سے چھ کا تعلق پاکستان سے ہے اور ایک شاعرہ رشیدہ عیاں کا تعلق نیو جرسی امریکہ سے ہے۔ عصری نعتوں کے ان حصوں میں بے شمار نام ایسے ہیں جو نا آشنا سے ہیں اور وہ حضرات نعتوں میں بھی نا آشنا ہی نظر آتے ہیں جبکہ بہت سے اہم شعراء کی شمولیت کی کمی اس نعت نمبر میں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

عصری شعراء کے ان حصوں میں ہر نعت کے اوپر شاعر کا نام اور بیشتر شعراء کی پیدائش اور پتہ بھی درج کیا گیا ہے۔ جو ایک کار آمد کوشش ہے بہر حال احمد آباد (انڈیا) سے اردو زبان میں اس نعت نمبر کی اشاعت قابل مبارکباد کام ہے اور سید ظفر ہاشمی اور ثریا ہاشمی اس کے لئے واقعی دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

کاسۂ ہلال / ہلال جعفری

ہلال جعفری نعت کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ اب تک زیر نظر کتاب کے علاوہ "جانِ رحمت" "معراج مصطفیٰ" "طلوع سحر" اور "ہلالِ حرم" کے نام سے چار مجموعہ ہائے نعت سے اردو کو سرفراز کر چکے ہیں۔ یہ مجموعہ بنام "کاسۂ ہلال" نعتیہ قطعات پر مشتمل ہے جس میں ۴ حمدیہ قطعات ایک نعتیہ آزاد نظم ۱۹۴ نعتیہ قطعات کے علاوہ ۱۱ قطعات منقبت برائے حضرت علیؑ گیارہ ہی قطعات منقبت حضرت حسینؓ اور دو قطعات حضرت فاطمہؓ کی شان میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یوں یہ گلدستہ نعت کل ۲۲۲

قطعات پر مشتمل ہے۔

ہلال جعفری نعت کے قارئین کے لئے خاصا معروف اور جانا پہچانا نام ہے۔ نصف صدی سے نعت گوئی اور منقبت نویسی ہی ہلال جعفری کا مقصد اعلیٰ رہا ہے۔ چونکہ کاتب تقدیر نے انہیں غموں سے زیادہ آشنا رکھا ہے اس لئے قدرتی طور پر لہجے میں سوز' سوچوں میں کرب اور دیدۂ نم کی کار فرمائی نعتوں میں جگہ جگہ موجود ہے۔ مضامین اور انداز بیان کے اعتبار سے ہم ہلال جعفری کے نعتیہ قطعات کو بھر پور روایتی رنگ میں ڈوبے ہوئے قطعات کہہ سکتے ہیں۔ البتہ حضرت حسانؓ کے لئے صفحہ نمبر ۸۷ پر موجود قطعے میں مقدرؔ کا سکندر کی تمثیل کچھ غیر مناسب محسوس ہوئی۔

ہلال صاحب نے اس مجموعے میں ۱۵ قطعات ایسے بھی شامل کئے ہیں جن کی ردیف ساقی ہے۔ ان قطعات میں جو نعتیہ حصے میں شامل ہیں ایک جگہ ساقی سے اللہ تعالیٰ مراد لیا گیا ہے جبکہ ایک قطعہ غزلیہ انداز میں ہے اسے کسی طرح نعت سے منسلک نہیں کیا جاسکتا جبکہ باقی ۱۳ قطعات میں ساقی حضور پاک ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

مجموعہ کی ابتداء میں شاعر کی طرف سے "حرف گفتنی" قابل غور ہے۔ خاص طور پر نعتوں کے حوالے سے کچھ اموات کا ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بعد ڈاکٹر عاصی کرنالی اور ڈاکٹر اسد ادیب کی تقریظات شاعر کا خوبصورت تعارف ہیں۔ آخر میں ایاز صدیقی کا قطعہ تعریف اور شاعر کا حرف معذرت کتاب کے لازمی اجزاء کی صورت سامنے آتے ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۹۹۸ء اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں قطعات نعت کے حوالے سے کئی کتابیں شائع ہوئیں جن میں راجا رشید محمود کی "قطعات نعت" راقم الحروف کی "مُرسَل و مُرسِل" اور زیر نظر کتاب کاسۂ ہلال نمایاں ہیں اور کاسۂ ہلال کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے کہ شاعر کی تحریر کے مطابق اسے ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آنا تھا لیکن حالات کی ناسازگاری کے سبب تاخیر ہوگئی۔

کتاب بزم شعر و ادب اسلام آباد نے خوبصورت انداز سے شائع کی ہے اور اس کی قیمت سو روپے بھی ضخامت کے اعتبار سے مناسب ہے۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

خطوط

پروفیسر جگن ناتھ آزاد (نئی دہلی۔ بھارت)

"نعت رنگ" کی جو جلدیں مجھے موصول ہوئیں ہیں انہیں تو میں انسائیکلوپیڈیا کہہ سکتا ہوں۔ سردست تو نعت رنگ کے لیے اپنی ایک غیر مطبوعہ نظم "محفل نعت میں ایک رات" آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ مناسب سمجھیں تو اسے کسی شمارے میں شامل فرمالیں ذرا طبیعت سنبھل جائے تو میں آپ کو اپنا اور غیر مطبوعہ نعتیہ کلام بھی بھیجوں گا۔ اگر فرصت مل گئی تو علامہ اقبال کی نعت گوئی پر ایک مضمون بھی۔

اس وقت اسلام اور اسلامیات کے تعلق سے میرے غیر مطبوعہ کلام کا مجموعہ زیر کتابت ہے اس میں حمدیہ کلام بھی ہے نعتیہ بھی اور منقبت بھی۔ اسلامیات کے تعلق سے دوسری نظمیں بھی مثلاً دہلی کی جامع مسجد اور بھارت اور بھارت کے مسلمان وغیرہ اس میں سے نعتیہ کلام نکال کر آپ کو بھیجوں گا۔

نعت رنگ نمبر ۶ میں علامہ اقبال کی نظم ذوق و شوق کا ذکر دیکھا میں بھی اسے نعت ہی کہتا ہوں حمد نہیں کہتا۔ پروفیسر عبدالمغنی کے ساتھ اس موضوع پر دوایک بار گفتگو بھی ہو چکی ہے لیکن وہ بضد ہیں اور مصر بھی کہ یہ نعت نہیں حمد ہے۔ اس بارے میں اپنی رائے (یا ناقص رائے) تفصیل سے لکھ کر بھیجوں گا۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

نعت رنگ کے چھٹے شمارے کی اشاعت میں شاید کچھ تاخیر ہوئی' لاہور سے محترم پیرزادہ اقبال احمد صاحب' فاروقی نے اپنے مکتوب میں مجھے تحریر فرمایا کہ آپ سے دریافت کروں اور انہیں آپ کے جواب سے آگاہ کروں' یوں یہ واضح ہو گیا کہ اہل محبت آپ کے "نعت رنگ" کا انتظار کرنے لگے ہیں۔ یہ آپ کی محبتوں اور محنتوں کی کامیابی ہے۔ اللہ کریم جل شانہ آپ کے صدق و اخلاص میں برکت فرمائے اور ہر تصنع و ریا سے بچائے رکھے۔ آمین

ان دنوں یہ فقیر اپنے والد گرامی حضرت مجدد مسلک اہل سنت' عاشق رسول' محب صحابہ و آل بتول' خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمتہ الباری کے پندرھویں سالانہ عرس مبارک کے انتظامات میں مشغول ہے۔ اس لئے آپ کا نعت رنگ تمام تر نہیں دیکھ سکا اور آپ نے خود اس مرتبہ شمارہ بھجوایا بھی نہیں۔ اخبار میں اس کی اشاعت کی خبر دیکھی' آپ نے بروشر بھیجا تو خیال ہوا کہ پانچ شمارے مفت ملے' چھٹا شمارہ مجھے خریدنا چاہئے چنانچہ فضلی سنز سے حاصل کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ بھجوانا چاہتے ہوں تاہم مجھے کچھ رقم دے کر آپ کی یہ کاوش حاصل کرنا گراں نہیں گذرا۔ سرورق عمدہ ہے۔ پہلی نثری تحریر جناب سید ابوالخیر کشفی کی ہے جس کا عنوان "نعت کے موضوعات" ہے۔ پہلا جملہ ص ۱۳ پر اس تحریر میں جو کشفی

صاحب کے ایک خیال کی تقویت کا باعث ہوا' اچھی فکر کی بنیاد میں معاون ہے۔ جملہ یوں ہے کہ "جب کوئی شعر اپنے موضوع اور مخاطب سے بڑا ہو تو اس کا مصداق سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بن جاتے ہیں" دوسرا جملہ ص ۱۴ پر ہے "کوئی لفظ ان (ﷺ) کی ذات و صفات کا بار اٹھانے کے قابل معلوم نہیں ہوتا۔" ص ۱۵ پر حرم کو شاید کتابت کی غلطی سے "حرام" لکھ دیا گیا (مسلم شریف کی روایت کے حوالے سے) مثبت اور ادب والی سوچ کے حوالے سے اسی صفحے پر یہ جملہ بھی شمار کیا کہ "انہوں نے گرمی کی شدت کا علاقہ مدینے کی کھجوروں کی شیرینی سے قائم کیا ہے" ص ۱۷ پر جبل احد کا تذکرہ ہے۔ مجھے یاد آیا کہ مکہ مکرمہ میں فاروق احمد چشتی صاحب سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی' آٹھ نو برس پہلے کی بات ہے' وہ ان دنوں بینک الجزیرہ میں تھے۔ سنا ہے کہ اب ملتان میں نیشنل بینک سے وابستہ ہیں۔ جبل احد کے حوالے سے ان کی بات اچھی لگی تھی اس لئے تذکرہ کر رہا ہوں۔ رحمت للعالمین آقا ﷺ نے جبل احد پر قدم رنجہ فرمایا' اسے اپنی محبت کی سند عطا فرمائی تو یہ جبل احد سینہ تانے اور بازو پھیلائے کھڑا ہے کہ دجال کو میں اپنے محبوب کریم ﷺ کے شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ محبت والے یوں بھی سوچتے ہیں۔ ص ۱۸ پر حدیث قدسی ان الفاظ میں ہے "لولاک لما خلقت الربعیہ"۔ یہ حدیث قدسی مجھے یاد ہے' یوں ہے "لولاک لما اظہرت الربوبیہ" تفسیر عزیزی (فتح العزیز) میں میں نے یہ حدیث قدسی پڑھی تھی۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی صفات ہرگز مخلوق نہیں۔ رب ہونا اس کی صفت ہے اس لئے کشفی صاحب کا یہ جملہ صحیح نہیں کہ "آپ کی خاطر یہ ربوبیت پیدا کی گئی" (ص ۱۸) یہ جملہ یوں صحیح ہوگا کہ آپ کی خاطر ربوبیت ظاہر ہوئی۔ ص ۱۹ پر کشفی صاحب لکھتے ہیں "الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں" اور اسی صفحے پر انہوں نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی نعت شریف کے ایک شعر کا پہلا مصرع لکھا "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" اس حوالے سے کشفی صاحب لکھتے ہیں "جب مالک کا لفظ لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں (ہے) تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی' شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے اور ان عظمتوں کا علم قرآن پاک و احادیث ختم الرسل (ﷺ) سے ہوتا ہے" کشفی صاحب نے خود فرمایا کہ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں اور پھر اس مصرع میں اپنی ہی رائے فراموش کرتے ہوئے اعتراض فرمایا اگر لفظ "مالک" بعینہ اسی معنی میں اور حقیقی مراد لیا جائے جیسا کہ اللہ کریم کے لئے لیا جاتا ہے تو بلاشبہ اعتراض درست ہوگا مگر کون ہے جو اللہ کریم کے برابر یا اس کے مثال کسی کو گردانتا ہے؟ اسی صفحہ ۱۹ پر پہلی سطر میں کشفی صاحب فرماتے ہیں "رسول اللہ ﷺ مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہے (ہیں) حکم اور امر صرف اللہ کا ہے اور اللہ کے لئے ہے۔" کشفی صاحب کے پیش نظر شاید یہ قرآنی آیت ہوگی ان الحکم الا للہ۔ کشفی صاحب ذرا ماضی کے اس دور پر نظر فرمائیں جب خوارج یہی آیت حضرت سیدنا علی کرم اللہ

وجہ کے رو رو پڑھتے تھے تو مولائے غم گسار حیدر کرار فرماتے "کلمۃ حق ارید بھا باطل" جو بات کہہ رہے ہو وہ حق سچ ہے مگر اس سے جو ثابت کرنا چاہ رہے ہو وہ باطل ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ہر کمال ذاتی، حقیقی، لامتناہی اور غیر فانی یعنی ناقابل فنا ہے اور مخلوق کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا (عطائی) ہے حقیقی نہیں، لامتناہی نہیں۔ حکم اور امر، حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور قرآن کریم ہی کے مطابق یہ مخلوق کو بھی عطا ہوا۔ آیات قرآنی شاہد ہیں۔ آتیناہ حکما و علما۔ (القصص) فوھب لی ربی حکما (الشعراء) رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین (الشعراء)۔ ولوطا آتینہ حکما و علما۔ (الانبیاء) ولا بلغ اشدہ آتینہ حکما وعلما (یوسف)۔ وکلا اتینا حکما و علما (الانبیاء) فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (النساء) واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء) وتدلوا بھا الی الحکام (بقرہ) الیس اللّٰہ باحکم الحاکمین (التین) تلک عشرۃ کاملہ۔ اور امر کے حوالے سے اگر ان الامر کلّہ للّٰہ ۔ بل للہ الامر جمیعا قرآن میں ہے تو یامرون بالمعروف، تامرون بالمعروف، وامر بالعرف، وامر بالمعروف، اتامرون الناس اولی الامر، اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امر، وامرھم شوری بینھم، ویسرلی امری ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ کے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔

ان آیات سے نتیجہ واضح ہے۔ مزید ملاحظہ ہو قرآن کریم میں ہے۔ تبارک الذی بیدہ الملک۔ ولم یکن لہ شریک فی الملک۔ اور یہ بھی آیات قرآن ہیں توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء۔ الم ترا الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک۔ مزید ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے 'ان العزۃ للہ جمیعا۔ اور یہ بھی فرمودہ قرآن ہے و تعزمن تشاء و تذل من تشاء۔ وللہ العزۃ والرسولہ اللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون۔ لفظ خالق پر ملاحظہ ہو: قرآن کریم میں ہے ھل من خالق غیراللہ؟ اور یہ بھی قرآن کریم میں ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر۔ واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر۔ مزید ملاحظہ ہو۔ الذی یحی و یمیت اور یہ بھی ہے واحی الموتی باذن اللہ۔ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔

ان آیات قرآنی سے نسبت حقیقی اور نسبت مجازی واضح ہے۔ کشفی صاحب ہی کا فرمانا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبویؐ سے علم ہوتا ہے اس کے باوجود انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں اس ہستی کے کہے ہوئے شعر پر اعتراض کیا جس کے کلام بلاغت نظام پر قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے والے کسی ثقہ وجید عالم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا پورا شعر ملاحظہ ہو۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

جیسا کہ ص ۱۴ پر ہے کہ کشفی صاحب نے یہ تحریر عجلت میں لکھی' وہ اگلے دن زیارت و عمرہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے' ہو سکتا ہے انہوں نے توجہ نہ فرمائی ہو تاہم میں نے اس لیے یہ مختصر وضاحت تحریر کر دی تاکہ نعت رنگ کے قارئین اور ناقدین ملاحظہ فرمالیں۔ اپنی یادداشت کے حوالے سے مختصراً لکھ رہا ہوں اگر خط کی بجائے کتاب یا مقالے کے طور پر لکھتا تو احادیث ہی نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت سے اختلاف رکھنے والے مکاتب فکر کے علماء کی تحریروں سے بھی اپنے موقف کی تائید پیش کرتا اور مزید تحقیق بھی۔ ص ۲۰ پر کشفی صاحب نے سیدنا جبریل امین علیہ السلام کے بارے میں فرمایا "دربانی تو حضرت جبریلؑ کا کام نہیں تھا۔۔۔۔ تفصیل سے دامن بچاتے ہوئے یہی عرض کروں گا کہ حضرت جبریلؑ بہتر سلوک کے مستحق ہیں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔" کشفی صاحب سے عرض ہے کہ جس ہستی کی برکت سے حضرت جبریلؑ امین روح القدس' روح الامین اور رسول فرشتے ہوئے بلکہ جس کی برکت سے انہیں وجود ملا اس آقا کی بارگاہ کی دربانی کا اعزاز سیدنا جبرئیل امین کی تحقیر یا استخفاف نہیں البتہ شاعروں نے یا لکھنے والوں نے نامناسب لہجے میں کہیں حضرت جبریل امین علیہ السلام کا ذکر کیا ہو تو اس کی تائید نہیں کی جا سکتی۔ ص ۲۱ پر کشفی صاحب نے ان شاعروں کو صحیح تنبیہ کی ہے جو خود کو حسان اور کعب قرار دیتے ہیں۔ کوئی غیر صحابی ہرگز کسی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ فاضل بریلوی نے خود کو "سگ حسان عرب" فرما کر یہی واضح کیا ہے تاہم کشفی صاحب نے "بوصیری' سعدی اور جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں" کے نام تو لکھے (حالانکہ جناب ظفر علی خاں کے متعدد اشعار و اقوال متنازع و معترضہ ہیں) مگر ان ہستیوں کے نام سے اجتناب کیا جو نعت گوئی کے (غیر متنازع) امام شمار ہوتے ہیں۔ کسی صحیح برگزیدہ شخصیت کی عظمت اور صلاحیت و مرتبت کا اقرار و اعتراف خود قدردان کے قد و قامت اور سعادت کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ جو مسلمہ اصول و قواعد کے مطابق نادہند قرار پاتے ہیں اور ان کی تحریریں موجود ہیں کہ شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ گستاخانہ اور اہانت آمیز شمار ہوئی ہیں اس کے بعد ان لوگوں کی مدح و تعریف یا تعظیم کیوں روا سمجھی جاتی ہے؟ کیا حقائق سے چشم پوشی کرنا اور حقائق کو جھٹلانا سود مند ہو سکتا ہے؟ کیا اس طرح حقائق بدل سکتے ہیں؟ جب یہ طے ہے کہ مخلوق میں رسول کریم ﷺ سا کوئی نہیں وہ ہر طرح افضل و اعلیٰ ہیں اور ان کی بارگاہ کے آداب خود ان کے خالق کریم جل شانہ نے تعلیم فرمائے ہیں اور ان کی تعظیم ہر مسلمان پر لازمی ہے' پھر کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ ان کے کسی طرح گستاخ و بے ادب سے کوئی رعایت سوچی جائے خواہ وہ کوئی ہو؟ اس موضوع پر اپنی کتاب "سفید و سیاہ" میں خاصی تفصیل پیش کر چکا ہوں۔ نعت رنگ کو میں متنازع تحریروں کا مرقع نہیں دیکھنا چاہتا ورنہ گنجائش بہت ہے۔ آپ سے یہی گذارش ہے کہ اسے خالص علمی وادبی

مر قع رکھیے اور ان تنقیدی مباحث کو بھی رلو نہ دیجیے جو دل آزاری اور ایمانی غیرت کو للکار نے کا باعث ہوں۔
آزادی فکر و خیال کا وہ مفہوم جو مغربی مفکروں نے متعارف کروایا ہے وہ عقل سلیم اور بندۂ مومن کے ایمان کے لیے قابل قبول نہیں۔ اگر کوئی محض اپنی بنیاد پر اپنے علم و فہم کو حجت سمجھتا ہے اور اپنی بات اور رائے کو ہر طرح وقیع سمجھتا ہے تو اہل ایمان بھی حقائق کے مطابق اپنے نظریات کے منافی و متضاد قول و فعل کو کسی خاطر میں نہ لانے کا پورا حق رکھتے ہیں اور اس باطل کے رد میں حق جانب ہیں۔ پورے وثوق سے وہی بات کہی لکھی جانی چاہیے جو درست اور قطعی دلائل سے ثابت ہو۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ بیش تر تحریریں تعصب سے خالی نہیں ہوتیں مگر کسی سے وہ تعصب جو الحب لله وللرسول والبغض لله وللرسول کی بنیاد پر ہو' روا مانا سمجھا جاتا ہے' جو محض سچائی اور حقائق کی بنیاد پر ہو وہ گوارا ہوتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خود ساختہ عقیدے نہیں رکھتے نہ ہی رکھ سکتے ہیں' انہیں "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کہنے سے پہلے یہ کہنا پڑتا ہے کہ "لا یمکن الثناء کما کان حقہ" ان کے بارے میں آزادی فکر نہیں پابندی فکر ضروری ہے اور پابندی بھی قرآن و احادیث کے مطابق ضروری ہے اور قرآن و احادیث کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے یا شرح و تفسیر کرتے ہوئے محض اپنی رائے سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

ص ۱۶' نعت رنگ شمارہ ۶ پر جناب سید ابو الخیر کشفی کی تحریر میں ہے کہ "مدینہ سے اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے اردو نعت گو نے یہ بات بھی اپنے اوپر واجب کر لی ہے کہ مدینہ کا تقابل جنت سے کیا جائے اور جنت کا ذکر تحقیر سے کیا جائے اور حشر سے پہلے اور حشر کے بعد جنت کی جگہ مدینہ میں قیام پر زور دیا جائے۔ ان اللہ کے بندوں سے پوچھیے کہ جب جنتیوں کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ہوں گے تو مدینہ ہمارے لیے کیا ہوگا۔ جنت کا یہ استخفاف قرآن ناشناسی بلکہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ اور سستی جذباتیت ہے۔"

کشفی صاحب نے "سستی جذباتیت" کے الفاظ استعمال فرمائے جو "پھبتی" لگے۔ جو شعراء تقابل کرتے ہیں ان کی بات نہیں کرتا۔ عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ صرف اردو شعراء ہی نہیں عربی اور فارسی کے شعراء نے بھی مدینہ منورہ کو دیار حبیب کی وجہ سے بہت عقیدت سے منظوم کیا ہے۔ ہمیں مکہ مکرمہ بھی پیارا ہے کہ وانت حل بهذا البلد (القرآن) فرما کر اللہ کریم نے نسبت محبوب ہی کی وجہ سے اس کی قسم یاد فرمائی اور ہمارے محبوب کریم ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ محبوب تھا جہاں تک بات ہے جنت اور مدینہ منورہ کی تو برہان پور بھارت کے جناب عبدالباقی اشرفی نے کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں یہ شعر سنایا تھا' اچھا لگا۔

مدینہ جس نے دیکھا ہے وہ جب جائے گا جنت میں
کہے گا یہ جگہ دیکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے

جنت کی فضیلت میں شبہ نہیں اور اس کا استخفاف درست نہیں اس بارے میں اہل علم کوئی اور رائے نہیں رکھتے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس سرزمین پر مدینہ طیبہ اہل ایمان کے لیے جنت ہے جیسا کہ فارسی مشہور شعر ہے۔اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است ـــــ

وادیٔ کشمیر کو جنت نظیر کہتے ہوئے اگر یہ شعر اس کے لئے ہے تو یہاں کشفی صاحب ہی کا بیان کیا ہوا وہ جملہ دہراؤں گا کہ "جب کوئی شعر اپنے موضوع اور مخاطب سے بڑا ہو تو ـــــ" کشفی صاحب نے فضائل مدینہ کے موضوع پر کتب دیکھی ہوں گی اور یہ دعا بھی کتب احادیث کے حوالے سے دیکھی ہو گی اللھم حبب الینا المدینة کجنا مکة او اشدحبا۔ اس لئے محبت مدینہ کے حوالے سے جذباتیت کو سستی (گھٹیا یا کمتر) کہنا درست نہیں البتہ جنت کا استخفاف روا نہیں۔ حدیث شریف میں شہید کے حوالے سے ذکر ہے کہ وہ جنت میں اس مزے اور لذت کے نہ ہونے پر جو اسے راہ خدا میں سر کٹاتے' جان دیتے ہوئے دنیا میں ملی تھی' دنیا میں واپس جانے کی خواہش بیان کرے گا۔ اسے جنت کا استخفاف نہیں سمجھا جا سکتا' اسی طرح ایک مومن عاشقِ رسول ﷺ کو دنیا میں جو راحت مدینہ منورہ میں میسر ہے اس کے باعث وہ (ان دیکھی جنت کی بجائے نظر آتی جنت نگاہ)' مدینہ منورہ سے محبت ظاہر کرتا ہے تو اسے سستی جذباتیت نہ کہا جائے بلکہ اسے اچھے پیرائے میں یہ سمجھایا جائے کہ مدینہ منورہ کی محبت دراصل رسول کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور محشر میں رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ کے اہل ایمان کے ساتھ جنت ہی میں ہوں گے اور آقا کا مدینہ طیبہ جنت میں شامل ہو گا۔ یوں بات بھی ہو جائے گی اور سمجھ بھی آ جائے گی اور نامناسب الفاظ و لہجے کی گنجائش نہیں رہے گی۔

اسی طرح کشفی صاحب ص ۷ ا پر کملی کا تذکرہ کرتے ہوئے نعت گو شاعر کو سمجھا رہے ہیں کہ مزمل و مدثر کے الفاظ کو ان کی وسعت اور معنویت کے ساتھ دیکھو مگر خود یہ الفاظ بھی لکھتے ہیں کہ یہ (کملی) مدثر اور مزمل کے مرتبہ عالی کی ہندی شکل ہے ـــــ وہ چادر جو وحی کے بار گراں کو سہل بنانے کے لئے تھی اس کو بھگتی کا رنگ دے کر یہ عاشقانہ روپ دیا گیا ہے۔ "آگے مزید لکھتے ہیں" معاذ اللہ یہ چادر رسالت کو صوفی کی گلیم یا سادھو کی کملی سمجھتے ہیں۔" کشفی صاحب کو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے جانے کیوں یہ خیال نہیں آیا کہ صوفی اور سادھو میں مناسبت بیان کرنا اور سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک کملی کا بیان اس تناظر میں یوں کرنا بھی تو ادب و تعظیم کے منافی ہے۔ انہیں دوسروں کو ادب سکھاتے ہوئے خود بھی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ وہ اپنے اسی درشت لہجے میں گنبد خضرا کا ذکر بھی کر گئے۔ کشفی صاحب صرف وہی معانی و مفاہیم ہی کیوں معتبر جانتے ہیں جو ان کے علم و مطالعہ میں ہیں؟" اکرام ما نسب بہ" کے تحت انہیں رسول کریم ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر شئے کے بیان میں احتیاط کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے اس بارے میں علمائے اسلام کے ارشادات ملاحظہ نہیں فرمائے اور شاید وہ خود کو ان پابندیوں سے مستثنیٰ خیال

فرماتے ہیں جو دوسروں کے لیے ضروری گردانتے ہیں۔

ص ۶۸ پر جناب رشید وارثی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "بے ہوشی" کے الفاظ ترجمہ میں بیان فرمائے، ص ۶۷ پر "مرض میں مبتلا ہوئے" کے الفاظ تحریر کیے۔ ص ۷۰ پر فرمایا کہ "آپ (ﷺ) کو پسینہ بہت زیادہ آتا تھا۔" ان الفاظ پر وہ توجہ فرمائیں کیا یہ درست ہیں ؟! اسی طرح ہونے چاہئیں یا ــــ ؟

اپنی تحریر کے بامقصد تحریر کے آخر میں وہ فرماتے ہیں "اگرچہ اس مقالے پر اعتراضات کا بھی احتمال ہے لیکن اس بندۂ ناتواں نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے پوری حق گوئی اور خلوص نیت کے ساتھ حقائق کا جرأت مندانہ اظہار کیا ہے۔"

مجھے بہت خوشی ہے کہ نعت شریف کے حوالے سے عمدہ اصلاحی تنقید ہو رہی ہے اور مقصد بھی خوب ہے کہ شرعی تقاضے پورے ہوں۔ ادب کے منافی کچھ نہ ہو، غلطی و کوتاہی کو مان کر اس کا اعادہ نہ کیا جائے اور جو کچھ غلط ہو گیا اس سے توبہ کی جائے۔ مگر محترم وارثی صاحب ان لوگوں کے نام القاب و آداب سے کیوں لیتے ہیں جو اپنی تحریروں کے حوالے سے گستاخی کا سنگین جرم کر چکے یا گستاخوں کی حمایت کا جرم کر رہے ہیں یا گستاخوں کے لیے شرعی احکام صرف اس لیے نہیں مان رہے کہ شخصی و گروہی مفاد و لحاظ اہم ہے ؟ وارثی صاحب نے تلمیحات کے حوالے سے بہت سے اشعار نقل فرمائے اور جا اعتراض کیے لیکن آیات و احادیث کے ترجمے نقل کرتے ہوئے انہوں نے اس بنیاد کو ترجیح نہیں دی جو اشعار نقل کرتے ہوئے انکے پیش نظر رہی۔ ص ۵۵ پر انہوں نے وحی اور الہام کا بیان کرتے ہوئے اس آیت "ان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم" (الانعام) کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ جناب جمال پانی پتی کا مضمون بعنوان "نعت گوئی کا تصور انسان" ص ۳۲ سے ص ۳۶ تک نعت رنگ کے شمارہ ۶ میں ہے۔ اس میں "روایتی اسلام، مذہب کے دم چھلے، کٹھ ملاؤں، ملائے مکتبی یا چلتے پھرتے علامہ دہر" کے الفاظ و تراکیب محل نظر ہیں۔ ان کی تحریر میں بہت عمدہ باتیں بھی نظر آئیں اور ایسی بھی دیکھیں کہ تعجب ہوا اور ملال بھی۔ اس حوالے سے ضرور لکھتا مگر مجھے پہلے ہی یہ احساس ہو رہا ہے کہ میرا یہ مکتوب خاصا طویل ہو گیا ہے۔ صورت و حقیقت کی بحث بہت ہو چکی "انا احمد بلا میم" کے حوالے سے صرف اتنی عرض ہے کہ اگر یہ قول حضرت خواجہ رضی الدین محمد الباقی المعروف حضرت خواجہ باقی باللہ نقش بندی سے سند اور صحت کے ساتھ ثابت ہے تو بھی وہ معنی نہیں ہو سکتے جو صاحب مضمون نے ذات اور حقیقت کے حوالے سے نقل فرمائے ہیں۔ اس کی تاویل اگر کی جائے گی تو لفظ "احد" کی بنیاد پر ہو گی۔ حضور اکرم ﷺ مخلوق ہیں اور مخلوق میں احد ہیں یعنی بے مثل و بے مثال، یکتا و یگانہ۔ وہ خود فرماتے ہیں "ایکم مثلی" کون ہے تم میں میری طرح ؟ دوسرے مقام پر فرمایا "لست مثلکم" میں تمہاری طرح، تم جیسا نہیں ہوں۔ سمجھنے کے لیے یہ مثال پی ٹی وی سے بعنوان "بے مثل بشر" فہم القرآن پروگرام میں

برسوں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ چائے پانی اور پتی سے بنتی ہے۔ پانی کی مقدار زیادہ اور پتی کی مقدار کم ہوتی ہے مگر پانی میں تھوڑی سی پتی ملا دیں تو سب سے پہلے نام بدل جاتا ہے پھر رنگ' ذائقہ' مہک' اثر' حیثیت وغیرہ وغیرہ۔ تھوڑی سی پتی ملا دی تو اب اسے پانی نہیں کہتے' چائے کہتے ہیں۔ بلا تشبیہ۔ جس بشر میں اللہ تعالٰی نے نبوت رکھی۔ اسے اب بشر نہیں رسول اللہ کہیں گے۔ جمال صاحب نے بعض جملے بہت خوب ارشاد فرمائے۔ یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وما من دابة فی الارض ولاطائر یطیر بجناحیه الاامم امثالکم (الانعام ۳۸) اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔ مثلیت کا دعوٰی کرنے والے یہ آیت بھی پیش نظر رکھیں' یہ تو نہیں ہو سکتا کہ افتو منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض۔ پورا قرآن ماننا ہو گا۔ اللہ تعالٰی نے جانوروں اور پرندوں کو انسانوں جیسی امتیں فرمایا۔ جو کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کی آیت پڑھ کر بشروں کے مثل یا خود کو بشر مان کر اپنی مثال کہنے پر مصر ہے وہ خود کسی کی مثل ہے یہ نہ بھولے۔ رسول کریم ﷺ کی بشریت کا کون انکار کرتا ہے؟ مگر یاد رہے کہ وہ بے مثل و بے مثال بشر ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جانور ہماری طرح ہیں تو ہم حضور اکرم ﷺ کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن ہی میں اللہ تعالٰی نے فرمایا مثل نوره کمشکوۃ فیھا مصباح۔ اس آیت کے الفاظ کو بنیاد بنا کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا نور چراغ کی طرح ہے' اسی لئے قرآن کریم کے خود سے معنی کرنا یا تفسیر بالرائے کرنا سخت منع ہے اور ایسے کے لیے سخت وعید ہے۔ آج قرآن کا محض عام لغت کی بنیاد پر ہر کسی کے لیے ترجمہ کی راہ کھولنا ایسا سانحہ ہے جس کے نتائج نہایت سنگین ہیں اور تمسخر و تضحیک اور توہین تک بات پہنچ گئی ہے۔ نعت رنگ کی صرف تین تحریروں پر ایک ہی نشست میں میں اتنا لکھ گیا ہوں مجھ سے کوئی سہو ہوا یا کوئی بات غلط لکھ گیا ہوں تو اللہ کریم سے طالب عفو و مغفرت ہوں۔ نعت رنگ کے آخر میں خطوط ہیں۔ پانچواں خط میرا ہے۔ جس میں املا و عبارت کی غلطیاں کمپوزنگ میں ہو گئی ہیں۔ وہ کا لفظ اور لکھا گیا' جھجکے کا لفظ جھجکتے لکھا گیا۔ ص ۲۲۲ کی سطر ۲۲ پر جملہ صحیح یوں ہو گا "اور اہل علم پر زبان اعتراض دراز کرنا ہر گز درست نہیں" مطبوعہ یوں ہے "اور اہل علم پر زبان اعتراض دراز نہیں کرنا ہر گز درست نہیں۔" ص ۲۲۳ پر اصنافی کو "اضافی" کمپوز کر دیا گیا اور جہاں جہاں یہ لفظ آیا وہاں "مِی" کو "فی" کمپوز کر دیا گیا ہے۔ تصحیح کے لیے تذکرہ کر دیا ہے۔

جناب احمد صغیر صدیقی نے میری اسی مذکورہ تحریر میں وہ آیات ملاحظہ نہیں فرمائیں جو میں نے درج کر دی تھیں۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو انشاءاللہ پیش کر دوں گا۔ ان سے عرض ہے کہ صحیح مبالغہ سے مراد جائز مبالغہ ہے۔ جناب سہیل احمد صدیقی نے اپنے مکتوب میں میری بابت تحریر فرمایا کہ انہیں مجھ سے اس قدر نامکمل جواب کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ میں نے جواب نہیں لکھا تھا' کسی تحریر کے حوالے سے اشارہ کرتے ہوئے مختصر وضاحت کی تھی۔ انہوں نے میرے الفاظ پر توجہ نہیں

فرمائی۔ میں نے "خدا" کہنے لکھنے کو غلط یا ناجائز نہیں کہا۔ علاوہ ازیں وہ اسماء حسنیٰ ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کیا "خدا" "اللہ تعالیٰ کا نام ہے ؟ لفظ "خدا" کے استعمال پر وہ ثواب نہیں ہو سکتا جو "اللہ" "(تعالیٰ) کہنے پر ہو گا۔ ص ۳۴۸ پر "بنام خداوند بخشائندہ و مہرباں" لکھنے کے بعد سہیل صاحب نے توسین یعنی بریکٹ میں خود لکھا ہے "(بسم اللہ کا ترجمہ)" ان سے یہی عرض ہے کہ "خدا" کے لفظ کو اللہ کا نام نہیں بلکہ کسی نام کا ترجمہ یا فارسی میں اللہ تعالیٰ کے لیے پکارا جانے والا لفظ کہیں گے تاہم اپنے مکتوب کے آخر میں وہ الجواب کے تحت تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ امید ہے انہیں مجھ سے شکایت نہیں رہی ہو گی۔

اپنے مکتوب کے آخر میں عرض کروں کہ یہ فقیر نہایت گناہ گار ہے اور اپنی ہر تحریر و تقریر میں اپنی تمام کوتاہیوں' غلطیوں کے لیے اللہ کریم سے طالب عفو و مغفرت رہتا ہے۔ وہ دوست جو میری کسی تحریر و تقریر میں کوئی غلطی و کوتاہی دیکھیں مجھے ضرور آگاہ فرمائیں۔ فی الواقع غلطی پر یہ فقیر توبہ و استغفار اختیار کرے گا۔ غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی انشاء اللہ نہیں کرے گا۔

"یہ فقیر اپنا خط مکمل کر چکا تھا' نعت رنگ کی مزید سرسری ورق گردانی کرتے ہوئے جناب عزیز احسن کی تحریر "اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش" میں ص ۱۰۰ پر کچھ جملے نظروں میں اٹک گئے تو یہ اضافہ ضروری ہو گیا' وہ لکھتے ہیں "لفظوں پر انتقاد کے علاوہ خیال کی اصلاح کا بھی حضور نبی کریم علیہ السلام نے ہمیشہ خیال رکھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک جگہ کچھ لڑکیاں دف بجا کر بدر کے کچھ شہداء کی شجاعت بیان کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے کہا "ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ بات مت کہو اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔"

عزیز احسن صاحب تین سطروں کے بعد مزید فرماتے ہیں "ان نظائر کی روشنی میں اس خیال کا تو ابطال از خود ہو جاتا ہے کہ "حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ تنقید مروجہ سے بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔"

محترم صبیح رحمانی صاحب! آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ "نعت رنگ" کے ذریعہ نعتیہ شاعری پر تنقید کے لیے کیا آپ نے کوئی معیار' اسلوب اور شرائط وغیرہ بھی رکھی ہیں یا ہر کوئی اپنی فہم پر انحصار کر کے اپنی بات کو "قول فیصل" ٹھہرائے گا؟ جناب عزیز احسن کو بخاری شریف میں موجود مذکورہ روایت کے نہ جانے کس لفظ سے "خیال کی اصلاح" کا خیال آیا ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنکیر فرمائی کہ وہ کل کو ہونے والی بات کی خبر نہیں دیتے؟ گیت گانے والی لڑکی کو ایک بات نہ کہنے کے لیے فرمانے کی وجہ "خیال کی اصلاح" کیسے سمجھ لی گئی؟ اپنی فہم کو خاطر میں لاتے ہوئے مقام و شان رسول (ﷺ) کا خیال کیوں نہ رہا؟ عزیز احسن صاحب بخاری شریف ہی سے یہ حدیث شریف بھی ملاحظہ فرمائیں "قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و

اہل النار منازلھم حفظ ذالك من حفظ و نسیه من نسیه" اور مسلم شریف میں موجود اس روایت کو بھی ملاحظہ فرمائیں "قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم مقاما ماترك شیایکون فی مقامه ذالك الی قیام الساعة الاحدث به حفظه من حفظه و نسیه من نسیه۔"

بخاری شریف میں موجود حدیث شریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مسلم شریف والی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دونوں روایتوں میں واضح ہے کہ اللہ کی عطا سے جاننے والے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کی ابتداء سے انتہاتک سب خبریں دیں اور جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا۔ مصباح اللغات علمائے دیوبند نے مرتب کی ہے۔ اس میں لفظ "نبی" کے معنی النبی المخبر عن الغیب ہی درج ہیں۔ علمائے دیوبند میں مشہور جناب شبیر احمد عثمانی' آیہٗ قرآنی وما ھو علی الغیب بضنین کے تحت فرماتے ہیں "یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے' ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔"

نعتیہ شاعری پر تنقید ضرور کی جائے مگر علم و فہم میں توازن ضروری ہے اور واضح رہے کہ نبی پاک ﷺ کی ذات و صفات' محامد و محاسن اور ان کے جمال و کمال کے بیان میں قلم و زبان کو حد درجہ احتیاط لازم ہے بلکہ فکر و خیال کو بھی۔ کوشش کی جائے کہ جو بات ہو وہ محض خامہ فرسائی کے شوق کی تکمیل نہ ہو۔ اللہ کریم ہمیں علم نافع اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔ عزیز احسن صاحب اس بارے میں تفصیل جاننا چاہیں تو میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی تصنیف لطیف "ذکر جمیل" ملاحظہ فرمالیں۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

نعت رنگ شمارہ نمبر ۶ کی دو کاپیاں موصول ہوئیں۔ ہدایت کے مطابق ایک کاپی ڈاکٹر طٰہٰ رضوی برق صاحب کو بھیج دی۔ اس شمارے میں استاذ ادب محترم جناب سید ابوالخیر کشفی صاحب کا جو ایک مضمون بعنوان "نعت کے موضوعات" شائع ہوا ہے اس میں انھوں نے ایک واقعی قابل گرفت مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو" کے قبیل میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس مصرع "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" کو بھی قابل گرفت قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں نہ تو کوئی توضیح و تشریح کی ہے نہ ہی لغت و زبان اور قرآن و احادیث کی روشنی میں کوئی تجزیہ! مصرع ثانی جو مطلب صاف کر دیتا ہے اسے بھی لکھنے کی زحمت نہیں کی۔

راقم نے اس کے جواب میں ایک مضمون بعنوان "مصرع رضا اور کشفی صاحب" لکھا ہے جو برائے اشاعت روانہ ہے اور جس کا چھپنا ضروری ہے تاکہ کشفی صاحب کے الزام کی صفائی ہو سکے۔

محبِ محترم! راقم نے بہت شائستگی سے جواب دیا ہے۔ ویسے ایک بات عرض کر رہا ہوں کہ بے شک ادبی و علمی پرچے تنقید و تبصرہ اور بحث کے لئے ضرور ہوتے ہیں لیکن مناظرانہ چپقلش کے لیے نہیں۔ کبھی کبھی ایسے مضامین جن میں میٹھی میٹھی کاٹ اور چبھونے والا طنز پوشیدہ ہو اور ضرب کسی بڑی رگ پر پڑتی ہو تو اس طرح کے مضامین بہت غور و خوض کے بعد شائع ہونے چاہئیں۔

راقم کے مضمون "تقسیم ہند کے بعد مغربی بنگال میں نعت گوئی" کے حوالے سے جناب سہیل احمد صدیقی، کراچی نے نعت میں طنز کی شمولیت کو ممکن نہیں بتایا ہے اور سین ریو کی بابت جو کچھ لکھا ہے اس کا بھی جواب بشکل مضمون بعنوان "نعت میں طنز کی شمولیت" روانہ ہے اس کو بھی چھپنا چاہئے۔ راقم کے دونوں مضامین بہر حال اس لائق ہیں کہ پرچہ میں چھپیں گے تو قارئین کو مایوسی نہیں ہوگی اور نہ ہی انہیں چھاپ کر آپ کو کسی طرح کی خجالت۔

نعت رنگ شمارہ نمبر ۴ میں جناب احمد صغیر صدیقی، کراچی کا جو مکتوب چھپا ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ جو القاب مستعمل ہیں مثلاً مولائے کل، آقائے دو جہاں، سرکار دو عالم وغیرہ! میں ان پر اکثر غور کرتا ہوں، یہ تمام القاب مجھے رحمن و رحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً آقا و مولا تک تو بات ٹھیک ہے لیکن اگر نبی کریم ﷺ کو مولائے کل کہا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے کیا کہیں گے؟ ہمارے سامنے رحمت للعالمین، رسول مقبول، نبی کریم، حبیب خدا وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں۔ بہر حال میری خواہش ہے کہ اس طرف بھی کوئی صاحب علم مضمون نگار توجہ دے تو کیا اچھی بات ہوگی؟ اگر علامہ اقبال اور مولانا حضرات کچھ کہتے ہیں تو اسے سند بنا کر سب کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں! ضرورت اس بات کی ہے کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جائے۔"

(نعت رنگ، شمارہ ۴، ص ۲۱۳)

چونکہ احمد صغیر صاحب لکھ چکے ہیں کہ وہ کسی مولانا کی بات نہیں مانیں گے تو اب یہ پتہ نہیں کہ انہوں نے ۴ اویں اور ۵ اویں صدی ہجری کے مولانا صاحبان کے لئے لکھا ہے یا عہد صحابہ سے لیکر بعد کے ادوار کے تمام مولانا صاحبان بشمول آئمہ مجتہدین، فقہا و علماء وغیرہ۔ لہٰذا راقم کسی بھی مولانا کا قول نہیں پیش کرے گا حالانکہ دین ہم تک انہیں حضرات سے پہنچا ہے۔ تقلید ہمارے لئے لازم ہے لیکن راقم اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں عرض کرے گا۔

راقم احمد صغیر صاحب کے شک و شبہ کو رفع کرنے کے سلسلے میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے وہ کسی صاحب علم مضمون نگار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بے بضاعت انسان! ایک مسلمان اور نبی ذی شان کے ایک امتی ہونے کی حیثیت سے ان کی عظمت کے دفاع اور اختیار و مرتبہ کے اظہار میں۔ بات کوئی بھی کہے اگر وہ دلیل سے ثابت کر دے تو اسے ماننا چاہئے۔ پس یہی حسن ظن رکھتے ہوئے راقم عرض کر رہا ہے۔

جس انسان کے قبضہ واختیار میں کوئی شئے یا ملک ہوتی ہے اسے اس شئے یا ملک کا مالک کہا جاتا ہے۔ جیسے مالک مکان' مالک جائیداد وغیرہ۔ جو شخص کسی کا ملازم یا غلام ہوتا ہے اس شخص کو مالک کہتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کو مالک کہتی ہے۔ بادشاہ یا ملک کے والی و فرمانروا کو ملک' ملک الملوک' مالک الملک وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فقہائے کرام میں ایک فقیہہ۔ امام علاء الدین ابوالعلی لیثی ناصحی رحمتہ اللہ علیہ کا لقب "شاہان شہ ملک الملوک" تھا۔ ان سے استفتاء کرنے والے بھی انہیں "شاہان شہ ملک الملوک" لکھتے تھے اور وہ خود بھی اپنے نام سے پہلے یہ لقب لکھتے تھے۔

صحابہ کرام میں قریب ایک سو دس حضرات کے نام مالک تھے' حضرت امام مالک کا نام بھی مالک تھا اور داروغہ' جنہم کا نام بھی مالک ہے۔ یہ تمام حضرات صرف مالک کہہ کر بھی پکارے جاتے رہے ہوں گے اور آج بھی مالک کہہ کر پکارے جاتے ہیں تو کیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ لے لیا جاتا ہے یا لے لیا جانا چاہیئے؟

دنیا کی ہر شے' زمین کا چپہ چپہ' ذرہ ذرہ اور رشتہ داروں کو عزیز' عزت و وجاہت والوں کو عزیز و عظیم' مہربان انسانوں کو رحیم و کریم' نرم دل والوں کو حلیم' علم والوں کو عالم' فلسفی اور طبیب وغیرہ کو حکیم' فوٹو گرافر اور آرٹسٹ وغیرہ کو مصور' ہر سننے دیکھنے والے کو سامع' سمیع و بصیر وغیرہ!

یہ سارے نام' مالک' ملک' مالک الملک' حاکم' حکیم' عزیز' عظیم' عالم' رحیم' کریم' حلیم' مصور وغیرہ صرف اللہ کے نام معلوم نہیں ہو رہے ہیں بلکہ ہیں۔ یہ نام رب جلیل کے صفاتی اسماء میں ہیں۔ لیکن! ان کا اطلاق غیر اللہ کے لئے ہوتا ہے اور آج تک کسی نے بھی ان پر گرفت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کو مالک کہا ہے:

(۱) "یہ تو ان کے مالک ہیں۔" (پ ۲۳' رکوع ۳)

(۲) "اور پکاریں گے اے مالک" (پ ۲۵' رکوع ۱۳)

اللہ جل مجدہ جو مالک یوم الدین ہے اس نے اپنے محبوب بندوں کو مالک شفاعت بھی کہا ہے:

(۳) "لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے" (مریم: ۸۷)

(۴) "اور یہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں! شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں" (الزخرف: ۸۶)

نمبر ۴ والی آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہ حضرات عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کے لیے ہے یعنی انہیں رب عظیم نے شفاعت کا اختیار دیا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام تو شافع محشر ہیں ہی۔ اس آیت کی رو سے وہ بدرجہ اتم مالک شفاعت ہیں اس لئے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔

ان دو آیات سے محبوبان الٰہی کا شفیع ہونا ثابت ہے۔

حالانکہ یہی اللہ تعالیٰ خود اپنے لیے فرماتا ہے:

(۵) "مالک یوم الدین" (سورہ فاتحہ: ۳) اللہ روز جزا کا مالک ہے۔

(۶) "لمن الملك اليوم" آج کس کی بادشاہی ہے۔ (پ ۲۴: رکوع ۷)

اسی رب العالمین نے خود کو مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ جل مجدہ کے لیے فرمایا "لا ملك الا الله" یعنی بادشاہ کوئی نہیں سوا اللہ تعالیٰ کے (مسلم شریف)

اپنے دور کے علماء میں جو علم و مرتبہ میں بڑا ہوتا ہے اسے لوگ ملک العلماء بھی کہتے ہیں۔ اس طرح تو گویا اسے اللہ اور رسول سے بھی بڑھا دیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔

انصار کرام حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"يا رسول الله! انت والله الا عز العزيز" یا رسول اللہ! اللہ کی قسم حضور ہی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ (بخاری و مسلم) عزیز بھی اللہ کا نام ہے۔ انصار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کو عزیز کہا لیکن حضور علیہ السلام نے اس پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی۔

حکیم بھی اللہ کا ایک نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "میری امت کے حکیم ابو درداء ہیں" (طبرانی فی الاوسط) تو کیا ایسا فرما کر حضور علیہ السلام نے معاذ اللہ حضرت ابو درداء کو اللہ کہہ دیا؟ ہرگز نہیں۔

وفد بنی عامر نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا "انت سيدنا" یعنی حضور ہی سید ہیں (احمد و ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن الشخیر العامری رضی اللہ عنہ سے روایت کی)

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا "السيد الله" یعنی سید تو اللہ ہی ہے۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ حقیقی معنی میں سید یعنی سردار یا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے یہ منع نہیں فرمایا کہ انہیں سید نہ کہا جائے ورنہ وہ خود ہرگز یہ نہ فرماتے "انا سيد ولد ادم" یعنی میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ (مسلم و ابو داؤد)

حضور علیہ السلام نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا "بے شک یہ میرا بیٹا سید ہے۔" (بخاری شریف) سید کا اطلاق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہوا اور ان دونوں بھائیوں کی اولاد رہتی دنیا تک سید کہی جائے گی۔ اس طرح سید اب ایک خاندان، قبیلہ یا برادری سے موسوم ہو گیا۔

خلاصہ کلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے بشر ہونے کی حیثیت سے کچھ حد تک کچھ اختیارات عطا کر رکھے ہیں اسی بناء پر بندہ بھی مالک کہلاتا ہے ورنہ ہر شے اللہ ہی کی ہے وہی مالک حقیقی ہے۔ اسی طرح رب عظیم نے بندوں کو اپنی کچھ صفات بھی عطا کی ہیں مثلاً سننے دیکھنے اور جاننے، حکم دینے، فیصلہ کرنے وغیرہ کی لہذا بندہ بھی بشری حدود میں حاکم، حکم، عالم، حکیم وغیرہ ہے اور سامع و سمیع وبصیر ہے لیکن اللہ اور بندے کے سمع وبصر میں فرق ہے۔ اللہ بغیر جسم اور آلہ کے سنتا، دیکھتا، جانتا ہے اور بندہ اسی کے عطا کردہ جسم، کان، آنکھ اور عقل سے۔

جس لفظ کا جو معنی محاورات میں شائع وذائع ہے اس عرف اور محاورہ کو افادۂ مقاصد میں پورا دخل ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وامر بالعرف" (پ ۹ رکوع ۱۴) اب یہاں ان الفاظ کے عرفی معانی مراد لیے جائیں گے اور انہیں استغراق معنوی ہی پر محمول کیا جائے گا نہ کہ لغوی معنی یا استغراق حقیقی پر۔ لیکن جب ان الفاظ کو لغوی معانی میں استعمال کریں گے یا لکھنے بولنے میں ایسا قرینہ پیدا کر دیں گے کہ یہ استغراق حقیقی پر محمول ہو جائیں تو غیر اللہ کے لیے ان کا اطلاق کفر ہو جائے گا۔ مثلاً مالک حقیقی، حاکم حقیقی، حاکم مطلق، مالک روز جزاء، عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ۔

لہذا مالک، عالم، عزیز، حکیم وغیرہ جو الفاظ بندوں کے لیے کہے گئے ہیں وہ عرفی معانی میں لئے گئے اسی طرح حضور علیہ السلام کے لئے آقائے دو جہاں، مولائے کل، سرکار دو عالم وغیرہ کا استعمال استغراق حقیقی پر محمول نہیں ہوتا۔ یہ سارے القاب رسول کریم ﷺ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تو بہت ہی بلند شان والا ہے۔ وہ تو کل عالم کا بھی خالق ومالک ہے اور مختار عالم یا سرکار دو عالم کا بھی خالق و مالک۔ اصل مختار وسردار و مولا تو وہی ہے۔ اب جس طرح احمد صغیر صاحب کو حضور علیہ السلام کے یہ القاب اللہ تعالیٰ کے معلوم ہوتے ہیں لہذا اس بنا پر حضور علیہ السلام کے لیے یہ القاب نہیں لکھنا یا استعمال کرنا چاہئے تو مالک، حاکم، وغیرہ جن الفاظ کا ذکر ہوا وہ معلوم ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اللہ ہی کے ہیں تو کیا انہیں احمد صغیر صاحب بند کرا دیں گے۔ یا اللہ! اس طرح تو زبان و قلم اور لغت وادب کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

احمد صغیر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہمارے سامنے رحمۃ للعالمین، رسول مقبول، نبی کریم، حبیب خدا وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں۔" لہذا ان کے اسی قول "رحمۃ للعالمین" سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام سرکار دو عالم، آقائے دو جہاں اور مالک کل ہیں۔

اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کے لیے فرمایا "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین" اور ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ عالمین جمع ہے عالم کی لہذا ثابت ہوا کہ ایک سے زیادہ عالم یعنی دو عالم، دو جہاں یا کل مخلوقات الہٰی۔ اللہ رب العالمین ہے یعنی کل عالم یا دونوں جہان کا پروردگار لہذا اللہ عالمین کا رب ہے تو اس کے رسول عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ عالم یا عالمین یا کل مخلوقات الہٰی کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو

حضور علیہ السلام لاجرم سب پر رحمت اور سب یعنی کل مخلوقات الٰہی حضور علیہ السلام کے زیر رحمت اور رحمت میں اللہ کی نعمت بھی شامل ہے اور اگر نعمت کو شامل نہ کریں تب بھی رحمت ہی کافی ہے۔ بہر حال کل مخلوقات الٰہی حضور علیہ السلام کی رحمت کی طالب ہے اور حضور رحمت عطا کرنے والے عطائے الٰہی سے۔

لہذا ظاہر ہوا کہ کل مخلوقات حاجت مند اور رسول اللہ علیہ السلام مالک 'مختار' آقا' سرکار' مولا وغیرہ۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے عالمین یعنی دونوں عالم کے سرکار اور آقا ہیں اور کل کا شمار بھی مخلوقات ہی میں ہے۔ اللہ کل سے ماورا ہے لہذا حضور علیہ السلام مولائے کل بھی ہوئے پس حضور علیہ السلام کو سرکار دو عالم' مولائے کل اور آقائے دو جہاں کہنا درست ہے۔ جب اللہ نے ایسا بے پایاں اختیار اپنے اسی بندے' رسول اعظم اور اپنے حبیب اکبر کو عطا کیا تو پھر کسی کے لیے اعتراض کا کیا محل؟ یہ اعتراض تو اللہ ہی پر ہوگا۔

اب رہی بات اللہ عزوجل کی تو وہ تو سب کے لئے رحمت' رحمۃ للعالمین کے لیے بھی رحمت اور تو رحمٰن ہے اور جس طرح کسی بندے کو اللہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح رحمٰن بھی نہیں کہہ سکتے۔ الوہیت اور رحمانیت اسی کے لئے ہے۔ وہی معبود ہے' مالک حقیقی' اس کی شان تو انسانی عقل و فہم سے ورا ہے۔ اللہ نے اپنے بندے' رسول اور حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤف و رحیم بھی کہا" حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم" لیکن رحمٰن نہیں کہا۔

لہذا اسی "رحمۃ للعالمین" سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آقائے دو دو جہاں' مولائے کل' مختار دو عالم' سرکار دو عالم' سید الکونین والثقلین ہیں اور ان القاب سے انہیں یاد کرنا اللہ کی الوہیت یا حقیقی مالکیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ سرکار علیہ السلام کا ان سے اللہ ہو نایا بنادیا جانا ثابت ہوتا ہے۔

قرآن واحادیث کے بہت سے حوالوں اور دلائل سے سرکار علیہ السلام کے لیے ان القاب کا استعمال ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن مزید بحث کی ضرورت نہیں!! اگر دیوبندی اثر کر جائیں تو طوفان نوح لانے سے اشک کو کیا فائدہ؟

احمد صغیر صاحب مولانا صاحبان کی اسناد کے قائل نہیں ہیں حالانکہ جیسا راقم نے ابتداء میں عرض کر دیا ہے کہ مولانا تو صحابہ کرام بھی تھے اور بعد کے علماء' آئمہ' صلحاء وغیرہ اور خود سب سے بڑے مولانا اور علامہ سرکار علیہ السلام' اور سرکار علیہ السلام اور ان کے نائبین۔ صحابہ' تابعین' تبع تابعین' آئمہ مجتہدین' صلحاء' فقہاء اور علماء' محدثین' مفسرین وغیرہ سے ہی دین ملا ہے اور دین کی سمجھ!

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جانا چاہیے تو کیا مولانا والے حوالوں یعنی قرآن واحادیث یا بزرگان دین کی تشریحات و توضیحات کے علاوہ محض لغت وادب سے اور یہ فیصلہ صرف زبان وادب کے محققین کریں گے یا اس طرح کے زبان وادب کے ماہرین جو فقہ' تفسیر'

حدیث، عقائد و کلام اور تمامی علوم دینیہ نقلیہ کے باوصف علوم عقلیہ کے بھی عالم یا اسکالر ہیں۔
محب گرامی محترم رشید وارثی صاحب مدیر جہان رضا لاہور وغیرہ کو بھی خط لکھے ہیں۔ مولائے قدیر آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور نعت کی خوب سے خوب تر خدمت لے۔ آمین

سلطان جمیل نسیم (کراچی)

نعت رنگ کے شمارے ملے۔ گزشتہ دنوں یعنی رمضان المبارک سے چند روز پہلے طبیعت کچھ اس طرح رہی کہ سارا وقت گھر میں اور پڑھنے میں گزرا۔ پھر آپ کا ٹیلی فون آیا۔
سب سے پہلے تو اپنی بات کا جواب سن لیجیے۔ حضرت قبلہ صبا اکبر آبادی پر اب تک جتنے مضامین جناب ابو ظفر صہبا نے تحریر فرمائے ہیں وہ ان کو کتابی صورت میں دینے کے ارادے سے نظر ثانی کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کی فرمائش ان تک پہنچادی ہے کہ صبا صاحب کی غزل میں جو نعتیہ مضامین آگئے ہیں ان پر بھی ایک مضمون تحریر فرمادیں چاہے وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے وعدہ تو کرلیا ہے اب وہ وعدہ میں آپ سے کرتا ہوں کہ جیسے ہی وہ مضمون مجھے مل گیا میں بلا تاخیر آپ تک پہنچادوں گا۔
مولانا الطاف حسین حالی نے شاعروں، خصوصاً غزل گو شاعروں کے لیے جو پند نامہ لکھا ہے یعنی مقدمہ شعر و شاعری۔ اس میں غزل اور مضامین غزل کے بارے میں جو انداز نقد اختیار کیا گیا ہے اس معیار پر خود مولانا حالی کی غزل پوری نہیں اترتی۔ مقدمہ شعر و شاعری کی اہمیت اور قدر و قیمت اپنی جگہ لیکن جذبات و خیالات کا بہاؤ اور تخلیقی جذبہ، تنقید کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن اس کے باوجود تنقید ہی تربیت کا باعث ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے نعت کے موضوعات پر ایک بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے تو میں بالکل ہی متفق ہوں کہ "دوسروں سے الگ اپنی راہ تراشنے کے شوق میں، جدت کے گرداب میں بہت سے شاعر پھنس جاتے ہیں۔ یوں وہ زبان سے غفلت برتتے ہیں اور نئے موضوعات تک رسائی حاصل کرنے کی جگہ اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔"
یہ صرف نعت گو شاعروں کا حال نہیں ہے بلکہ آج کل جو بھی قلم سنبھال کے ادب کے میدان میں اترتا ہے وہ ان ہی مذکورہ سامان حرب سے لیس ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب ملتا ہے "بات سمجھ آرہی ہے نا۔ گویا اصل مقصد بات سمجھ آنا ہی رہ گیا ہے۔ پھر ایسے شاعروں کو جو اپنی راہ تراشنے کے شوق میں جدت کے گرداب میں پھنس جاتے ہوں۔ زبان سے غفلت برتتے ہوں اور اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہوں۔ ہمارے کشفی صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ وہ مطالعہ قرآن و حدیث اور مشاہدہ کائنات کے ذریعہ ہی رسول اکرم ﷺ کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں بار پا سکتے ہیں۔ بھائی ہمارا شاعر تو رسالے کا بھی وہی صفحہ پڑھتا ہے جس پر اس کا کلام بلاغت نظام شائع ہوا ہو۔ اور جو شاعر "پڑھے

لکھے" ہونے کے دعویدار ہیں وہ مشاہدہ کائنات اور مطالعہ قرآن وحدیث کے بجائے دیگر فلسفوں کی کتاب پڑھتے ہیں۔ نعت صرف ضرورتاً کہتے ہیں یعنی ریڈیو ٹی وی کے مشاعروں کے لئے۔

اردو میں جب سے شعر وادب لکھا جارہا ہے اسی وقت سے حمد ونعت بھی کہی جارہی ہے لیکن برکت وتبرک کے لئے۔ اس جذبے سے بلند ہوکر جن شعرائے کرام نے نعت کو ایک صنف سخن کی حیثیت سے اپنایا ان میں حضرات محسن کاکوروی' امیر مینائی' احمد رضا خاں بریلوی کے نام خصوصیت سے لئے جاسکتے ہیں۔ اب رہی بات علامہ اقبال کی' انہوں نے واقعی حمد اور نعت کو ایک نیا رخ دیا ہے اور کشفی صاحب کے مطالعہ پر پوری اترتی ہے۔ یعنی اقبال کے یہاں قرآن وحدیث کا مطالعہ اور کائنات کا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں سے نسبت ہی بڑا بناتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری اسی وجہ سے بلند تر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ اب رہی مولانا الطاف حسین حالی کی نظم "مدوجزر اسلام" تو اس کے ادبی محاسن اپنی جگہ لیکن برادر محترم جمال پانی پتی صاحب نے نہایت پتے کی بات کہی ہے فرماتے ہیں "انہوں نے (مولانا حالی نے) اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثل بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار' خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔"

ہمارے بزرگ جو کچھ لکھ گئے ہیں ہم اس سے ہدایت بھی حاصل کرسکتے ہیں اور عبرت بھی بشرطیکہ دیدۂ بینا رکھتے ہوں۔ آپ شاید میرے اس مشورے پر ہنس دیں لیکن میں اپنے نوجوان اور جدید شعراء کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ جس طرح دنیا کا کوئی بھی فن گانے جانے سے لیکر کرکٹ' فٹبال اور شاعری تک بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لیے وہ جس شعبہ سے بھی متعلق ہوں اس کے بارے میں پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی ہر اہم بات ضرور سیکھیں اور معلوم کریں۔ خاص طور سے نئے شاعروں کو یہ چاہئے کہ وہ مطالعہ اور مشاہدے کے ساتھ ساتھ جو آئمہ فن آج موجود ہیں ان سے بھی رہنمائی حاصل کریں۔ اس لیے کہ شاعری میں مشکل ترین صنف نعت ہے۔ ذرا ڈگمگائے اور گئے۔

پاکستان میں ۱۹۸۰ء کے بعد نعت گوئی کا چلن عام ہوا۔ ریڈیو اور ٹی وی پر نعتیہ مشاعروں کی کثرت دیکھ کر بڑے بڑوں کو راتوں رات مشہور ہوجانے کا راستہ نظر آیا۔ پھر اردو کے ادبی رسائل نے بھی شعراء قدیم کے دواوین کی طرح اپنے وقیع رسائل کی ابتداء حمد ونعت سے کرنے کی بنیاد رکھی۔ یوں رفتہ رفتہ نعت ادب کا حصہ بنتی چلی گئی۔ گزشتہ بیس سال میں جتنے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ بیس برس پہلے شاید اتنی نعتیں بھی شائع نہیں ہوئی ہوں گی۔ نعت گوئی کے سلسلے میں ٹھوس علمی اور ادبی کام کی طرف صاحبان علم کو متوجہ کرنا۔ پھر ان کے کام کو سامنے لانا' یہ بڑا وقت طلب کام تھا۔ جو آپ نہایت عمدگی سے انجام دے رہے ہیں۔ ایک زمانے میں "بگڑا شاعر مرثیہ گو" کا مفروضہ قائم کرلیا گیا تھا اسی طرح نعت اور

نعت خوانی کو بھی محفل میلاد کی ضرورت سمجھا جانے لگا تھا۔

اب آپ جیسے باہمت لوگوں کی وجہ سے نعت محافل میلاد سے نکل کر علم وادب کی انجمن میں آن بیٹھی ہے۔ نعت پر گنا چنا تحقیقی کام تو سامنے آیا ہے لیکن آپ نے "نعت رنگ" کے ذریعہ تنقید کو بھی نعتیہ ادب سے منسلک کرنے کی سعی مبارک کی ہے۔ "نعت رنگ" مستقبل میں تحقیقی کام کرنے والوں کے بہت کام آئے گا۔

حضارت جدید پر حمید نسیم مرحوم کا تجزیہ بھر پور ہے اور قاری کو نظم کے بہت سے مستور معنی کی بھی جھلک دکھاتا ہے۔ افسوس حمید نسیم مرحوم نے لکھنے پڑھنے کی طرف اپنی عمر کے آخری حصہ میں توجہ دی (جوانی، موسیقی اور ضیاء جالندھری کی دوستی میں گزار دی) بہر حال لکھنے پڑھنے کی ابتدا انہوں نے کلام پاک کی تفسیر سے کی۔ اگر وہ اپنی شاعری کی کتابیں شائع کرانے کی طرف توجہ دینے کی بجائے ساتھ ساتھ تنقیدی مطالعہ کی اور کتابیں بھی دے جاتے (سوانح عمری اور اقبال کے علاوہ ان کے دو تنقیدی مجموعے شائع ہو سکے ہیں) یا پھر موسیقی کے بارے میں اپنے علم کے مطابق کوئی کتاب چھوڑ جاتے تو اور نیک نامی حصے میں آتی۔ ویسے حمید نسیم مرحوم نہایت نفیس طبع اور خلیق سیرت آدمی تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ آمین

"قصیدہ مدیح خیر المرسلین کی ایک نادر تضمین" از ڈاکٹر محمد یونس حسنی۔ ایک تاریخی حیثیت کی چیز ہے۔ حضرت محسن کاکوری کا یہ قصیدہ اب مشکل ہی سے دستیاب ہوتا ہے۔ اب تضمین کے ساتھ قصیدہ پڑھنے اور نعت رنگ کے ذریعہ بہت سے ضرورت مندوں کے پاس پہنچ جائے گا۔

عزیز احسن صاحب خوب لکھ رہے ہیں۔ ان سے ایک بار سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اب ان کی جب بھی کوئی تحریر پڑھتا ہوں دوسری بار ملنے کا اشتیاق اور سوا ہو جاتا ہے۔

میرا خط خاصا طویل ہو گیا مگر مشورہ سمجھئے یا شکایت میں لکھے بغیر رہ نہیں سکتا کہ نثر کے لیے جو خط (فونٹ) آپ نے منتخب کیا ہے وہ مناسب ہے لیکن اسی خط میں جب آپ ایک ہی صفحہ پر تین یا چار نعتیں شائع کرتے ہیں وہ بھلی نہیں لگتی ہیں ان کے لئے ذرا جلی فونٹ ہونا چاہیے۔

اب آخر میں ایک بات اور 'محمد صادق قصوری صاحب کے مضمون "سلسلۂ جماعتیہ کے نعت گو شعراء" میں حضرت ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب کا ذکر خیر آگیا ہے۔ میں صرف اتنی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ مغیث صاحب شاعری میں حضرت صبا اکبر آبادی کے شاگرد ہیں جس کا اظہار انہوں نے اپنے مجموعۂ کلام "کفر تمنا" کے انتساب میں بھی کیا ہے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے اور ہمت عطا فرمائے کہ آپ "نعت رنگ" اسی آب و تاب کے ساتھ شائع کر کے ثواب کماتے اور دعائیں لیتے رہیں۔

رشید اختر خاں (بھارت)

گذشتہ سال سمرسٹہ (پنجاب) سے ایک صاحب آئے تھے غالباً نومبر ۹۷ء میں ان کی واپسی ہوئی۔ اپنی واپسی میں انہیں کراچی ہو کر جانا تھا چنانچہ ان کے معرفت کئی عزیزوں اور دوستوں کے نام خطوط کے پیکٹ بھجوائے انہوں نے اپنی معذوری بتاتے ہوئے اتنا ضرور کہا تھا سارے لوگوں کو خطوط پہنچانا تو ممکن نہیں لیکن کسی ایک سنٹرل پوائنٹ پر ضرور پہنچادوں گا جہاں سے سب کو خطوط مل جائیں گے۔ میں نے غنیمت سمجھا کہ ڈاک سے بیشتر خطوط ضائع ہو جاتے ہیں آدمی معقول تھے گرچہ ان کا تعلق شعر و ادب سے نہیں تھا۔ آپ کے نام جو لفافہ تھا اس میں مختلف چیزیں تھیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) نعت رنگ پر اپنے تاثراتی مضامین کا تراشہ جو یہاں کے ہندی اخبار میں بہ زبان ہندی شائع ہوئے

(۲) آپ کے نعتیہ اشعار، جو ہندی رسم الخط میں منتقل کر کے عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر یہاں ہندی اخبار میں شائع کرائے تھے۔

(۳) اپنا مضمون "اردو کی نعتیہ شاعری پر ہندی اثرات" کی زیر عکس کاپی وہ مضمون آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکا ہے۔

(۴) ایک دوسرا مضمون "عہد حاضر کی اردو نعتیہ شاعری" زیر ترتیب کتاب سے ایک اقتباس برائے اشاعت نعت رنگ

(۵) نعت رنگ کے لئے کرشن موہن کی ایک عمدہ نعت۔

آپ کی طرف سے مکمل خاموشی کی وجہ سے میں بالکل مایوس ہو گیا یقیناً یہ ساری چیزیں آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ مجھے اس نقصان کا بے حد افسوس ہے۔ اور وہ سب کچھ دوبارہ جمع و ترتیب کے بعد بھیجنا طویل عمل ہے پھر بھی آپ سے رابطہ کے بعد کوشش کروں گا انشاءاللہ۔

میں آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں لیکن ایک خاص تعلق و نسبت کی بناء پر آپ میرے بڑے قریب ہیں اور یہ عقیدتمندی میری لئے باعث فخر و سعادت ہے۔ اس حقیر کو اردو کی نعتیہ شاعری سے خصوصی دلچسپی تو ہے لیکن نعت کے اشعار کہنے کی صلاحیت و سعادت سے محروم ہوں۔ مدح و مداح رسول ﷺ پر کچھ تحقیقی و تنقیدی کام کر کے ایک وسیلہ ضرور بنانا چاہتا ہوں کہ دربار رسالت ﷺ میں ان خوش نصیب نعت گو شعراء کے ساتھ پچھلی قطار میں شامل ہونے کی سعادت مجھے بھی نصیب ہو جائے۔ عہد حاضر کی اردو نعتیہ شاعری پر ایک طویل و بسیط تنقیدی کام کر رہا ہوں (یہ کام ۱۹۸۸ء میں جدید اردو نعت ایک مطالعہ کے عنوان سے شروع ہوا لیکن کتابت و طباعت کے دشوار گزار مرحلے اور بعض ناگزیر حالات کی بناء پر نا تمام مسودہ محفوظ رکھ دینا پڑا) اب اسی مسودہ کو از سر نو نظر ثانی و اضافہ کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش جاری ہے اور کاوش تو یہ ہے کہ اس طرح کے سابقہ کاموں سے کچھ منفرد انداز کی چیز ہو۔ خاص طور سے عہد بہ عہد اردو نعت گوئی کے تاریخی و تخلیقی سفر میں زمان و مکان کی تبدیلی عصری میلانات اردو

شاعری کے بدلتے مزاج و رجحان اور نت نئے تجربات وسعت فکر کی ہمہ گیری کے ساتھ آج کی نعتیہ شاعری اس دور میں داخل ہوئی کہ اسے عہد نعت قرار دیا جانے لگا ہے۔ مجوزہ کتاب میں ایسے اسباب و عوامل کے ساتھ تخلیقات کے حوالہ سے ایک اہم حصہ شامل ہے۔ موضوع کے تنوع اور وسعت کے لحاظ سے کام پھیلتا جارہا ہے اور اسے سمیٹنا مشکل ہو رہا ہے۔ در فعنالک ذکرک۔ دعا کیجئے یہ اہم کام سرانجام پائے کہ اس خاکسار کی دین و دنیا دونوں سنور جائے۔ اس کے علاوہ موضوع نعت پر کچھ دوسرے عنوان سے بھی کام ہو چکا کچھ تبصرے و مضامین کی شکل میں بھی اور کچھ تحقیقی بھی سید الطائفہ تحقیق نعت سیدی رفیع الدین اشفاق صاحب مدظلہ العالی کی ہدایت پر عہد حاضر کے اہم نعت گو جناب حفیظ تائب صاحب کے تیسرے مجموعہ نعت "وہی یٰسین وہی طٰہٰ" پر ایک تبصرہ تیار ہو چکا ہے ٹائپ ہونے کی دیر ہے۔ رمضان کے بعد یہاں اردو بک ریویو کے ساتھ آپ لوگوں کو بھی ایک کاپی بھیج رہا ہوں انشاء اللہ

میرے ساتھ مشکل یہ ہے کہ نہ تو میں کسی علمی انجمن سے وابستہ ہوں اور نہ ہی کسی تعلیمی ادارے سے۔ حصول معاش کے لئے مرکزی حکومت کے پرویڈنٹ فنڈ ڈپارٹمنٹ میں شعبہ آڈٹ (Audit Account) سے متعلق ہوں جس کا علم و ادب سے کوئی تعلق نہیں اور دفتری مصروفیات بھی بے پناہ ہیں لیکن کچھ تو خاندانی پس منظر اور کچھ قلندر صفت حضرات کی محبت صالح نے دل کی تاریکیوں میں ایک قندیل تو منور کر دی ہے لیکن اس کی لو اتنی مدھم ہے کہ دنیاوی حرص و ہوس کی تیز آندھی اسے گل نہ کر دے۔ عمر رائیگاں کے بیشتر حصے یونہی نکل گئے زاد راہ کے لئے اب تک کچھ نہ ہو سکا۔ آپ جیسے لوگوں کے جذبۂ عشق صادق کی سرشاری اور اس میں ڈوبی ہوئی تخلیقات نیز دوسرے کاموں کے عزم و حوصلہ کو دیکھ کر رشک آتا ہے اور بے اختیار دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

ہمارے مسائل کے پیش نظر اپنے قیمتی مشوروں اور کتابوں سے میری رہنمائی اور تعاون فرمائیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اس گنہگار کی کاوشیں بھی بارآور ہوں۔ آمین

"نعت رنگ" کے ۴ شمارے کسی طرح دستیاب ہوئے اس کے بعد کے شمارے دیکھنے کی تمنا دل میں ہے۔ دراصل یہاں اس طرح کی کتابیں قیمتاً بھی دستیاب نہیں آپ کا خوبصورت اور شاندار گلدستہ نعت دیکھنے کی دل میں تڑپ ہے انقلاب اخبار (ممبئی) میں تبصرہ پڑھا ہے۔

بہار نعت (مرتب جناب حفیظ تائب) کے انداز پر ہندوستانی شعراء کی نعتوں کا ایک انتخاب بھی زیر ترتیب ہے تاکہ مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو سہولت ہو۔

جناب نور احمد میرٹھی صاحب کو ہمارا اسلام پہنچادیں ان کی دوسری کتاب کے لئے کچھ چیزیں ہندی بنگلہ آسامی تلگو ادب سے فراہم کردوں گا۔